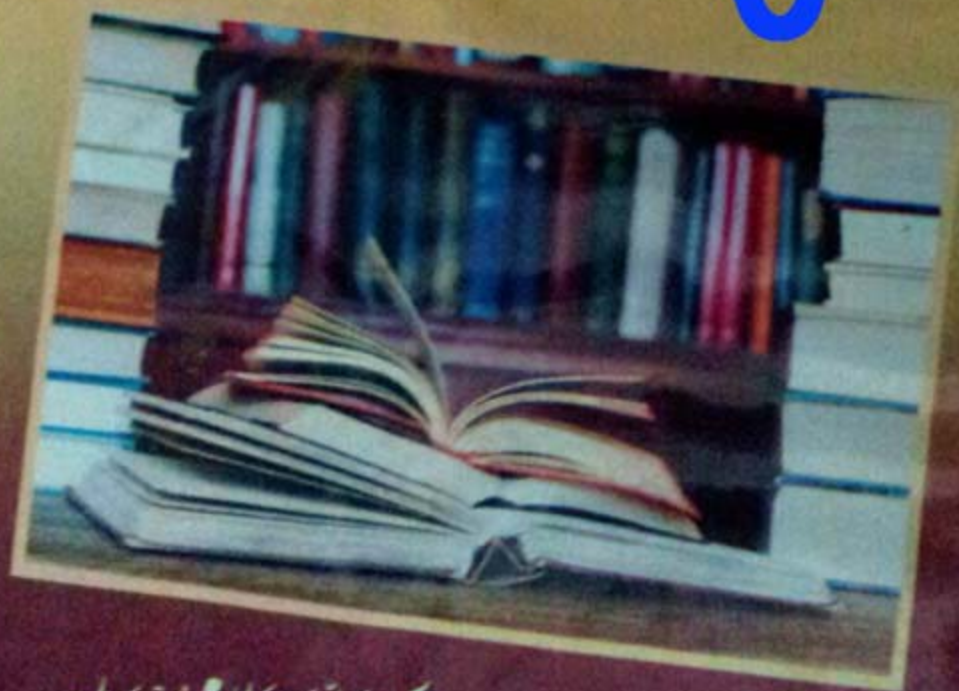


# مِطَالُ الْعَرَبِيَّةِ بِرُكُوبِ

[www.maktabams.com](http://www.maktabams.com)

6



دَاكِرْ عَلَامَه خَالِ مُحَمَّد صَا حَب

ایک تاریخی ہنکری اور تحقیقی جائزہ

# مطالعہ بریلویت

جلد ششم  
مُصَنَّف

ڈاکٹر علامہ خالد محمد ایم اے، پی ایچ ڈی  
ڈاکٹر اسلامک کیڈمی مانچسٹر

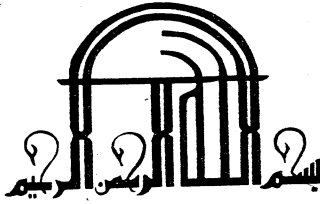
تقریظ

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب  
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

ناشران و تاجران کتب

بکڈ پوڈیوبند ۲۲۷۵۵۴ قوی

حافظی



==== کتاب =====  
مطالعہ بریلویت جلد ششم

==== مؤلف =====  
ڈاکٹر علامہ خالد محمود

==== اشاعت =====  
۲۰۰۴ء

==== ناشر =====

حافظی بکریڈو، لوہندہ ۲۴۷۵۵۴ فونی

**HAFZI BOOK DEPOT**

DEORAND-247554 (U.P.)

Tele-fax (01336) 222311 Mobile 9412556171

## فہرست مضامین

پیش لفظ

- ۱۹ حضرت عمرؓ کی شہادت کہ ہم اندھیرے میں نہیں ۲۸
- ۱۹ قافلے اگلوں کی پیروی میں چلتے ہیں ۲۸
- ۱۹ قرآن نے سبیل المؤمنین کی راہ قائم کر دی ۲۸
- ۱۹ اہلسنت اواباہل بدعت و دستوازی راہیں ۲۹
- ۲۰ حضرات پیران پیر کی بتلائی اہلسنت کی راہ ۲۰
- ۲۰ فروعی اختلافات کو برداشت کرنے پر صحابہ کا اجماع ۲۰
- ۲۱ اختلافات میں بھی ایک متفقہ راہ کا قیام ۲۱
- ۲۱ حضورؐ کی زندگی میں صحابہؓ فتویٰ دیتے تھے ۲۱
- ۲۱ آٹھویں صدی تک سنت کی تعریف یہی سمجھی گئی ۲۱
- ۲۱ حدیث میں سنت خلفاء راشدینؓ لازم ٹھہرائی گئی ۲۱
- علامہ تورہشتی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق اور
- نواب صدیق حسن اس حدیث کی شرح پر متفق ۲۲
- حضرت علیؓ کا بیان کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کے فیصلے سنت ہیں ۲۲
- امام زہریؒ کا اعلان کہ سنت اس طرح چلی ہے ۲۲
- ائمہ اربعہؓ صحابہؓ کی شاہراہ پر چلے ۲۲
- ائمہ اربعہؓ کو فروعی اختلافات صحابہؓ سے ملے ۲۲
- ائمہ اربعہؓ کے اختلافات بدعت کی زد میں نہیں آتے ۲۲
- ائمہ اربعہؓ کے معاصر ائمہ مجتہدین جن کی پیروی چلی ۲۲
- بریلویوں کے چودہویں صدی کے ائمہ اربعہ ۲۲
- نئے پیش آمدہ مسائل کا حکم مجتہد ہی بتائے ۲۵
- احمد بن حنبلؒ فقہی اختلافات کے حق میں ۲۵
- دین کا ہر حکم اپنے درجے میں رہے گا ۲۶
- آنحضرتؐ کے بعد امت اندھیرے میں نہیں رہی ۲۷
- ۲۸ قرآن کریم کی ان اعمال زینت پر شہادت ۲۸
- ۲۹ بدعت فی العقائد بدعت فی الاعمال سے اشد ۲۹
- ۲۹ پہلی صدی میں بدعت کسے سمجھتے ۲۹
- ۲۹ حضرت ابو مالک الاشجعی کی روایت ۲۹
- ۳۰ نماز چاشت میں حضرت عمرؓ کی روایت ۳۰
- ۳۱ اذان کے بعد تغویب بدعت ۳۱
- ۳۲ چھینک مارنے پر حضورؐ پر سلام پڑھنا ۳۲
- ۳۲ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ۳۲
- ۳۳ سنن دارمی کے حوالہ سے ۳۳
- ۳۳ علامہ شامی کے حوالہ سے ۳۳
- ۳۴ اجتماعی حلقہ ذکر کی کیا صورت ہے ۳۴
- ۳۴ حضرت اولیس قرنیؓ ایک حلقہ ذکر میں ۳۴
- ۳۵ شرح حدیث میں احداث فی امرنا ہذا ۳۵
- ۳۵ امام محمدؒ کا نزہی کہ اذان میں زیادتی نہ کی جائے ۳۵
- ۳۵ الصلوٰۃ خیر من النوم حضورؐ کے حکم سے کیا گیا ۳۵
- ۳۶ شریعت میں تقید مطلق بھی احداث ہے ۳۶
- ۳۶ احداث ذات شئی اور وصف شئی دونوں کو شامل ہے ۳۶
- ۳۶ جو التزام پہلے نہ تھا اب اس کا التزام جائز نہیں ۳۶
- ۳۷ ایک معارضہ جو اس حدیث پر ڈالا جاتا ہے ۳۷
- ۳۷ حضرت جریر بن عبداللہؓ کی روایت ۳۷
- ۳۷ من سن سے کسی نئے عمل کی ایجاد مرد نہیں ۳۷



- ۵۷ مسجد میں بلند آواز ذکر کرنے والے آگئے
- ۵۷ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
- ۵۸ چھینک پر سلام پر رسول نہ کہنا
- ۵۸ اہل بدعت سے سلام وکلام نہ کرنا
- ۵۸ چاشت کی نماز کا درجہ بدل گیا تھا
- ۵۸ اذان کے بعد نماز کی دعوت دینا جائز نہ
- ۵۸ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ
- ۵۸ خندہ کی تقریب پر نہ جانا
- ۵۹ سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ
- ۵۹ نماز عید سے پہلے نفل نہ پڑھے جائیں
- ۵۹ اذان کے بعد پھر نماز کی دعوت نہ دیں
- ۶۰ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ
- ۶۰ کار خیر وہی ہے جو صحابہؓ سے منقول ہو
- ۶۰ حضرت عبداللہ بن عباسؓ
- ۶۱ بدعت شیطان کی پیداوار ہے
- ۶۱ دور آخر میں اس محاذ پر پاک و ہند کے اکابر
- ۶۲ غلط بات پر اثر نا اولاد آدم کی شان نہیں
- ۶۳ بدعت کی زینت اور رونق
- ۶۵ مسجدوں میں خاموشی کا سال
- ۶۵ رونق والے اعمال ایمان کا تقاضا پورا نہیں کرتے
- ۶۶ بدعت کی لپک اور چمک
- ۶۷ اہل بدعت کے مختلف درجے
- ۶۸ بدعت فی العقائد کے مجرم
- ۶۹ بدعت فی الاعمال کے رسیاء
- ۶۹ اعمال طاعت میں اپنے التزامات
- ۳۷ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے الفاظ
- ۴۰ جو خود بدعت نہ نکالے مگر اس کی پیروی میں چلے
- ۴۱ ایک اور معارفہ جو اس حدیث پر ڈالا جاتا ہے
- ۴۲ بدعت حسنہ کے نام سے بدعت کی ابتلاء
- ۴۳ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی نصیحت
- ۴۹ مقدمہ
- ۴۹ قرآن کریم کی ہر تحریف سے حفاظت موعود
- ۴۹ سنت کے گرد امت کا پوری وفا کا پہرہ
- ۴۹ بدعات سنت میں داخل ہونے کی راہیں
- ۴۹ چور ہمیشہ رات میں واردات کرتے ہیں
- ۵۰ شریعت اپنی بنیاد میں ایک منقولی چیز ہے
- ۵۰ جہلاء نے شکیمنی تقاضوں کو علمی اختلافات سمجھا
- ۵۰ قرآن میں اختلاف پیدا ہو تو اس کا کیا حل
- ۵۰ قرآن میں نصا اور اسخرا جادو طرح کے فیصلے
- ۵۱ دین کامل میں کسی اضافے کی گنجائش نہ
- ۵۲ حضورؐ نے امت کے لیے کیا راہ عمل چھوڑی
- ۵۲ حضورؐ نے صحابہؓ کی بات کو بھی ساتھ رکھا
- ۵۳ راشدین کے لیے مہدیین کی بشارت
- ۵۳ بدعات کا آغاز صحابہ کے بعد سے
- ۵۳ پہلے تین زمانے خیر کے مانے گئے
- ۵۳ بدعات کے خلاف اٹھنے والے صحابہؓ
- ۵۳ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
- ۵۴ حضرت عمرؓ کے ہاں عبداللہ بن مسعودؓ کا مقام
- ۵۵ حضرت عبداللہ کے ہاں بدعت کیسے بنتی ہے
- ۵۶ مسجد میں کنکریوں پر اللہ کا ذکر ہو رہا تھا

- ۹۰ ملا علی قاری اور علامہ شاطبی کی تصدیق ۷۱ اجمال کا ثبوت کسی مفصل دعویٰ کی دلیل نہیں
- ۹۱ دورانول کے تردک سے منع پر استدلال ۷۲ اعمال کی شکلیں پہلی سی مگر عقائد اور
- ۹۱ طلوع فجر کے بعد نفل نہ پڑھے جائیں ۷۲ ضائع ہو جانے والے اعمال
- ۹۱ نماز عید سے پہلے نفل نہ پڑھے جائیں ۷۳ وہ بھی تو ایمان بالآخرت کے قائل تھے
- ۹۲ حضرت علامہ حلبی کا بیان ۷۳ دفع تعارض مکہ و کافر بھی تو تھے
- ۹۲ حضرت علامہ طرطوشی کا ارشاد ۷۶ خوارج کی تحریک اور ابتداء
- ۹۲ قل یا ایہا الکافرون کو تین قل سے نہ ملانا ۷۷ یہاں وزن کشش زمین سے آتا ہے
- ۹۲ فتاویٰ عالمگیری کا فیصلہ ۷۸ اعمال کی مختلف قسمیں
- ۹۳ دین خدا سے ملتا ہے یا اباحت سے بنتا ہے ۷۹ اعمال دنیا اور اعمال آخرت
- ۹۴ بدعات کا حکم اسلام ہیں؟ ۷۹ پاک کلمے ہی اوپر اٹھتے ہیں
- ۹۶ کیا بدعت گناہ ہے؟ نہیں ۸۰ کتنے نیک کام دھرے کے دھرے رہ گئے
- ۹۶ بدعت گناہ سے بالا کی چیز ہے ۸۱ حلال و حرام کے فیصلے تو قیفی ہیں
- ۹۶ بدعتی شفاعت سے محروم رہے گا ۸۱ حافظ ابن کثیر کے ہاں بدعت کی وسعت
- ۹۷ بدعتی امت کے دائرہ سے نکل جاتا ہے ۸۱ من حادث فی امرناخذ امیں احداث عام ہے
- ۹۷ بدعت اور بدعتی میں فرق ۸۲ احداث ذات اور وصف دونوں میں ہوتا ہے
- ۹۸ دونوں سے نفرت کی جائے ۸۳ من صنع امر اعلیٰ غیر امرنا کی روایت
- ۹۸ حضرت پیران پیر کی دس نصیحتیں ۸۳ جو عمل کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو اس کا حکم
- ۹۸ بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی ۸۴ دوسری قوم کے کتبہ سے بھی جائز ناجائز ہو جاتا ہے
- ۹۹ بدعت سمجھنے کے پانچ مبادی ۸۵ کسی عمل کا درجہ سمجھنے میں عوام کی سمجھ کا اعتبار ہوگا
- ۹۹ ۱۔ بات مخاطب شرعی میں ہو رہی ہو ۸۶ کسی مستحب کو واجب کے درجے میں لے جانا
- ۹۹ ۲۔ بدعت سنت کے مقابل سمجھی جائے ۸۷ کسی مباح کو سنت کے درجے میں میں لے جانا
- ۹۹ ۳۔ بدعت کا موضوع تعبدی امر ہونہ کہ دنیوی ۸۷ علامہ حلبی، علامہ طیبی، حافظ عسقلانی، ابن نجیم،
- ۹۹ ۴۔ بدعت کی حد صحابہؓ کے بعد سے لی جائے گی ۸۸ علامہ طاہر فتنی اور ملا علی قاری کی چھ شہادتیں
- ۹۹ ۵۔ بدعت کا تعلق مسائل سے نہ کہ ذرائع سے ۸۹ علامہ شامی کا فیصلہ
- ۹۹ بدعت اصلاً و فرعاً اسلام نہیں ۹۰ دورانول کے تردک بھی نہ کرنے کی سند

- ۱۰۰ استنباط کردہ فروع بدعات نہیں
- ۱۱۲ قرآن کی رو سے حوادث پیش آمدہ کا حکم
- ۱۰۰ قیاس اور اجتہاد احداث نہیں
- ۱۱۳ حضرت ابن عمرؓ کا سلام پڑھنے سے روکنا
- ۱۰۰ امام ربانی مجدد الف ثانی کی تصدیق
- ۱۱۴ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصدیق
- ۱۰۱ فقہی مذاہب بدعات کے ذیل میں نہیں آتے
- ۱۱۵ ماسکت عنہ فہر معافا
- ۱۰۱ جو چیز بدعت نہ ہو وہ بدعت کیسے بنتی ہے
- ۱۱۵ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت
- ۱۰۱ کسی عمل کو کسی دوسرے عمل سے لازم کرنا
- ۱۱۶ امور مسکوت عنہما کا حکم
- ۱۰۱ کسی نیکی کو کسی وقت سے خاص کرنا
- ۱۱۶ اصلی اباحت ہو یہ معتزلہ کی رائے ہے
- ۱۰۲ ۳۔ نیک اعمال یا کارنامہ طور پر بجالانا
- ۱۱۶ عبادات، عادات اور معاملات
- ۱۰۲ ۴۔ دین کے تقاضوں کو نئی شکل دینا
- ۱۱۹ انسانی تصرفات کی دو قسمیں
- ۱۰۲ ۵۔ پیروں کی بات فتوے کے درجہ میں لینا
- ۱۱۹ حافظ ابن تیمیہ کا بیان
- ۱۰۳ نعمت البدیۃ کا مفہوم
- ۱۲۰ شیخ یوسف قرضاوی کا بیان
- ۱۰۴ بدعت حسنہ کا مفہوم
- ۱۲۲ توقف اور اباحت میں فرق
- ۱۰۴ فاطمی خلفاء نے اذان میں اضافہ کیا
- ۱۲۲ اہل سنت کے ہاں اصل توقف
- ۱۰۵ بزرگان دین کا بدعت حسنہ سے اجتناب
- ۱۲۲ معتزلہ کے ہاں اصل اباحت
- ۱۰۶ بدعت شرعیہ کا مفہوم
- ۱۲۲ اباحت کو اصل بنانے کے اثرات
- ۱۰۶ دنیوی ایجادات بدعات نہیں
- ۱۲۵ سنت کی آفاقیت
- ۱۰۷ تعبیدی امور میں نقل موجود ہونا ضروری ہے
- ۱۲۶ بدعت سے اجتناب کے اعتقادی فوائد
- ۱۰۸ دنیوی امور میں نقل موجود ہونا ضروری نہیں
- ۱۲۶ ۱۔ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ
- ۱۰۸ مولانا احمد رضا خان کا دین مذہب
- ۱۲۷ عقیدہ اباحت سے بچنے کی ضمانت
- ۱۰۸ بریلویوں نے ایجاد بدعات کی کیا راہ نکالی
- ۱۲۷ تسلسل امت میں رہنے کی ضمانت
- ۱۰۹ غلامدین بن ہمام نے اباحت کا کیا درجہ بتلایا
- ۱۲۸ صحابہ پر تنقید کرنے کی حفاظت
- ۱۱۰ اباحت کے اصل ہونے سے مراد
- ۱۲۹ خاندان رسالت سے محبت کا لزوم
- ۱۱۱ شریعت روایت اور استنباط سے لی جاتی ہے
- ۱۳۰ آل رسول کی تعظیم و محبت
- ۱۱۱ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصریح
- ۱۳۰ حضرت مفتی محمد شفیعؒ کا بیان
- ۱۱۲ مسائل پیش آمدہ تین طرح کے ہیں
- ۱۳۰ ناصیت بھی ایک اعتقادی بدعت ہے

- ۱۵۲ **افتتاحیہ** ۱۳۱ ایجاد بدعت افتراء علی الرسول کا دوسرا نام ہے
- ۱۵۲ بحر ظلمات من امواج البدعات ۱۳۱ بدعت کو اچھا جاننا رسالت پر خیانت کا گمان ہے
- ۱۵۲ بدعات کا حملہ بے علم لوگوں پر زیادہ ہوتا ہے ۱۳۱ بدعت کو سنی کہنے کا گناہ
- ۱۵۲ وہ شکم پرست مولویوں کے جنگل میں ۱۳۲ بدعتی کی صحبت کا کفر سے بھی زیادہ خطرناک
- ۱۵۲ پھنسے رہتے ہیں ۱۳۲ حقائق و معانی حیات کے لباس میں
- ۱۵۳ بدیشی حکومتیں اور تفریق پیدا کرتی ہیں ۱۳۲ بدعت نسبت گناہ کفر سے زیادہ قریب ہے
- ۱۵۳ ہندوستان میں سواد اعظم کی تقسیم ۱۳۳ بدعت جہالت کے سائے میں پلتی ہے
- ۱۵۳ مولوی فضل رسول کو گیارہ روپیہ یومیہ ۱۳۳ بدعت کو عالم مثال میں دیکھئے
- ۱۵۴ ختموں کی مجلسوں میں رونق ۱۳۴ بدعت کی اہل بدعت کے لئے اضافی آفات
- ۱۵۴ بدعات ایک گہرا بحر ظلمات ہے ۱۳۵ ۱۔ بدعتی کو پناہ دینے کی آفت
- ۱۵۵ مختلف ممالک میں اپنی اپنی بدعات ۱۳۶ ۲۔ بدعتی کی کوئی دوسری نیکی بھی قبول نہیں ہوتی
- ۱۵۴ مولانا احمد رضا خاں سے وصیت سے ۱۳۷ ۳۔ بدعتی کا اکرام تو ہیں اسلام کا موجب ہے
- ۱۵۴ ایک سال کی روٹیاں ۱۳۸ ۴۔ بدعتی کے سوائے خاتمہ کا اندیشہ
- ۱۵۵ بدعات سنن نبوت کے گرد کانٹوں کی باڑ ۱۳۹ ۵۔ بدعات پر خاموشی اختیار کرنا بڑا جرم ہے
- ۱۵۵ کلمہ نماز صدقات ہر عمل میں بدعات ۱۴۰ بدعتی حوض کوثر سے محروم واپس ہوں گے
- ۱۵۵ حج کو بے اثر کرنے کیلئے باجماعت نماز چھوڑنا ۱۴۱ بدعتیوں کا آخرت میں مسخ اشکال ہوگا
- ۱۵۶ عید میلاد کو نام سے ایک تیسری عید ۱۴۱ ایک بدعت کئی بدعتوں کو کھینچتی ہے
- ۱۵۸ شجرہ بدعات (پچاس عنوانات) ۱۴۲ ہر بدعت اپنے ساتھ کچھ سنتوں کو مٹاتی ہے
- ۱۶۳ **سنت کے بھٹکے کھان جا اٹکے** ۱۴۲ بدعت اسلام کے خلاف ایک بغاوت ہے
- ۱۶۳ کلمہ ہر حضور کی رسالت کا اقرار ۱۴۴ علماء حق کی بدعت سے بچانے کی کوششیں
- ۱۶۳ کلمہ میں اقرار شہادتین ہے ۱۴۵ بدعت کے وبال سے نکلنے کی ایک راہ
- ۱۶۳ ایمان اور اسلام میں فرق نہ کیا جائے ۱۴۷ بدعت سے نفرت پیدا کرنے کا عمل
- ۱۶۵ اہل بدعت کی کلمہ میں بدعت کی غلط راہیں ۱۴۷ حضور مکی محبت کو سنتوں کی محبت لازم
- ۱۶۵ عمل کی ہیئت بدل جائے وہ مسنون نہیں رہتا ۱۴۷ حضور مکی محبت کو بدعت سے نفرت لازم
- ۱۶۷ اہل میت کے ہاں کھانا پہنچانا مسنون تھا مگر ۱۶۷ یہ عمل بھی بدعت ہو گیا اور متردک ٹھہرا

- نماز چاشت مسنون تھی مگر بیت بدلنے سے اے بھی بدعت ٹھہرایا گیا ۱۶۸ کیا بالجہر ناجائز ہے یا اس سے بڑھ کر ہے ۱۸۴
- کلمہ کے گرد بچھانے گئے کانٹے ۱۶۹ حدیث ابن عباسؓ پر ابن حبیب کی رائے ۱۸۴
- پیروں کے پیچھے کلمہ پڑھتے چلنا ۱۶۹ کیا یہ ذکر بالجہر محض ایک فوجی کاروائی تھی ۱۸۴
- روز نامہ جنگ لندن کی ۱۹۹ء کی شہادت ۱۷۰ حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ۱۸۴
- بریلویوں کا ایک استدلال اور اس کا جواب ۱۷۱ رفع صوت بالذکر پر حافظ جصاص کی رائے ۱۸۵
- فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنا ۱۷۱ رفع صوت بالذکر پر علامہ نفیسی کی رائے ۱۸۵
- حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ۱۷۲ حافظ عینی کی رائے ۱۸۵
- ابو معبد راوی کا اپنی روایت سے انکار ۱۷۲ ذکر بالجہر کی یہ روایت منسوخ ہے ۱۸۶
- یہ روایت اصول حنفیہ پر لائق احتجاج نہیں ۱۷۲ ذکر بالجہر کے عدم جواز پر چار سوالات ۱۸۶
- چاروں مذاہب میں یہ پسندیدہ نہیں ۱۷۲ جہاد میں مقابلے کے بلند نعرے ۱۸۷
- حافظ ابن کثیر کی شہادت ۱۷۳ دشمنوں کو مرعوب کرنے کا حکم ۱۸۷
- علامہ حلبی حنفی کی شہادت ۱۷۳ لڑائی کا ایک چال ہے الحرب خدمۃ ۱۸۷
- مشائخ علی پور کا بریلویوں سے اختلاف ۱۷۴ تکبیرات تشریق بلند آواز سے کیوں؟ ۱۸۸
- مولانا غلام رسول صدر مدرس نقشبندیہ ۱۷۴ تکبیرات عید الاضحیٰ کا جہر نص سے ثابت ہے ۱۸۸
- سجادہ نشین علی پور کی تصدیق ۱۷۵ تکبیرات عید الفطر عید الاضحیٰ پر قیاس کی گئیں ۱۸۸
- اصول احناف پر نچلا راوی ساقط ہوگا ۱۷۹ حضرت امام سے صاحبین کا اختلاف ۱۸۸
- حدیث ابن عباسؓ میں نچلے راوی کا اختلاف ۱۸۰ حج اور عمرہ کا احرام اور تلبیہ پکارنا ۱۸۸
- امام کرنی ایسی روایت سے احتجاج نہیں مانتے ۱۸۰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضورؐ سے روایت کیا ۱۸۹
- شافعیہ کے اصول پر اس روایت میں غور ۱۸۱ علامہ نووی کا بیان ۱۸۹
- مالکیہ کے ہاں ذکر بالجہر کا درجہ ۱۸۱ تراویح میں تسبیح کا جہر ۱۸۹
- حنابلہ کے ہاں ذکر بالجہر کا درجہ ۱۸۱ اذان و اقامت میں لانی گنیں بدعات ۱۹۹
- چاروں فقہی مذاہب کا اجماعی فتوے ۱۸۲ اذان میں صلوٰۃ و سلام کا اضافہ ۱۹۹
- علامہ عینی کا حدیث ابن عباسؓ پر ایک لطیف تبصرہ ۱۸۳ حضرت بلالؓ کی اذان میں صلوٰۃ و سلام نہ تھا ۱۹۹
- ذکر بالجہر ناجائز ہے یا اس سے بڑھ کر ہے ۱۸۳ اس میں لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ نہیں ۱۹۹

- ۱۹۹ بریلوی مولویوں کا طریق واردات
- ۲۰۰ عمومی احکام سے تخصیصات قائم کرنا
- ۲۰۰ مطلق حکم درود سے اذان میں درود لانا
- ۲۰۰ مولانا احمد رضا خاں بھی اسی راہ پر گامزن
- ۲۰۰ شیطان کی خیر خواہی ایک دبے انداز میں
- ۲۰۰ شیطان کے نماز پڑھنے کا عقیدہ
- ۲۰۱ شیعوں کے اذان میں اضافہ کرنے سے استناد
- ۲۰۱ مصر کے فاطمی حکمران اسماعیلی عقیدہ پر تھے
- ۲۰۱ اذان میں السلام علی الملک الظاہر کا اضافہ
- ۲۰۱ ابن بابویہ قمی نے مفوضہ پر لعنت کی
- ۲۰۳ اذان میں درود ملانے کی ایک بریلوی دلیل
- ۲۰۳ سننے والا صلوٰۃ پڑھے اس سے دلیل لانا
- ۲۰۴ درود دعا ہے اور دعا آہستہ چاہئے
- ۲۰۴ ذکر اور درود میں فرق
- ۲۰۵ فتاویٰ عالمگیری میں ہے دعا آہستہ کہو
- ۲۰۵ ہدایہ کی شرح فتح القدیر کا حوالہ
- ۲۰۵ البحر الرائق میں درود آہستہ پڑھنے کی صراحت
- ۲۰۶ کشتی میں گھبراہٹ کے وقت بھی درود آہستہ
- ۲۰۶ جہاد میں اسلحہ کو دیکھتے بھی درود آہستہ
- ۲۰۷ حدیث دارقطنی اور بیہقی سے استدلال
- ۲۰۷ اذان میں صلوٰۃ و سلام آٹھویں صدی میں لایا گیا
- ۲۰۷ لوگوں کی جنس بدلنے لگی
- ۲۰۸ ۲۔ اذان میں حضورؐ کے نام پر اپنے انگوٹھے چومنا
- ۲۰۸ اپنے انگوٹھوں کو حضورؐ کے انگوٹھے سمجھ لینا جائز ہے
- ۲۰۸ مولوی مختار احمد کا اشتہار واجب الاعتبار
- ۲۰۹ حضرت ابو بکرؓ نام پر ایک روایت گھڑی گئی
- ۲۰۹ موضوعات کی کتابوں میں لالچ سے مراد کیا ہے
- ۲۱۰ مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ کہ یہ مسنون نہیں
- ۲۱۰ ضعیف حدیث پر اسے ثابت سمجھ کر
- ۲۱۰ عمل کرنا جائز نہیں
- ۲۱۱ موضوع حدیث کو ضعیف سمجھ لینا درست نہیں
- ۲۱۱ علامہ سیوطی کا ان روایات کے موضع ہونے کا فتویٰ
- ۲۱۲ مفتی احمد یار انگوٹھے نہ چومتے انگلیاں چومتے تھے
- ۲۱۲ مولانا احمد رضا خاں کا کا ذوق انگوٹھے چومنے کا تھا
- ۲۱۳ حضرت آدمؑ کے انگوٹھوں میں نور چمکایا گیا
- ۲۱۳ مفتی احمد یار نے یہ روایت کہاں سے لی
- ۲۱۳ نعیم الدین نے یہ روایت انجیل سے لی ہے
- ۲۱۳ بعض درویشوں کے تجربات
- ۲۱۳ جو عمل بطور علاج ہوا اسے دینی مسئلہ نہ سمجھو
- ۲۱۴ فتاویٰ صوفیہ میں اسے مستحب کہا گیا
- ۲۱۴ امام ربانی کا فتویٰ کہ صوفیہ کی باتیں حجت نہیں
- ۲۱۴ محمود احمد رضوی کا فتویٰ کہ کسی مستحب کو ضروری
- ۲۱۴ سمجھ لینا شیطان کے داؤ میں آنا ہے
- ۲۱۴ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تائید
- ۲۱۵ مفتی عبدالرحیم لاچپوری کا فتویٰ
- ۲۱۵ علامہ طاہر اسے اوپر لانے کو مکروہ کہتے تھے
- ۲۱۵ حافظ ابن حجر کا فتویٰ کہ ایسے عمل کس طرح مکروہ
- ۲۱۵ بنتے ہیں
- ۲۱۵ مفتی کفایت اللہ کا ارشاد کہ یہ صرف بطور علاج
- ۲۱۶ ہو سکے

- ۳۔ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر نہ ہو ۲۱۶
- مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ کہ موجودہ ۲۱۶
- عمل بدعت ہے ۲۱۶
- حضرت عثمانؓ پر بدعت قائم کرنے کا الزام ۲۱۶
- اوج شریف سے مولانا احمد رضا خاں کی تردید ۲۱۶
- مولانا معین الدین اجیری نے القول الاظہر لکھا ۲۱۷
- فقہ حنفی کا فیصلہ مرقی الفلاح میں دیکھئے ۲۱۷
- ۴۔ قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ۲۱۷
- ہونا ناجائز بتلانا ۲۱۷
- مدینہ منورہ کے عمل کی شہادت امام مالک سے ۲۱۸
- اس میں لوگوں کی اپنی ہمت اور طاقت کا اعتبار ہے ۲۱۸
- امام مالک خود تکبیر کے شروع میں کھڑے ہوتے ۲۱۸
- علامہ عینی کا فتویٰ کہ اس میں جمہور امام مالک کے ۲۱۸
- ساتھ ہیں ۲۱۸
- حضرت عمرؓ صفیں سیدھی کر کر تکبیر کہتے ۲۱۹
- حضرت عثمانؓ صف کھڑی ہونے کے بعد کندھے ۲۱۹
- ملانے کو کہتے ۲۱۹
- حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں نہ کہ ۲۲۰
- قد قامت الصلوٰۃ کا انتظار کریں ۲۲۰
- اس کے بعد کوئی نہ بیٹھا رہے ۲۲۰
- حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا اس سے تاخیر نہ ۲۲۰
- کرنے کے لیے کہا نہ کہ پہلے کھڑا نہ ہو ۲۲۰
- علامہ طحاوی کا فیصلہ شرعی درمختار میں ۲۲۱
- حضرت سعید بن المسیب کا فتویٰ ۲۲۱
- حضرت عمر بن عبدالعزیز کا فتویٰ ۲۲۲
- ۲۲۲ ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی ۲۲۲
- امام کے آنے سے پہلے کھڑا ہونا ممنوع ہے ۲۲۲
- وبا اور قحط کے دنوں میں عام اذانیں دینا ۲۲۳
- کان میں اذان کہلوانے کی کوئی اصل نہیں ۲۲۳
- دفن میت کے وقت اذان کہنا ثابت نہیں ۲۲۳
- جن سامنے آجائے تو اذان کہہ سکتا ہے ۲۲۳
- نماز میں لانی گنیں بدعات** ۲۲۴
- ۱۔ مزارات پر نماز پڑھنے کی فضیلت ۲۲۴
- ۲۔ تشہد میں نیت بدلنا اور حضورؐ کی طرح ہمت لگانا ۲۲۴
- جو عالم صرف ہمت سے منع کرے اسکی مخالفت ۲۲۵
- لفظ ہمت کے معنی شاہ ولی اللہ کے حوالے سے ۲۲۷
- بت پرستی کی ابتدا تصاویر سے (احمد رضا) ۲۲۸
- ان کی طرف دھیان باندھنے سے عبادت ۲۲۸
- میں لذت ۲۲۸
- بت پرستی کی ابتدا قبر پرستی سے ہوئی (شامی) ۲۲۸
- ۳۔ مکہ و مدینہ میں وہاں کے اماموں سے گریز پائی ۲۲۹
- ان کے پیچھے نماز پڑھنا اور جمعہ چھوڑنا ۲۲۹
- مدینہ منورہ کا دجال کے فتنے سے تحفظ ۲۲۹
- ۴۔ نماز جنازہ کے بعد وہیں اجتماعی دعا ۲۲۹
- حضرت امام ربانی کے جنازہ کے بعد دعا کی گئی ۲۳۰
- میت کے لئے نماز جنازہ کے اندر دعا ۲۳۰
- فاء تفصیل کی چند مثالیں ۲۳۰
- اذا قرأت القرآن فاستعذ بالله ۲۳۰
- اذا قمم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوهکم ۲۳۱
- واذا ساءلتوہن فاسئلوہن ۲۳۱



- فقہانے اس کے معنی نماز کے اندر دعا کے کیے ہیں ۲۳۱  
 ۲۳۲ مختص الدعاء للجنائزۃ فی التکبیرات  
 مشکوٰۃ میں اس دعا سے مراد اللھم اغفر لحسینا ومیتنا  
 لی گئی ہے ۲۳۲  
 تیسری اور چوتھی تکبیر کے درمیان کچھ نہ پڑھے ۲۳۳  
 نماز جنازہ میں تین حقوق ۲۳۳  
 دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری کا فتویٰ ۲۳۳  
 میت کے لئے چوتھی تکبیر سے پہلے ۲۳۴  
 اس سے دعا بعد الجنائزہ پر استدلال غلط ہے ۲۳۴  
 عبداللہ بن ابی وحی کی لڑکی کی نماز جنازہ  
 اور اس میں مفتی احمد یار کی مغلطہ دہی ۲۳۴  
 عبداللہ بن رواد اور جعفر بن ابی طالب کی  
 نماز جنازہ عابنانہ میں دعا بعد جنازہ ۲۳۵  
 عبداللہ بن سلام کی دعا میں شمولیت کی استدعا ۲۳۵  
 نماز غوثیہ کا اضافہ ۲۳۶  
 عراق کی طرف گیارہ قدم چلے اور گیارہویں پر  
 ٹھہرے ۲۳۶  
 مدد اللہ کے رسول سے حضرت غوث پاک سے  
 مانگے ۲۳۶  
 نماز میں سارا دھیان غوث پاک پر جائے ۲۳۶  
 نماز میں بیگانہ عورت پر نگاہ ہو سکتی ہے ۲۳۶  
 قصد ایسا کرنا بھی صرف مکروہ ہے ۲۳۶  
 کیا ایسا کرنا نماز میں ہی ہو سکتا ہے؟ ۲۳۶  
 درود شریف کے گروہ لانی گنہیں بدعات ۲۳۷  
 ۱۔ درود سلام کو آواز بلند پڑھنا ۲۳۷  
 ۲۔ درود شریف سے حضرت ابراہیم کا نام نکالنا ۲۳۸  
 سلام سے درود بھی ادا سمجھا جائیگا ۲۳۸  
 ۳۔ درود و سلام میں افراد کو مکروہ کہنا ۲۳۹  
 حنفیہ کے ہاں افراد مکروہ نہیں ہے ۲۳۹  
 قیام بوقت سلام ۲۴۰  
 محمود احمد رضوی کا بدعت توڑ بیان ۲۴۰  
 شاہ فرید الحق کی باہمی اتحاد کے لیے تجویز ۲۴۰  
 ۵۔ درود شریف کو دنیاوی مقاصد کے لیے  
 استعمال کرنا ۲۴۰  
 انگریز کارنگ کی شان ظاہر کرنے کے لیے سبحان  
 اللہ کہنا یا درود شریف پڑھنا ۲۴۱  
 پہرے دار کا تسبیح یا درود پڑھنا ۲۴۳  
 کسی بڑے آدمی کی آمد پر درود شریف پڑھنا ۲۴۳  
 سوتوں کو جگانے کے لیے درود پڑھنا ۲۴۳  
 خطبہ کے دوران حضور کے نام پر درود پڑھنا ۲۴۳  
 تکیہ کلام کے لیے درود شریف پڑھوانا ۲۴۳  
 کسی واعظ کے آنے پر قرآن وحدیث روک کر  
 سلام و قیام اور درود سے اس کا استقبال ۲۴۳  
 قبروں پر کی جانے والی بدعات ۲۴۴  
 قبروں کو وارثت میں شامل کرنا ۲۴۴  
 ۱۔ عید قبور جسے عرس بھی کہتے ہیں ۲۴۴  
 زیارت قبور اور عید قبور میں فرق ۲۴۵  
 قبروں پر سالانہ حاضری یا اجتماعی حاضری ۲۴۶  
 قرون اولیٰ میں کہیں نہ ہوتی تھی ۲۴۶

- ۲۵۸ پر ملتے ہیں اور اس سے برکت ڈھونڈتے ہیں
- ۲۵۹ ۳۔ قبروں پر پھولوں کی چادریں
- ۲۵۹ غذاب والی قبروں کی نشاندہی ہوتی ہے
- ۲۵۹ غذاب میں تخفیف کا اصل باعث
- بریلوی عقیدہ کہ غذاب میں کی سبزے سے ہوتی
- ۲۵۹ نہ کہ محض حضور کی دعا سے
- ۲۵۹ یہ حضور کی دعا کے بارے میں گستاخ لہجہ ہے
- ۲۵۹ ۴۔ قروں پر نذرین
- ۲۵۹ زائر سمجھتا ہے کہ وہ نذرانہ حضرت کو دے رہا ہے
- ۲۵۹ اس سے تسلیم اموات کا غلط عقیدہ بنتا ہے
- ۲۵۹ جائیداد کی تقسیم میں قبر کی قیمت ڈالی جاتی ہے
- ۲۶۰ فقہ حنفی میں ان نذروں کو حرام کہا گیا ہے
- ۲۶۰ علامہ شامی نے اس کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں
- ۲۶۲ علامہ آلوسی کے ہاں اس پر عمل نہیں پایا گیا
- ۲۶۳ مجتہدین امت کے خلاف جانا گمراہی ہے
- ۲۶۳ قبروں پر شرک کے اعمال قتل و زنا سے بدتر ہیں
- ۲۶۳ ۵۔ نذر کیے گئے بکرے اور مرغے
- امام ربانی مجدد الف ثانی کے ہاں مزاروں کے
- ۲۶۴ پاس ذبح حیوانات کا عمل داخل شرک ہے
- ۲۶۵ ۶۔ قبروں پر لڑکیوں کا چڑھاوا
- ۲۶۵ سید احمد بدوی کے مزار پر ایک تاجر کی حاضری
- ۲۶۶ مزاروں کے گرد حجرے کیا اسی لیے ہوتے ہیں
- ۲۶۶ بیٹوں کے ہوئے کیا تیم پوتے کو وراثت ملے گی
- ۲۶۶ پورا قصہ مولانا احمد رضا خاں کے الفاظ میں
- ۲۶۷ ۷۔ عورتوں کی عرسوں پر حاضری
- ۲۴۶ حضور کا ارشاد میری قبر کو عید نہ بنانا
- ۲۴۷ اس حدیث کی شرح شاہ ولی اللہ سے
- ۲۴۷ عید قبور سب بدعتوں میں بڑی ہے
- ۲۴۷ شاہ صاحب کی ہمعات کی عبارت کا مطلب
- قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے ہاں عرس سالانہ
- ۲۴۸ عید قبور کو ہی کہتے ہیں
- ۲۴۸ اجیر شریف جا کر حاجات طلب کرنا
- ۲۴۸ حضرت شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ
- ۲۴۹ قبروں پر سالانہ حاضری کا حکم
- ۲۵۰ وقت فاتحہ کھانا سامنے رکھنا بیکار ہے
- ۲۵۱ قبور شہداء پر سالانہ حاضری کی روایات
- ۲۵۱ کسی قبر پر حاضری دینے کے لیے سفر کرنا
- ۲۵۱ کسی نیک کام کے لیے کسی خاص دن کا التزام
- ۲۵۳ تعیین اعتقادی اور التزامی
- ۲۵۳ تخصیص اوقات اور تخصیص مقامات
- ۲۵۶ ۲۔ قبروں کے عرق غلاب سے غسل
- ۲۵۷ غسل کے لیے قبریں کچی کی گئیں
- ۲۵۷ امام محمد قبروں کو پلستر کرنا مکروہ کہتے تھے
- ۲۵۷ علامہ طبری کہتے ہیں یہی ہمارے تینوں امام کہتے ہیں
- ۲۵۷ قاضی ثناء اللہ اسے حرام قرار دیتے رہے
- ۲۵۷ مزار کو غسل دینے کے بعد ان کا تقاضا
- مہنگائی کے دور میں زندوں کی پروا نہیں رہتی
- ۲۵۸ منوں گلاب کا عرق ضاء کیا جاتا ہے
- ۲۵۸ اس غسل سے لوگ بوتلیں بھر کر لے جاتے ہیں
- غسل دینے والے علماء اس دھوون کو اپنی داڑھیوں

- زیارت قبور کی اجازت صرف مردوں کو ملی تھی ۲۶۷ عبد اللہ بن مسعود کی روایت میں لفظ اذان لغوی معنی  
 مولانا احمد رضا عورتوں کو قبروں پر جانے سے سختی میں ہے عربی میں نہیں ۲۷۷  
 سے روکتے تھے ۲۶۷ لفظ اذان قرآن میں مختلف معانی میں ۲۷۸  
 علامہ عینی نے اکثر علماء سے عورتوں کا مزارات پر مولانا احمد رضا خاں کا ایک اور اجتہاد ۲۷۹  
 جانا منع لکھا ہے ۲۶۷ باہر سے اذان گہنی مستحب ہے ۲۷۹  
 ۸۔ قبروں کے طواف ۲۶۸ شیطان سے بچنے کیلئے کہاں کہاں اذان دی جایا  
 طواف رکوع اور سجدہ تینوں اللہ کے لیے ۲۶۸ کرے گی؟ ۲۷۹  
 کسی اور مسجد کا طواف جائز نہیں ۲۶۸ جب بیوی کے پاس جائیں ۲۷۹  
 حضرت علی ہجویری کے مزار کا طواف ۲۶۹ قضائے حاجت کے وقت شیطان کی آمد ۲۸۰  
 حضرت ملا علی قاری کا تفصیلی فتویٰ ۲۶۹ بیت الحلا میں اذان نہ دی جائے ۲۸۰  
 مشرک جاہل مولویوں کی گرفت میں ۲۶۹ گھروں میں پوری رات اذان دیتے رہیں تاکہ  
 قبر اور دیواروں کو چھوٹا ۲۷۰ شیطان کسی کو خواب میں آلودہ نہ کرے ۲۸۰  
 حضرت ملا علی قاری کا فتویٰ ۲۷۰ بازاروں اور منڈیوں میں اذان کی ضرورت ۲۸۰  
 درمختار کا صریح فتویٰ حرمت ۲۷۰ قبر پر اذان کی بدعت کب سے شروع ہوئی ۲۸۰  
 ہدایہ کی ایک صریح عبارت ۲۷۱ علامہ شامی نے اس کا بدعت ہونا نقل کیا ہے ۲۸۰  
 فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ ۲۷۱ ادخال میت کے وقت اذان دینا بدعت ہے ۲۸۱  
 جنرل اسلم بیک کی بیگم ایک مزار پر ۲۷۲ لائسنس الاذان میں اذان ۲۸۱  
 ۹۔ قبروں پر اذان دینا ۲۷۳ اذان جہاں مسنون نہیں وہاں مکروہ ہے ۲۸۱  
 مولانا احمد رضا خاں کی تالیف ایذا ان الاجر ۲۷۳ وہ مواقع جہاں اذان مسنون نہیں  
 امت کا ہمیشہ سے عمل رہا کہ قبر پر اذان نہیں ۲۷۳ نماز ترویج سنن رواتب بحر ۲۸۱  
 جو چیز مسنون نہیں قبروں پر نہ کی جائے ۲۷۴ وتر، جنازہ، کیسوف استسقاء ۲۸۱  
 مولانا احمد رضا خاں کی دلیل کہ اذان دعائی تو ہے ۲۷۶ علامہ طحاوی ابن سام کے فیصلہ پر ۲۸۲  
 ان کا ایک قول کہ ”اذان خالص ذکر بھی نہیں“ ۲۷۶ مولویوں کے لئے کام بڑھانا نیکی ہے ۲۸۲  
 قبر پر اذان کہنے میں اہل بدعت کا اختلاف ۲۷۷ مولانا محمد منظور نعمانی کی ”امعان النظر“ ۲۸۳  
 درالجمار میں ایک ہندی رسم بتائی گئی ہے ۲۷۷ ۱۰۔ قبروں کو پکھانا اور ان پر کھانے لے جانا ۲۸۳

- حضورؐ کا ارشاد نہ قبر پر کی بنے نہ اس پر چھت آئے ۲۸۳ یہ کھڑا ہونا اعظما نہیں یہ کبھی یہودی کے جنازہ کے لئے بھی ہوا ۲۸۳ امام محمد کا فتویٰ کہ وہی مٹی ڈالی جائے جو نکلی تھی ۲۸۳ کھانے لے جانا ۲۸۳ یہاں کے کھانے وہاں والوں کے لئے نہیں ۲۸۳ مولانا احمد رضا کے پیر وقت دفن دودھ لے آئے ۲۸۳ ہفتے میں دوبار کھانے بھیجنے کی وصیت ۲۸۳ کفن پرانا ہو جائے تو نیا کفن بھیج دیا کریں ۲۸۵ ۱۱۔ قبروں پر سجادہ نشینوں کا تقرر ۲۸۶ مجاوروں کے خفیہ کاروبار ۲۸۶ عرسوں پر مولویوں کی خدمت ۲۸۶ قبروں پر غلط قسم کے کاروبار ۲۸۶ ۱۲۔ قبروں سے واہیات آوازیں ۲۸۷ ایک صحابی ایک مزار پر خیرہ نکلن ۲۸۷ میں کس کسے کی چابی حاصل کروں ۲۸۷ مولاعلیٰ کے ملک کا کاروبار ۲۸۷ ۱۳۔ مرید عورتیں پیروں کی باندیاں ۲۸۸ طریقت شریعت کے متوازی کوئی دوسری راہ نہیں ۲۸۹ مولانا احمد رضا خاں کے زمانہ خانہ میں پیر کی آمد ۲۸۹ مولانا احمد رضا کا فتویٰ کہ اس کے لیے معذرت کیا؟ ۲۸۹ ۱۴۔ جنازہ دیکھتے کھڑے ہو جانا ۲۹۰ حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایت ۲۹۰ حنا بلہ کا مسلک کھڑے ہونے کا ۲۹۰ حنیفہ کا مسلک کہ کھڑے نہ ہونا ۲۹۰ حضرت علیؓ کی روایت کا مجمل ۲۹۰
- ۲۹۱ یہ کھڑا ہونا اعظما نہیں یہ کبھی یہودی کے جنازہ کے لئے بھی ہوا ۲۹۱ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ۲۹۱ صحیح ابن حبان کے حوالہ سے ۲۹۱ ایصال ثواب میں پیدا کسی گنی بدعات ۲۹۳ ایصال ثواب مال کا بھی اعمال کا بھی ۲۹۳ ایصال ثواب کی شرطیں ۲۹۳ مال حلال سے ہو ۲۹۳ عمل وجود میں اچکا ہو ۲۹۳ عمل اخلاص پر مبنی ہو اس پر اجرت نہ لی گئی ہو ۲۹۳ مال میت کے ترکہ سے نہ لیا جائے ۲۹۳ کھانا کھانے والے محتاج و مسکین ہوں ۲۹۳ ختم کو ڈرامہ بازی کی صورت نہ دی جائے ۲۹۳ ایصال ثواب کے لئے تاریخوں کا تعین ۲۹۴ تیجہ اور دسویں کو اعتقادی فضیلت دینا ۲۹۴ ہر چاند کی گیارہویں تاریخ کی تعظیم ۲۹۴ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کی تعظیم ۲۹۵ کسی وقت کی اپنی طرف سے تخصیص ناجائز ہے ۲۹۵ علامہ شامی کی شہادت ۲۹۵ مولانا احمد رضا خاں کا رجوع الی الحق ۲۹۵ ایصال ثواب میں کھانوں کی تخصیص ۲۹۵ ختموں کے مختلف دن مقرر کرنے کی حکمت ۲۹۶ علامہ شامی کا فتویٰ کراہت ۲۹۶ حضرت علیؓ کی نفی کا فتویٰ حرمت ۲۹۶ خاص تاریخوں کے خاص اثرات ۲۹۷

- ۳۱۲ گیارہویں شریف ۲۹۷ مولانا احمد رضا کا منگل کے بارے میں عقیدہ
- ۳۱۲ گیارہویں شریف کا تاریخی پس منظر ۲۹۷ حجاموں کا مطالبہ کی چھٹی منگل کو ہو
- ۳۱۲ اعمال کے پیچھے عقائد کا فرما ہوتے ہیں ۲۹۹ اہل میت کے ہاں دعوتیں اڑانا
- ۳۱۲ گیارہویں کے پیچھے بھی کچھ عقائد کا فرما ہیں ۲۹۹ کیا غنوں کو دعوتوں کی مجلسیں بنانا جائز ہے؟
- ۳۱۲ عام رائج عمل میں عوام کی رائے کا اعتبار ہوگا ۲۹۹ تاریخ کی بارہ شہادتیں
- ۳۱۲ گیارہویں بریلوی عوام کی نظر میں کیا دیکھتی ہے ۲۹۹ ۱۔ فتاویٰ قاضی خاں میں اسے کمرہ کہا گیا
- ۳۱۲ بریلوی علماء اپنے عوام کے عقیدہ کا جائزہ لیں ۲۹۹ ۲۔ امانودی اسے بدعت منوعہ فرماتے ہیں
- ۳۱۳ گیارہویں کا اعتقادی پس منظر ۲۹۹ ۳۔ علامہ ابن امیر الحاج کا فتویٰ
- ۳۱۳ حضرت شیخ سے پہلے کی پانچ صدیوں کا عمل ۲۹۹ ۴۔ علامہ ابن ہمام کا اسے بدعت سیدہ قرار دینا
- ۳۱۳ گیارہویں کا عرفی پس منظر ۲۹۹ ۵۔ علامہ طلی کی تصریح
- ۳۱۳ نصف تیرہویں صدی تک یہ نام کہیں نہ تھا ۳۰۱ ۶۔ ملا علی قاری کا اس کی کراہت کا فتویٰ
- ۳۱۳ عراق مصر و شام اور عرب ملکوں میں یہ کہیں نہیں ۳۰۱ ۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تائید مزید
- ۳۱۴ گیارہویں کو تاریخی استناد دینے کی پہلی کوشش ۳۰۲ ۸۔ خواجہ محمد معصوم کی بھی تائید مزید
- ۳۱۴ شاہ عبدالعزیز کو شاہ جہاں کے عہد میں لے جانا ۳۰۲ ۹۔ علامہ شامی کا استدلال اور فیصلہ
- ۳۱۴ بریلوی علماء کے عوامی مغالطے ۳۰۳ ۱۰۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا فیصلہ
- ۳۱۵ گیارہویں گیارہ کے مجموعے کا نام نہیں ۳۰۳ ۱۱۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کا فتویٰ
- ۳۱۵ مولوی محمد عمر کا گیارہ ستاروں سے سند لینا ۳۰۳ ۱۲۔ مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ
- ۳۱۵ حضور اور عشرہ مبشرہ کو ملا کر گیارہ کہنا ۳۰۴ مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ حرمت
- ۳۱۵ گیارہویں گیارہ کا مجموعہ نہیں یہ ایک عدد ہے ۳۰۴ پروفیسر نور بخش توکلی کا فتویٰ جواز
- ۳۱۵ فضل رسول بدایونی کے گیارہ روپے سے آغاز ۳۰۵ مولوی عبدالمسیح رامپوری کا فتویٰ جواز
- ۳۱۵ آپ اس امداد کی امید میں ریاست گوالیار پہنچے ۳۰۶ عاصم بن کلیب کی روایت سے استدلال
- ۳۱۶ حکام نے ان کی سرکاری خدمات حاصل کیں ۳۰۶ صحیح روایت میں امراتہ نہیں
- ۳۱۶ تنخواہ۔ ۲۶۰۔ روپے ماہوار مقرر ہوئی ۳۰۷ ایصال ثواب کا کھانا کون لوگ کھائیں
- ۳۱۶ مولانا احمد رضا خاں کے عقیدہ میں گیارہ کا عدد ۳۰۷ مولانا احمد رضا خاں نے کن لوگوں کو
- ۳۱۶ کچھ چھوٹی کو خان صاحب اپنے پلنگ پر لے گئے ۳۰۸ جہالت کی سند؟

- ۳۲۳ عبد اللہ قصوری کا رسالہ نذر اولیاء خان صاحب کو نواب رامپور اپنے پلنگ پر لے گئے
- ۳۲۶ سرکار بغداد کی نذریں مانی جاتی تھیں تھے ۳۱۶
- ۳۲۶ گیارہویں کا ختم محض ایصال ثواب نہیں نواب صاحب نے چودہ سال کی عمر کا لڑکا نکا تھا ۳۱۷
- ۳۲۶ نذر لغیر اللہ کے عقیدے کا ہر ماہ اقرار ہے ۳۱۷
- ۳۲۸ اپنے لیے نذر جائز کرنے کی بریلوی تاویل علمائے دیوبند کی ہمدردیاں خلافت کے ساتھ تھیں ۳۱۷
- ۳۳۰ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جرمینوں اور انگریزوں کی معرکہ آرائی ۳۱۷
- ۳۳۰ عید اجتماعی خوشی سے بنتی ہے جرمینوں کی بریلویوں سے نفرت ۳۱۷
- ۳۳۰ عہد صحابہ میں اس کے سب محرکات موجود تھے گیارہ تاریخ کو وہاں پاگلوں کی عید کی جاتی ۳۱۸
- ۳۳۰ صحابہ و تابعین نے اس کی اجتماعی خوشی نہ کی جرمین میں پاگلوں کی عید کا منظر ۳۱۸
- ۳۳۰ ولادت اور وفات کا تعلق ذاتیات سے بد عقیدگی کہ حضرت شیخ بھینس نہ ماریں ۳۱۹
- ۳۳۰ ولادت رسالت کے آئینہ میں دیکھئے وہ بھینس کا دودھ بھی خشک کر سکتے ہیں ۳۱۹
- ۳۳۱ ولادت کی اجتماعی خوشی کب سے شروع ہوئی؟ گیارہویں میں عوام و خواص کے دوسلک ۳۱۹
- ۳۳۲ سوموار کے دن ہی ولادت اور بعثت نذر لغیر اللہ کی عوامی صورت حال ۳۱۹
- ۳۳۲ سوموار کے دن حضور روزہ رکھتے تھے حضرت پیر صاحب متصرف فی الامور میں ۳۱۹
- ۳۳۳ ساتویں صدی میں پہلی عید میلاد بلائیں ان کے حکم سے ملتی ہیں ۳۱۹
- ۳۳۳ پیدائش کے ذکر پر کھڑا ہونا بدعت ہے پیر صاحب کا تصرف انسانوں اور جنوں پر ۳۲۰
- ۳۳۳ مجید الف ثانی کے ہاں منکرات میں سے علامہ شامی کا بیان کہ مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں ۳۲۰
- ۳۳۳ حضور قیام تعظیسی کو پسند نہ کرتے تھے یہ اعتقاد تصرف ہی ان کی رونقیں بناتا ہے ۳۲۰
- ۳۳۵ قیام الخدمت ..... تو موالی سید کم تاریخ کا تعین عوام کے ہاں واجبات میں سے ہے ۳۲۱
- ۳۳۵ قیام تعظیسی کا ارتقاء قیام تعبدی میں مولوی محمود احمد رضوی اسے مباح کہتے تھے ۳۲۲
- ۳۳۵ قیام تعظیسی ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے شاہ فرید الحق کی ایک تجویز کہ جو چیز واجبات میں سے نہیں اسے ترک کرنا ہی بہتر ہے ۳۲۳
- ۳۳۶ قیام تعظیسی کا وجوب و استحسان مرحومین کے ثواب کا کھانا صرف فقراء کے لئے ۳۲۳
- ۳۳۶ مفتی احمد یار کا وجوب قیام سے انکار مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ بریلویوں کے خلاف ۳۲۳
- ۳۳۶ قیام تعظیسی کیسے قیام تفرقہ بنتا ہے ہر مباح جو واجب سمجھا جانے لگے مکروہ ہو جاتا ہے ۳۲۳
- ۳۳۶ تفرقہ پھیلانے کے قیام مکروہ عمل ہے
- ۳۳۷ ساتویں صدی کے علماء کا رد عمل کیا رہا

۳۵۱	ولادت شریفہ کی تصوری یاد	۳۳۷	محفل میلاد کا بانی عمرو بن وجیہ
۳۵۲	مولوی عبدالسیح کی پیش کردہ دو نظریں	۳۳۷	یہ خبیث اللسان غیر مقلد تھا
۳۵۲	تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ میں فرق لازمی	۳۳۸	اس غیر مقلد کے ساتھ کچھ مولوی لگ گئے
۳۵۲	مولوی عبدالسیح کی کم فہمی	۳۳۸	غیر مقلدین کا یوم پیدائش پر روزہ
۳۵۲	ولادت کو ذکر ولادت پر قیاس کر لیا	۳۳۸	تنظیم الجمعہ کا روزے کا فتویٰ
۳۵۳	تاریخی واقعات پر شرعی اعمال قائم کرنا	۳۳۹	شکرانے کا روزہ سنت رسول کی نیت سے
۳۵۳	مولانا عبدالسیح کا دوسرا مغالطہ	۳۳۹	علماء دیوبند کے ہاں ذکر ولادت مندوب ہے
۳۵۳	ایک کام میں کئی علتیں بھی ہو سکتی ہیں	۳۳۹	مندوب قیود بڑھانے سے مکروہ ہو جاتا ہے
۳۶۰	تاریخی یاد اور تصوری یاد کو جمع نہ کیا جائے	۳۴۰	علامہ ابن امیر الحاج مالکی کا فتویٰ
۳۶۱	علی وجہ الالزام پیرائے میں فرق نہ کر سکے	۳۴۰	علامہ ابن نجیم حنفی کا فتویٰ
۳۶۱	علی وجہ الاعتراف ایک دوسرا پیرایہ بیان ہے	۳۴۱	علامہ ابن عابدین الشافعی کا فتویٰ
۳۶۲	حقیقی اور تصوری وجود کے اپنے اپنے پیرائے	۳۴۱	ہندوستان میں ربیع الاول جلے
۳۶۲	قیام تعظیم کا تعلق حقیقی وجود سے	۳۴۱	مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ کا فتویٰ
۳۶۲	تصوری وجود سے نہیں	۳۴۱	کرسمس ولادت مسیح کی یاد میں
۳۶۳	ماتحت کا آقا کے لئے تعظیم کرنا درست ہے	۳۴۲	محمدی اسلام کا آغاز حضورؐ کی بعثت سے
۳۶۳	علامہ خطابی کا استدلال	۳۴۲	تاریخی واقعات کو شرعی آداب نہ دیں
۳۶۴	طالب علم کا اپنے استاد کے لئے کھڑا ہونا	۳۴۴	تذکیر بایام اللہ کا حکم عام ہے
۳۶۴	امانووی کا استقبال میں استدلال	۳۴۴	<b>علماء اہل سنت کے ہاں ذکر ولادت</b>
۳۶۴	اہل سنت کے ہاں قیام کے چار پیرائے	۳۴۴	مولانا غلیل احمد سہارنپوری کا عقیدہ
۳۶۴	علامہ انور شاہ کشمیری کا فتویٰ جواز قیام	۳۴۴	مولانا شرف علی تھانوی کا عقیدہ
۳۶۵	کسی کو آئادیکھ کر اس کے لئے مختلف فیہ ہے	۳۴۵	شاہ عبدالرحیم کا عمل مسجد میں نہ ہوتا تھا
۳۶۷	ایک اور تعظیمی قیام جو جائز نہیں	۳۴۵	شاہ ولی اللہ انوار ملانکہ کے جلو میں
۳۶۸	یوم ولادت کی رسم دو قوموں میں پہلے سے تھی	۳۴۶	انوار ملانکہ اور انوار رحمت کا ملنا
۳۶۸	ہندوؤں کے ہاں کرشن کنہیا کا جنم آٹھی	۳۴۸	شیخ عبدالحق امیر ابن الحاج کی تائید میں
۳۶۸	عیسائیوں کے ہاں کرسمس یا ولادت مسیح میں	۳۴۹	علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف
۳۶۹	کرسمس کے دس افعال	۳۵۰	محفل میلاد کا مرکزی نقطہ عمل



- ۳۹۲ مجلس عرس میں عورتوں کی حاضری ۳۷۰ بریلوں کا قرآن سے استدلال
- ۳۹۲ مولانا احمد رضا کا فتویٰ حرمت ۳۷۰ فاعتدوا علیہ بئس ما اعدتی علیکم
- ۳۹۲ ولادت کو منانے والا پہلا شخص ۳۷۱ ہتھیاروں کی نمائش میں کافروں کا تشبہ
- ۳۹۲ محفل میلاد کا آٹھویں صدی کے علماء سے ثبوت ۳۷۱ حضورؐ سے ذات انواط قائم کرنے کی درخواست
- ۳۹۵ محافل میلاد کے تین بڑے کام ۳۷۲ انگریزوں نے ۱۲- ربیع الاول کی تاریخ مقرر کی
- ۳۹۶ مولود خوانی و ستر خوانی ۳۷۴ عیسائیوں کے ہاں حضرت عیسیٰ حاضر و ناظر
- ۳۹۶ مساجد میں محافل نعت کا انعقاد ۳۷۵ بریلویوں کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش
- ۳۹۷ مساجد کا مقصد وجود ۳۷۶ مسلمانوں کو کرشن کنہیا سے نفرت نہ رہی
- ۳۹۸ قرآن کی پہلی شہادت ۳۷۶ مولانا احمد رضا خاں کا عقیدہ کرشن کنہیا کے بارے میں
- ۳۹۸ قرآن کی دوسری شہادت ۳۷۶ ایک گدھے کے علم غیب کا عقیدہ
- ۳۹۹ قرآن کی تیسری شہادت ۳۷۶ نبیوں کے کمالات کو ادنیٰ مخلوق پر قیاس کرنا
- ۳۹۹ قرآن کی چوتھی شہادت ۳۷۷ میلاد النبی کو جنم اشتمی کے قریب نہ کریں
- ۴۰۰ قرآن کی پانچویں شہادت ۳۷۸ ذکر ولادت آنحضرتؐ بالاتفاق مندوب ہے
- ۴۰۱ مساجد اللہ کے ۳۷۹ ولادت اور وفات کو ایک دن کرنے کی ضرورت
- ۴۰۱ مساجد میں اشعار پڑھنے کا حکم ۳۸۰ حضورؐ کی ولادت ۱۲ کوئیس ۹ کو ہوئی
- ۴۰۳ حضرت عمرؓ کا فیصلہ مسجد میں شعر نہ پڑھے ۳۸۰ جنم اشتمی اور کرسمس دونوں کے مذہبی شعار ہیں
- ۴۰۴ مسجد میں کس حد تک ذکر بالجبر کی اجازت ہے ۳۸۱ خاص ولادت کے دن ولادت کی خوشی
- ۴۰۸ حضرت حسان کا مسجد میں شعر پڑھنا ۳۸۲ بریلوی ولادت کو کس افراد میں لے گئے
- ۴۰۹ حضرت سعیدؓ نے حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ نہیں پایا ۳۸۳ بریلوں کے ہاں ترک قیام کفر ہے
- ۴۱۱ مسجد میں شعر خوانی منع ہے ۳۸۵ اسلام میں عیدیں صرف دو ہیں
- ۴۱۷ مسجد میں شعر پڑھنے پر فقہاء کے فیصلے ۳۸۶ وقائع اور فرائض میں فرق
- ۴۲۰ محفل میلاد کو شرعی حیثیت دینے کے نقصانات ۳۸۷ وہ اوقات جن کا تئیس بار بار لوٹتا ہے
- ۴۲۰ مساجد میں شعر خوانی کی مجالس ۳۹۱ تاریخی وقائع ایک ہی دفعہ واقع ہونے
- ۴۲۰ محافل نعت میں مسجدوں میں چراغاں ۳۹۱ یہود کی پیشکش ایک اور عید کی
- ۴۲۰ محافل نعت میں عورتوں کی شرکت ۳۹۱ قبروں پر سالانہ حاضری دینے کی رسم
- ۴۲۳ شعر میں حضورؐ پر درود شریف نہیں پڑھا جاتا

## پیش لفظ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم  
 بسم الله الرحمن الرحيم. من يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير  
 سبيل المؤمنين لوله ما تولى ونصله جهنم وساعت مصيرا. وقال النبي صلى الله  
 عليه وسلم من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد او كما قال.

تہذیب نو سے بچنا طرزِ کہن پہ اڑنا  
 منزل بھی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

دُنیا قدامت سے بھاگتی ہے اور ہر نئی ادا میں ایک کشش محسوس کرتی ہے مگر  
 قوموں کی زندگی میں قافلہ وہی ہے جو پہلوں کے پیچھے چلتا آئے۔ ادھر ادھر چلنے والے راہ  
 سے ٹھکے کہلاتے ہیں اور راہ مجھو لے پھر اندھیروں میں چلاتے ہیں اور قافلہ آگے نکل چکا  
 ہوتا ہے۔ دین میں نئی باتوں سے بچنا اور اپنے آپ کو پُرانی لائن میں رکھنا خاصا مشکل  
 کام ہے مگر اسلام میں یہی اہل سنت کی شاہراہ ہے کہ کہیں پیغمبر خاتم کے خلاف کچھ نہ ہو پائے  
 اور سبیل المؤمنین (صحابہ کرام) کی کچھ ڈنڈی پاؤں سے نہ نکل جائے۔

سنت اور بدعت دو مقابلے کے لفظ ہیں اس طرح اہل سنت اور اہل بدعت بھی  
 دو متوازی سلسلے ہیں اور ان کی اپنی اپنی راہیں ہیں: سنت کو معلوم کرنے کے لیے بدعت کو  
 جاننا بھی ضروری ہے اور بدعت معلوم کرنے کے لیے بھی سنت کی راہ پوری معلوم ہوتی  
 چاہیے۔ دجندۃ تبتین الاشیاء۔

رب العزت کا بصیم قلب شکر گزار ہوں جس نے مطالعہ بریلویت جلد پنجم کو تکمیل بخشنے  
 اور اسے اسلامی حلقوں میں وسیع قبولیت عطا فرمائی۔ اس میں ان عقائد خمسہ کا بیان ہے  
 جن میں آج یہ انگریز حکومت کے مُداکرہ دو بکھرے بھائی آپس میں اُلجھے ہوئے ہیں او

دیوبندی بریلوی کے جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں ہم نے اس بریلویت کا رد کرنے کی بجائے طلبہ کو اس کے مطالعہ کی دعوت دی ہے۔ بایں اُمید کہ اب وہ خود جان لیں گے۔ فاتحی الفرقین اُحتی بالامن ان کنتہ قلعمون۔

۲۱ بعدہ تعالیٰ ہم اس کی چھٹی جلد کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس کا موضوع بدعت کی تحقیق جاننا اور بریلویوں کی چالیس پسندیدہ بدعات کا مطالعہ ہے۔ ہمارے لیے یہ بحرِ ظلمات ہے جہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ نورِ سنت کی کوئی چمک یہاں دکھائی نہیں دیتی۔ تاہم اپنے سچے بھائیوں کو بدعت کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے انہیں ان بدعات کے تاریخی تجزیہ پر مطلع کرنا بھی اخوتِ اسلامی کا ایک شدید تقاضا ہے اور اس کو پورا کرنے کے لیے ہم اس بحرِ ظلمات میں غوطے لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

یہاں ہم پہلے سنت و بدعت کے فاصلوں پر ایک طویل مقدمہ پیش کریں گے اسے مقدمہٴ العلم سمجھیے۔ یہ ایک مستقل کتاب ہے۔ اس کے بعد بریلویوں کی رائج بدعات پر ہم انشاء اللہ عزیز ایک ترتیب سے چلیں گے۔ ہماری کوشش ہو گی کہ اختلاف کے دونوں پہلو قارئین کے سامنے لے آئیں اور وہ اس میزان پر انہیں رکھیں جو ہمارے پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے دین میں پیدا کی جانے والی ہر نئی بات کو معلوم کرنے کے لیے اہل سنت کے سامنے رکھی ہے آپ فرماتے ہیں :-

فعلی المؤمن اتباع السنة والجماعة فالتنة ما سنہ رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم والجماعة ما اُتفق علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم فی خلافة الائمة الاربعة الخلفاء الراشدين المہدیینؓ  
ترجمہ: سو مومن پر سنت و جماعت کے طریقے کی پیروی ضروری ہے سنت وہ  
ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل میں لائے اور جماعت کی راہ وہ

ہے جس پر صحابہ کرامؓ خلفاء راشدین کے دور میں متفق ہو کر چلے۔  
 صحابہ کرامؓ میں اگر کہیں فرد ع کا اختلاف بھی ہوا تو ان اختلافات کو برداشت کرنے  
 میں ان سب کا اتفاق رہا۔ اختلافات میں بھی ان کی ایک متفقہ راہ تھی سو اسے بھی سنت شمار  
 کیا جائے گا۔

پہلے دور کے ائمہ اربعہ خلفاء راشدین تھے۔ ان کے علاوہ تین انصاری صحابہ بھی  
 مجاز افتاء تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں یہ ساتوں حضرات افتاء کی خدمت  
 سرانجام دیتے تھے۔ حضرت علامہ عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

الذین كانوا يفتون في عصر النبي صلى الله عليه وسلم وهم الخلفاء الأربعة  
 وثلاثة من الأنصار أبي بن كعب ومعاذ بن جبل وزيد بن ثابت رضي  
 الله تعالى عنهم.

ترجمہ۔ وہ لوگ جو حضور کے عہد میں افتاء کی خدمت سرانجام دیتے تھے سات  
 تھے خلفاء اربعہ اور تین حضرات انصاری میں سے حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ  
 بن جبل اور حضرت زید بن ثابت۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔  
 حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) نے سنت کی تعریف اس طرح کی ہے، اس کے مقابل شرعی  
 بدعت ہے وہ جس پیرایہ میں بھی ہو:-

والسنة على الطريق المسلوك فيشمل ذلك القسلك بما كان عليه هو وخلفاءه  
 الراشدون من الاعتقادات والأعمال والأقوال وهذه هي سنتنا الكاملة.

ترجمہ۔ اور سنت وہ ہے جس پر پہلے چلا گیا ہو سو یہ ان تمام راہوں پر مشتمل ہے  
 جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین چلے اعتقادات میں  
 اور اعمال و اقوال میں سنت کا طہ یہی ہے۔

یہ تینوں انصار خلافت راشدہ میں فوت ہوئے اس لیے ان کے فتاویٰ اور مسائل خلفاء راشدین کے علمی سرمایہ کا ہی ایک حصہ ہوں گے خلفائے راشدین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو عیناً آگے چلایا یا استخراجاً ہر دو قسم کے مسائل شریعت محمدی میں شمار ہوں گے اور یہ یہی سمجھا جائے گا کہ سنت اس طرح آگے چلی ہے۔

## خلفائے راشدین کے عمل کو سنت ماننے کی وجہ

علامہ ترمذی (رحمہ اللہ) حدیث علیکم بستی و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین پر لکھتے ہیں :-

واما ذکر سنتہم فی مقابلة سنتہ لانه علم انه لا یخطئ فیما یستخرجونہ من سنتہ اذ ان بعضہما ما اشتہر الا فی زمانہم

ترجمہ۔ اور آپ کی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کا ذکر اس لیے ہے کہ آپ اپنے علم میں جان چکے تھے کہ وہ اپنے استخراج میں غلط نہ کریں گے اور اسے وہ آپ کی سنت سے ہی اجتہاداً استنباط کریں گے اور اس لیے بھی کہ آپ نے جانا کہ آپ کی بعض سنتیں انہی (راشدین) کے زمانہ میں کھلیں گی۔ محدث جلیل ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی لکھ آئے ہیں :-

فانہم لم یعملوا الا بستی فالاضافۃ الیہم اما العمل بہم بما اول استنباطہم واختیارہم ایاہا۔

ترجمہ۔ سو بے شک وہ (خلفائے راشدین) میری سنت پر ہی عمل پیرا ہوئے سوان کی طرف اس سنت کی اضافت اس لیے ہے کہ یہ ان کا عمل رہا یا یہ ان کا استنباط رہا کہ انہوں نے اسے اس طرح اختیار کیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح کرتے ہیں:-  
 پس ہرچہ خلفاء راشدین بدران حکم کردہ باشند اگرچہ باجہاد و قیاس ایشان  
 بود موافق سنت است و اطلاق بدعت براس نترال کرد چنانکہ فرقہ  
 زائغہ کند۔

ترجمہ پس خلفائے راشدینؓ نے جس بات کا بھی حکم کیا گو انہوں نے وہ بات  
 اپنے اجتہاد اور قیاس سے کہی وہ سنت ہی سمجھی جائے گی اور اس پر بدعت  
 کا اطلاق ہرگز نہ ہو سکے گا جیسا کہ راہ سے جھٹکے ہوئے لوگ اس پر بھی بدعت  
 کا اطلاق کر دیتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) بھی اس حدیث کے موضوع پر ہمارے ساتھ ہیں:-  
 اما ما سئلہ الخلفاء الراشدون من بعد فالأخذ به ليس بالأمره صلى  
 الله عليه وسلم بالأخذ به۔

ترجمہ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدینؓ نے جو عمل اختیار کیے،  
 انہیں اختیار کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی حکم کی دہر سے ہے کہ تم  
 اس پر عمل کرو۔

حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اسی عقیدہ پر تھے کہ خلفاء ثلاثہ کے دریافت کردہ مسائل سب سنت  
 کے درجہ میں ہیں گو آپس میں یہ مختلف بھی نہیں، آپ نے فرمایا:-

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین و ابو بکر اربعین و عمر ثمانین کل سنتہ۔  
 ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے والے کو چالیس کوڑوں کی نرا  
 دی حضرت ابو بکرؓ نے بھی چالیس کوڑوں کی اور حضرت عمرؓ نے اسی کوڑوں کی  
 اور ان میں سے ہر ایک عمل کو سنت کہا جائے گا۔

حاکم کی روایت کے مطابق آپ نے اس میں حضرت عثمانؓ کا نام بھی لیا اور کہا :-

واتمها عثمان ثمانین وکل سنة .<sup>۱</sup>

ترجمہ . اور حضرت عثمانؓ نے بھی اسی پورے کیے اور یہ ہر ایک عمل اپنے مقام میں سنت ہے۔

سنت جس طرح بھی آگے چلی وہ سنت کی ہی ایک شاہراہ ہے۔ محدثین سنت کو اسی طرح متحرک جانتے رہے ہیں۔ امام زہری (۱۲۴ھ) ایک مقام پر فرماتے ہیں :-

مضت السنة من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفيين  
من بعده ان لا تجوز شهادة النساء في الحدود .<sup>۲</sup>

ترجمہ آنحضرتؐ اور آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ سے سنت اسی طرح چلی آتی ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود میں نہ لی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جس طرح ان ائمہ اربعہ کے نام اور کام سے پھیلی اگلے دور کے ائمہ اربعہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت سے آگے جراحکام استخراج اور استنباط کیے وہ بھی کتاب و سنت سے کشیدگی گئی فقہ میں کتاب و سنت کا غیر نہیں مجتہدین کے استنباط کردہ مسائل گو نئے دکھائی دیں لیکن ان پر بھی بدعت کا اطلاق نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ ائمہ اربعہ کے باہمی اختلافات تقریباً وہی ہیں جو پہلے صحابہؓ میں ہوئے۔ ان ائمہ نے اختلافات پیدا نہیں کیے یہ انہیں صحابہؓ سے وراثت ملے۔ سو انہیں بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ بدعات دین میں پیدا کردہ وہ نئے امور ہیں جو مجتہدین کرام میں سے کسی نے قرآن و سنت سے کشید نہ کیے ہوں لوگوں نے خود بنائے ہوں۔

۱۔ ائمہ اربعہ اور ان کے ہم عصر ائمہ مجتہدین ۱۔ امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) ۲۔ امام ابو ذراعؒ (۱۵۷ھ)

۳۔ امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) ۴۔ امام مالکؒ (۱۷۹ھ) ۵۔ امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) امام محمدؒ (۱۸۹ھ)



۱۔ امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور ۸۔ امام احمدؒ (۲۴۱ھ) بے شک مجتہدین تھے اور ان کے اختلافات صحابہ کے اختلافات ہی کی طرح ہیں بشہرہ اچھدیٹ (باصطلاح جدید) عالم حافظ محمد عبداللہ روپڑی تسلیم کرتے ہیں کہ ۱۔

ائمہ اربعہ کا اختلاف قریب قریب صحابہ کے اختلاف کے ہے۔  
موجس طرح ہم صحابہ کے اختلافات کو امت کے لیے مصیبت نہیں کہہ سکتے۔ ائمہ اربعہ کے اختلافات بھی امت کے لیے نعمت نہیں ہیں۔

بریلویوں کے ائمہ اربعہ انگریزی دور کے ہیں پہلے یہ کہیں نہ تھے۔ ۱۔ مولوی عبد السمیع رامپوری (۲۰۴ھ) مولوی فضل رسول بدایونی (۲۰۴ھ) ۲۔ قاضی فضل احمد (۲۰۴ھ) اور ۳۔ مولانا احمد رضا خاں (۲۰۴ھ) ان میں سے کوئی بھی مجتہد نہ تھا نہ ان کے اگلے ائمہ اربعہ ۱۔ مولوی حسنت علی (۲۰۴ھ) مولوی نعیم الدین مراد آبادی (۲۰۴ھ) مفتی احمد یار خاں گجراتی (۲۰۴ھ) مولوی محمد عمر اچھدی میں سے کوئی بھی علامہ شامیؒ تھا کہ اسے مجتہدین کا نمائندہ ہی کہا جاسکے۔

## نئے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حکم صرف مجتہد ہی بتا سکتا ہے

قطر کے شیخ احمد بن حجر لکھتے ہیں :-

قرآن مجید اور سنت مطہرہ کی بنیادوں پر قائم شدہ دین اسلام کے اندر ایسے قواعد اور عام نصوص موجود ہیں کہ معاشروں و سوسائٹیوں ممالک اور زمانوں کے اختلافات کے باوجود ایک مجتہد شخص ہر مشکل مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور ہر پیش آمدہ معاملہ کا شرعی حکم تلاش کر سکتا ہے اگرچہ وہ مشکل مسئلہ وہ پیش آمدہ معاملہ عہد نبوی اور زمانہ صحابہ اور صحابہ کے بعد والے ائمہ اربعہ میں نہ واقع ہوا ہو کیونکہ دین اسلام تمام انسانی ضروریات کا کفیل ہے۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:-

یہ جاننا ضروری ہے کہ مختلف فقہی مذاہب کے اماموں کا اختلاف لوگوں کے لیے باعثِ رحمت ہے ان اماموں کی دلیلیں واضح ہیں۔ رات میں ٹپھی جانے والی نعلی نمازیں کئی طریقہ سے مردی ہیں۔ یہ بات تہجد گزار لوگوں کی سہولت اور وسعت کے لیے شریعت میں واقع ہوئی ہے کسی ایک امام کا ان مختلف طرق و کیفیات میں سے کسی خاص طریق و ترکا اختیار کرنا اس بنا پر ہے کہ اس کی نظر و اجتہاد میں وہی طریقہ زیادہ رائج ہے مگر وہ دوسری احادیث صحیحہ سے مردی شدہ طریق کو بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔

اسلام نے استخراج و استنباط کی جو یہ راہ دکھائی ہے اس میں اصل کتاب و سنت ہی رہتے ہیں۔ اجتہاد نے بدعات کی کوئی راہ نہیں کھولی۔ کتاب و سنت کی وسعت سے کسی چیز کی دریافت اور چیز ہے اور اپنی طرف سے کسی چیز کی اختراع اور چیز ہے۔ اجتہاد کے لیے مجتہد ہونے کی شرط ہے اور بدعت عام آدمی ہی اختراع کرتے ہیں مجتہدین باہمی اختلاف میں کبھی ایک دوسرے کو بدعت کا طعن نہیں دیتے۔ لیکن بریلویوں کے جملہ امتیازی مسائل کو علماء حق نے علی الفور بدعت کہا اور واضح طور پر انہیں بدعت ثابت کیا۔ اجتہاد اور ابتداء میں یہی فرق ہے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

## دین کا ہر حکم اپنے ہی درجہ میں قیامت تک باقی رہے گا۔

دین کے احکام فرض و واجب، سنت و مستحب اور مباح میں دائرہ ہیں اور نہ کرنے کے کام حرام، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی کے دائروں میں چلتے ہیں۔ پھر کہنے کے کام بھی دو درجوں میں ملیں گے۔ ۱۔ عزیمت اور ۲۔ رخصت۔ ان سب کا پتہ ہمیں کتاب و سنت اور ان

در چراغوں کی روشنی میں اجتہاد و استنباط سے کشید کیے گئے مسائل فقہ سے ملتا ہے ان اجتہادات میں وہ صحابہ کے ہوں یا ائمہ اربعہ کے اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن یہ سب مسائل سنت کا طرہ کے تحت آئیں گے۔ بدعت کا اطلاق ان میں سے کسی چیز پر نہ ہو سکے گا۔

دین اسلام پر اس شریعت میں چودہ صدیاں گزر چکیں اٹھارہ سال اوپر ہو گئے۔ اس کا ہر حکم اب تک اپنے درجے میں ہی رہا ہے اور اب بھی اس میں اتنی تبدیلیاں نہ آئی ہیں جو وہ ہے کہ بنی نوع انسان کی ہر دینی ضرورت اس کے ذریعے حل ہو سکے یہ حل نصاباً ہو یا اجتہاداً اس میں روشنی موجود ہے۔ زمانہ اپنی صنعتی ترقی اور سائنسی اکتشافات میں کتنی کر دہیں کیوں نہ لے یہ ایجادات اور ترقیات ہمارے دنیوی امور ہیں۔ دینی پہلو سے ہمارا عقیدہ اور عمل آج بھی وہی ہے جس پر عرب کے صحرا نشین آج سے چودہ سو سال پہلے چلے تھے۔ آج بھی اسلام میں وہی ایمان و یقین اور ہدایت عمل ہے۔ اس پر نہ کسی اضافے کی ضرورت ہے اور نہ اس کی گنجائش۔ قرآن کریم نے دین صحابہ کی تکمیل کا اس طرح اعلان کر دیا تھا۔

اليوم اكملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام

دیناً۔ (پ المائدہ ۳)

ترجمہ۔ آج ہم نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔ اور تمھارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کیا۔

یہ دین صراطِ مستقیم ہے۔ یہ وہ سیدھی راہ ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چل چکے یہ اتنی صاف راہ ہے کہ قومیں قیامت تک اس پر چل سکیں گی۔ یہ ایسی واضح راہ ہے کہ اس کی راہیں بھی دونوں کی طرح روشن ہیں۔ مجتہدین کتاب و سنت سے جو مسائل کشید کرتے ہیں وہ اس کے منظر ہوتے ہیں موجد نہیں۔ دین اسلام مکمل ہو چکا اب اس میں کسی ایجاد کی ضرورت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک روشن راہ فرمایا ہے۔ اس میں اندھیرا کہیں نہیں۔

آپ نے فرمایا :-



بدعت دین میں نئے رستے کا نام ہے اور سنت پرانی روشن راہ ہے جس پر صحابہ کرام چلے تھے۔ اس راہ پر پہلے ادوار میں عمل ہوتا رہا۔ بدعت کے لوگ اہل بدعت کہے جاتے ہیں اور سنت کی راہ اختیار کرنے والوں کو اہل سنت کہا جاتا ہے۔ اول درجے کے اہل بدعت وہ ہیں جنہوں نے عقائد میں نئی راہیں بنائیں جیسے معتزلہ کرامیہ جہمیہ شیعہ مرجئہ اور روافضیہ خوارج وغیرہ۔ اور دوسرے درجے اہل بدعت وہ ہیں جنہوں نے دین میں نئے اعمال ایجاد کیے یا پرانے اعمال کو مرتب کی نئی جہات دیں یا انہیں زمان و مکان کی نئی تعینات میں جکڑا۔ بدعت فی العقائد بدعت فی الاعمال سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ اور ہر بدعت لائق رد ہے اور اس پر حدیث میں کھلی وعید وارد ہے۔

### پہلی صدی میں بدعت کسے سمجھتے رہے

دین میں کوئی عمل موجود ہو مگر اسے اس کے مرتبے پر نہ رکھا گیا۔ عمل کبھی کبھار کا تھا جب اس کی ضرورت ہو لیکن اسے عام کر دیا گیا صحابہؓ اسے بھی دین میں بدعت سمجھتے ہیں اور یہ بات کافی نہ سمجھی گئی کہ اس عمل کی اصل شریعت میں موجود ہے اور اس کی ہئیت بھی وہی ہے جو پہلے تھی لیکن اس میں وقت کا لحاظ نہ رہا۔ ہم اس کی چند مثالیں یہاں پیش کرتے ہیں:-

① ابو مالک الاشجعی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ نہ پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے پیچھے بھی نماز پڑھی یہ حضرات بھی صبح کی نماز میں قنوت نازلہ نہ پڑھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے ابو مالک الاشجعی سے کہا کہ اب لوگوں نے جو اس پر مداخلت کر لی ہے کہ کوئی مصیبت نہ آتری ہو پھر بھی وہ قنوت نازلہ پڑھیں یہ بدعت ہے۔ یا بخیر اتقوا بدعة۔ اے میرے بیٹے یہ بدعت ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ بدعت نئے عمل کو ہی نہیں کہتے۔ اسلام میں پہلے سے پہچانے گئے عمل کو بھی اگر کسی خاص ہیئت وقت یا جگہ سے خاص کر دیا گیا یا کسی خاص عمل کو عام کر دیا گیا تو یہ بھی کسی نئی صورت متعارف میں سامنے آنے سے بدعت ہو جائے گا۔

② چاشت کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے یہ نقلی نماز ہے۔ اس کی کوئی اجتماعی حیثیت نہ تھی صحابہؓ اسے اپنے اپنے طور پر پڑھتے تھے اس کی جماعت نہ ہوتی تھی۔ ایک وقت آیا کہ لوگوں نے اسے جماعت سے پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ نماز اپنی اصل میں نئی نہ تھی مگر اپنی اس نئی وضع (اجتماعی صورت) میں یہ ایک نئی چیز تھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا یہ بدعت ہے حضرت مجاہد کہتے ہیں :-

دخلت انا وعروة ابن الزبير المسجد فاذا عبد الله بن عمر جالس الى حجرة عائشة والناس يصلون الضحى في المسجد فسالناه عن صلاتهم فقال بدعة. له

ترجمہ: میں اور عروہ بن زبیرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو عبد اللہ بن عمرؓ حجرہ عائشہؓ کے پاس بیٹھے تھے اور لوگ (صحابہؓ) مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے ان سے لوگوں کی اس نماز کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے (ابن عمرؓ) فرمایا بدعت ہے۔  
حضرت امام نووی (۲۷۶ھ) اس پر لکھتے ہیں :-

واما ما صح عن ابن عمر انه قال في الضحى هي بدعة فمجهول على ان صلاتهما في المسجد والتظاهر بها كما كانوا يفعلونه بدعة لان اصلهما في البيوت ونحوها مذموم او يقال قوله بدعة اي المواظبة عليهما لان النبي صلى الله عليه وسلم لم يواظب عليهما خشية ان تفرض به

ترجمہ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نماز چاشت کے بارے میں جو صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ اسے بدعت کہتے تھے سوائے اس پر محمول کیا جائے گا کہ اسے مسجد میں پڑھا جائے اور کھلے طور پر پڑھا جائے جیسا کہ لوگ اس زمانہ میں کرنے لگے تھے یہ بدعت ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کا گھروں میں پڑھنا بھی مذموم ٹھہرے یا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اسے بدعت کہنے کو اس کی موافقت (ہمیشہ کی پابندی) پر محمول کیا جائے اس کی موافقت اس لیے نہ کی تھی کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔

شریعت کی نزاکت محسوس فرمائیں کہ ایک چیز اپنی اصل میں ثابت ہے مگر اپنی موجودہ کیفیت میں وہ پہلے نہ تھی اسے بھی بدعت قرار دیا گیا ہے تو جو چیز اپنی اصل میں ہی نہ ہو اسے شریعت کس طرح کچھ پذیرائی دے سکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ نماز پڑھنی ہو تو اپنے گھروں میں پڑھو یہ عمل ایک اجتماعی صورت میں پہلے موجود نہ تھا۔

ان کان دلا بد ففی بیوتکم۔

ترجمہ۔ اگر اسے کرنا ہی ہے تو اپنے گھروں میں کرو۔

② حضرت مجاہدؒ نے ایک اور واقعہ اسی طرح بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز کے لیے مسجد میں آئے اذان ہو چکی تھی، ایک شخص نے حاضرین کو نماز کی طرف دعوت دی۔ (نماز کی طرف دعوت اذان سے دعوت دی جا چکی تھی) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے ساتھ گرو مجاہدؒ سے کہا مجھے یہاں سے لے چل نماز کی طرف اس طرح دعوت دینا بدعت ہے مجھے اس بدعتی کے ہاں سے لے چل۔ آپ نے وہاں نماز نہ پڑھی۔ آپ نے فرمایا۔

اخرج بنا فان هذا بدعت۔

اخرج بنا من عند هذا المبتدع۔



حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کس چیز سے نفرت کی؟ نماز کی طرف بلانے سے؟ — نہ یہ چیز اپنی ذات میں بُری تھی اور نہ کسی بُرے عمل کی دعوت تھی مگر نہ رعیت میں نماز کی طرف بلانے کا عمل اذان ہے اور یہ عمل اذان کے علاوہ تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اسے برداشت نہ کیا اور کھل کر اہل بدعت سے نفرت کی اور ان کے پاس نہ ٹھہرے۔

④ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قریب ایک شخص نے چھینک ماری اور صرف الحمد للہ کہنے کی بجائے الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہا۔ یہ زیادتی کی بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہی تو تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں اس کا تو قائل ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو لیکن حضورؐ نے ہمیں اس کی تعلیم نہیں دی کہ اس طرح الحمد للہ کے ساتھ حضورؐ پر سلام کہیں۔ ہمیں آپؐ نے اس موقع پر الحمد للہ کہنے کی تعلیم دی۔ آپؐ نے فرمایا :-

لَیْسَ هٰکِذَا عَلِمْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلِمْنَا اِنْ نَقُوْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

علیٰ کل حال۔

ترجمہ: اس طرح کہنے کی تعلیم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی۔ انہوں نے تو یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہیں۔

پہلی صدی میں بدعت کی یہ مختصر سی حرکت آپؐ کے سامنے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تو خود اس مسجد سے نکل گئے مگر حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک ایسے موقع پر خود اس بدعتی کو مسجد سے نکالنے کا حکم دیا۔ وہ عشاء کی اذان کے بعد نماز کے لیے آواز دے رہا تھا۔

⑤ عہد صحابہؓ کا ایک اور واقعہ سُنئے :-

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک جگہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بلند آواز سے ذکر کر رہا ہے وہ اعلان کرتا کہ سو بار اللہ اکبر کہو۔ حلقہ بنائے لوگ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔ وہ یہ گنتی کنکریوں پر کرتے تھے۔ وہ پھر کہتا سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھو۔ وہ پھر کہتا سو بار سبحان اللہ پڑھو عجیب رونق لگائے

بیٹھا تھا اور لوگ اس کے کہنے کے مطابق یہ گنتی پوری کر رہے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ عمل اور پرا معلوم ہوا حضورؐ کے سامنے کبھی یہ عمل اجتماعی صورت میں سامنے نظر نہ آیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا :-

فَعَدَّوْا سَيَاتِكُمْ فَإِنَّا خَافُنَا أَن لَّا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ وَيُحْكَمَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ مَا اسْرَعَ هَلَكَتُكُمْ هُوَ لَاءِ صَحَابَةٍ نَبِيِّكُمْ مَتَوَافِرُونَ وَهَذِهِ شَبَابُهُ لَمْ تَبْلُ وَانْتَبَهُ لَمْ تَكْسُرْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّكُمْ لَعَلَى مَلَةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٌ أَوْفَتْ حَوَابَ ضَلَالَةٍ ۞

ترجمہ: بس تم اپنے گناہ شمار کرتے جاؤ میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں کوئی کمی نہ آئے گی، افسوس ہے تم پر اے امت محمدؐ کتنی جلدی تم ہلاکت میں جا گئے ابھی تو تمہارے نبیؐ کے صحابہؓ تم میں کثرت سے موجود ہیں اور ابھی تو حضورؐ کے کپڑے پُرانے نہیں ہوئے اور آپ کے گھروں کے برتن نہیں ٹوٹے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ایک ایسی امت بن چکے ہو جو (تمہارے خیال میں) حضورؐ کی امت سے زیادہ ہدایت پر ہے یا تم گمراہی کا ایک دردناک کھول رہے ہو ؟

یعنی تمہارا یہ ذکر جب عہد صحابہؓ میں نہ تھا تو کیا تم ان سے راستی میں بڑھ گئے ہو جو دین میں تم پر نئی طرز لے آئے ہو ؟

ایک دوسری روایت میں آپؐ نے صاف لفظوں میں انہیں بدعتی فرمایا علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:-  
صَحَّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ أَخْرَجَ جَمَاعَةً مِنَ الْمَسْجِدِ يَهْلُلُونَ وَيَصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهْلًا وَقَالَ لَهُمْ مَا أَرَأَكُمْ إِلَّا مُبْتَدِعِينَ ۞

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت پہنچی کہ آپؐ نے ان لوگوں کو مسجد

سے نکال دیا جو مسجد میں بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور درود شریف پڑھ رہا تھا۔

تھے۔ آپ نے انہیں کہا میں تمہیں (اس عمل میں) بدعت پر دیکھ رہا ہوں۔

مولانا عبد السمیع رامپوری نے بھی انوارِ سلطہ میں اسے صحیح تسلیم کیا ہے۔

ایک سوال: اگر یہ عمل بدعت قرار پایا تو جو روایات اجتماعی حلقہ ذکر کے بارے میں ملتی ہیں ان کا محمل پھر کیا ہوگا؟

جواب: ان حلقوں میں ہر کوئی اللہ کا ذکر اپنے طور پر کرتا تھا ایک ایک کلمہ کو مل کر نہ کہتے تھے نہ ان میں کہیں ذکر بالجہر ہوتا تھا یہاں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی شان و قدرت اور رحمت و نصرت کا بیان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بیان کرتا ہو اور دوسرے سنتے ہوں، حضرت امام احمدؒ کی روایت میں ایک حلقہ ذکر اسی طرح ملتا ہے۔

کنا یجتمع فی حلقة فندکوا لله وکان یجلس معنا فکان اذا ذکر هو ودع

حدیثہ من تلونما موقعا لا یقع حدیث غیرہ۔

ترجمہ ہم اجتماعی حلقہ قائم کرتے تھے پس اللہ کا ہم ذکر کرتے اور میں قرنی بھی

ہمارے ساتھ بیٹھتے جب آپ اللہ کا ذکر کرتے تو آپ کی باتیں ہمارے دلوں

میں اس طرح اترتیں کہ ایسا کسی دوسرے کے ذکر سے نہ ہوتا تھا۔

اس میں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفت و ثنا اور شان و عظمت کا مجلس میں بیان کرنا

ہے صحابہؓ کا اجتماعی حلقہ یہی ہوتا تھا نہ کہ ہر ایک اپنی اپنی آواز سے ذکر کرے۔

پہلی صدی کی ان پانچ شہادتوں کے بعد اب اس حدیث کا سمجھنا کہ جس کسی نے ہمارے اس

دین میں کوئی نئی بات پیدا کی وہ مردود ہے اور آسان ہو جاتا ہے۔ بدعتی علماء نے اس حدیث کی گرفت

سے نکلنے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس حدیث کی کچھ اور

تفصیل کر دیں۔ ہو سکتا ہے کسی خوش نصیب کو اس وضاحت بدعات سے توبہ کی توفیق حاصل ہو۔

## ترجمہ حدیث من احدث فی امرنا هذا مالئس منه فہورد

دوسری صدی میں علماء حق فروعی اعمال میں مالئس منہ کو ایک محاورے کے طور پر لاتے تھے۔ وہ چیز جو دین نہیں ہے کہیں دین نہ سمجھی جائے۔ امام الائمہ حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ) اس مسئلے میں کہ اذان میں حتی علی خیر العمل یا الصلوٰۃ خیر من النوم ایسی چیز نہیں کہ دین میں سے نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:-

ولا یجب ان یزاد فی الذم ما لم یکن منہ بلہ

ترجمہ:- اور نہ چاہیے کہ اذان میں وہ چیز داخل کی جائے جو اس میں سے نہ ہو۔ شارحین لکھتے ہیں کہ اس میں آپ کا اس حدیث کی طرف اشارہ ہے من احدث فی امرنا هذا مالئس منہ فہورد کہ دین میں وہ بات بالکل نہ لی جائے جو اس میں سے نہیں ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیکھئے مالئس منہ یا مالئس منہ کس پیرائے میں دوسری حدیث میں بولا گیا ہے۔

(نوٹ) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

عن سعد القرظی قال کان بلال ینادی بالصبح فیقول حتی علی خیر العمل فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یجعل مکانہا الصلوٰۃ خیر من النوم ویترك حتی علی خیر العمل رواہ ابوالشیخ۔

ترجمہ:- پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ حتی علی خیر العمل کو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہا کریں۔

آپ پہلے اس حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جو ہم نے یہاں سرخی میں لکھی ہے۔ ترجمہ جس نے ہمارے اس کام میں (دین میں) کوئی نئی بات نکالی (اصل یا تبدیلی)

جس کی کتاب و سنت میں اصل نہیں وہ مُردوب ہے۔

اس میں من احدث (جس نے کوئی نئی بات نکالی) مطلق ہے اس میں وہ چیز بھی آگئی جو نئے سرے سے بنائی گئی اور وہ بھی اس میں شامل ہے جو پہلے موجود تو تھی مندوب یا سنون محقق لیکن اب اسے ایک ایسی ہنیت دے دی گئی جو پہلے نہ تھی۔ یہ بھی ایک احدث ہے۔ یا اس کا التزام اس طرح کیا گیا جو پہلے نہ تھا یہ التزام بھی ایک احدث ہے ایک نئی بات پیدا کرنا ہے یا ہم نے التزام نہیں کیا لیکن کسی دوسری قوم نے اسے اس طرح اپنا یا کہ اب وہ اس قوم کی وضع معلوم ہونے لگی۔ یہاں تک کہ کوئی مسلمان اسے کرے تو اسے اس قوم کا تشبہ سمجھا جانے لگے تو اس عمل کے یہ سب پرانے اپنی اپنی جگہ احدث میں آجائیں گے۔

### شرعیات میں تقیید مطلق بھی احدث ہے

دین میں تقیید مطلق بھی احدث ہے اور یہ ذات شئی اور اوصاف شئی سب کو شامل ہے بریلوی علماء اسے صرف ذات سے متعلق سمجھتے ہیں کہ وہ بالکل ایک نئی بات ہو لیکن حق یہ ہے کہ من احدث مطلق ہے اور وہ ان نئی قیود و التزامات کو بھی شامل ہے جو ہم پہلے کے کسی جائز عمل کو نہیں دے سکتے۔ علی سطح پر یہ تقیید مطلق ہے جس سے وہ پہلے جائز عمل (کام) بھی بدعت ہو جاتا ہے اور حدیث و فقہ کے علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ کسی عمل کی ہنیت بدلنے سے اس کے اطلاق میں قید لگ جاتی ہے۔ اس کی مزید تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے مالیس منہ۔

### مالیس منہ (جو چیز دین میں نہ ہو) کی شرح

مالیس منہ عام ہے اسے لم یکن منہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ اس عمل کو بھی شامل ہے جو پہلے سے نہ تھا اور اس کو بھی جو پہلے مندوب اور مستحسن درجے کا تھا لیکن اب وہ ایک خاص ہنیت دیئے جانے کے باعث بدعت ہو گیا ہے۔ ایصالِ ثواب کو ہی لیجئے یہ اپنی

ذات میں جائز ہے۔ زندوں کے نیک اعمال کا ثواب ان کے قصد سے مرعومین کو پہنچتا ہے لیکن اسے کسی ایسے دن اور تاریخ سے خاص کر ناجو تفصیل سے شریعت نے نہیں دی اس سے یہ عمل بدعت ہو جائے گا مباح بھی نہ رہے گا۔ اب یہ عمل جائز نہ رہا بدعت ہو گیا یہ شریعت کے عام کو خاں کرنا ہے۔ یہ شریعت سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ اپنی خواہش اور ضرورت سے۔ ہاں اگر یہ تفصیل شرعی نہ سمجھی جائے تو یہ مالس منہ میں داخل نہ ہوگی اس میں کسی دن کو دین سمجھ کر مقرر نہیں کیا جاتا کسی کام کے لیے کوئی تاریخ مقرر کرنا۔ شادی کا دن طے کرنا۔ عام سفر کے لیے کسی وقت کی تعیین۔ یہ سب اتکامی امور میں یہ تعینات شرعی نہیں اور ان کا ہمیشہ اعادہ بھی نہیں کیا جاتا۔ سو اس تعیین میں اور شرعی تعیین میں بنیادی فرق ہو گیا۔ دین کے کسی کام کو اپنی طرف سے شرعی تعیین دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہونے دین میں ایک نئی بات ڈالنا ہے۔ علامہ عینی (۸۵۵ھ) من احداث کے معنی اس طرح لکھتے ہیں :-

الاحداث فی امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم هو اختراع شیء فی دینہ بما

لیس فیہ مما لا یوجد فی الکتاب والسنة۔ ۱

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں ”احداث“ یہ ہے کہ ان کے لئے ہوئے دین میں کوئی اختراع کر لینا جس کا کتاب و سنت میں وجود نہ ہو۔

## ایک معارضہ جو اس حدیث پر ڈالا جاتا ہے

حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا :-

من سنّ فی الاسلام سنة حسنة فعمل بہا بعدہ کتب لہ مثل اجد

من عمل بہا ولا ینقص من اجورہم شیء ومن سنّ فی الاسلام سنة

سئئة فعمل بہا بعدہ کتب علیہ مثل وزر من عمل بہا۔ ۲

ترجمہ جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت قائم کی اور اس پر اس کے بعد بھی عمل ہوتا گیا تو اس پہلے قائم کرنے والے کو ان تمام لوگوں کے اجر کے برابر اجر ملے گا، جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے اجر کچھ کم نہ ہونے پائیں گے اور جس نے اسلام میں کوئی بُری راہ قائم کی اس پر اس کے بعد بھی عمل ہوا تو اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر بوجھ آیا جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان عمل کرنے والوں کا بوجھ بھی کم نہ ہو پائے گا۔

بریلوی کہتے ہیں اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں کسی اچھی بات کا اضافہ کیا جاسکتا ہے اور یہ بدعت انہیں صرف بدعتِ سیدہ بُری ہے۔ ہم کہتے ہیں یہاں فی الاسلام سے مراد فی المسلمین ہے یعنی مسلمانوں میں کسی اچھی بات کا آغاز کرنا۔ یہ اسلام میں کسی بات کا اضافہ کرنا نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چند مسلمان بیٹھے تھے کہ ایک سائل آنکلا یا کچھ مساکین وہاں آگئے۔ انہوں نے مسلمانوں میں اپنی مدد کے لیے آواز لگائی۔ ایک مسلمان نے جلدی کی اور انہیں کچھ لادیا پھر سب لوگوں نے انہیں نہ کچھ دیا۔ اسلام میں خیرات کرنے کا حکم پہلے سے موجود تھا۔ اس پہل کرنے والے نے کسی نئے عمل کا اضافہ نہیں کیا۔ اس نیک عمل کی ایک مجلس میں پہل کر دی۔ پھر اور لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ اب اسی پہل کرنے والے کو پچھلے تمام خیرات کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا اور ان خیرات کرنے والوں کے اپنے ثواب میں بھی کچھ کمی واقع نہ ہوگی، اسی طرح مسلمانوں کو جس نے کسی بُرے کام پر لگا دیا تو اس پر عمل کرنے والوں کے گناہوں کا بار اس پر بھی ہوگا جس نے پہلے انہیں اس گناہ کی طرح دی تھی۔

یہاں کسی اچھے کام یا بُرے کام کے دین میں داخل کرنے کی بحث نہیں کی جا رہی، جن اعمال کا اچھا یا بُرا ہونا شریعت میں پہلے سے طے تھا اسے مسلمانوں میں عملاً لانے کی بحث ہو رہی ہے اور یہ شریعت میں کسی عمل کا اضافہ نہیں ہے نہ اس میں اعدا ث فی الدین کی کوئی بات ہے اس حدیث کو پورے سیاق کے ساتھ امام مسلم نے اس طرح انہی محضوں میں دعایت کیا ہے :-

عن جریر بن عبد اللہ قال جاء ناس من الاعراب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم عليهم الصوف فرأى سوء حالهم قد اصابتهم حاجة فحث الناس على الصدقة فابطؤا عنه حتى رُئِيَ ذلك في وجهه قال ثم ان رجلاً من الانصار جاء بصرة من ورق ثم جاء اخرتاً بعوا حتى عرف السرور في وجهه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سن في سلة سنة حسنة فعمل بها بعده كتب له مثل اجر من عمل بها ولا ينقص من اجورهم شيء. له

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں دیہات کے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے وہ اپنے اوپر ٹاٹ لیے ہوئے تھے آپ نے ان کا یہ بُرا حال دیکھا کہ وہ حاجت مند ہیں آپ نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دلائی وہ کچھ رُکے رہے یہاں تک کہ اس کے آثار آپ کے چہرے پر دیکھے گئے پھر ایک انصاری چاندی سے بھری ایک تھیلی لے آیا پھر کوئی اور کچھ مال لے آیا پھر سب اس راہ میں چل پڑے یہاں تک کہ آپ کے چہرے پر خوشی دیکھی گئی۔ اس وقت حضور نے فرمایا جس نے اسلام میں (مسلمانوں میں) نیکی کی ایک راہ قائم کی اس کے بعد بھی اس پر عمل ہوا تو ہر عمل کرنے والے کا اجر اس کے نام بھی لکھا جائے گا۔

اس سباق سے واضح ہے کہ یہاں من سن (جس نے طرح ڈالی) سے مراد کسی نئے عمل کی ایجاد نہیں اور نہ کسی نئی بات کو سنت ٹھہرانہ ہے یہاں اس عمل پر پہل مراد ہے جو پہلے سے مسلمانوں میں شریعت کا ایک مسئلہ تھا اور وہ ہے غریبوں پر خیرات کرنا اور مساکین صدقہ دینا۔ اسی روایت میں ”من سن فی الاسلام سنة“ سے مراد دعوت الی الہدایت ہے نہ کہ کسی نئے عمل کی ایجاد کہ اس سے جواز بدعت کی راہ نکالی جائے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہ حدیث اس طرح



ان نفلوں سے روایت کی گئی ہے :-

من دعا الى الهدى كان له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ينقص ذلك  
من اجورهم شيئا ومن دعا الى ضلالة كان عليه من الاثم من مثل  
اثام من تبعه لا ينقص ذلك من اثمهم شيئا<sup>۱</sup>

ترجمہ: جس نے کسی اچھی بات کی طرف بلایا اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس کے پیچھے چلے اور ان کے اجر سے کوئی کمی نہ کی جائے گی اور جس نے دوسروں کو کسی گمراہی پر آمادہ کیا اسے ان تمام لوگوں کے گناہ ملیں گے، جنہوں نے اس کے کہنے پر وہ کیے اور ان کے اپنے گناہوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

یہ دونوں حدیثیں اچھے کاموں کی ترغیب کے لیے ہیں تانے کاموں کے وضع کرنے کی تحریک نہیں اس کا حدیث من احدث فی امرنا هذا مالیں منہ فہو رد سے کوئی معارضہ نہیں افسوس ہے کہ بریلوی اس روایت (من سن فی الاسلام سنة حسنة) سے اچھی بدعات اختراع کرنے کا جواز نکالتے ہیں، یقین کیجئے ان کی سوچ بالکل غلط ہے۔ اس حدیث میں بدعت کی راہ نکالنے کا ہرگز کوئی سبق نہیں ہے۔

## جو بدعت نہ نکالے مگر نکالنے والے کی پیروی کرے

حدیث کا یہ حکم کہ جو شخص دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرے جو دین کی نہ تھی اس کا وہ عمل مردود ہے۔ صرف اسی کو شامل نہیں جو بدعات کی ایجاد کرے جو اس کی پیروی میں چلے گو اس نے خود کوئی بدعت نہ نکالی ہو بھی مردود العمل ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ان نفلوں سے بھی روایت کی ہے :-

من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد۔

ترجمہ جس نے ایسا کوئی عمل کیا جس پر ہمارا حکم پہلے سے موجود نہ تھا تو اس کا وہ عمل (اللہ کے ہاں) مردود ہے۔

سوجو بدعتی یہ کہے کہ میں نے تو کوئی بدعت نہیں نکالی، میں تو منِ احدث کا کسی طرح مصداق نہیں میں مردود العمل کیوں کر ہوں گا؟ اسے کہا جائے گا کہ تو گو منِ احدث کا مصداق نہیں لیکن تو منِ عمل عملاً ليس عليه امرنا کا مصداق ضرور ہے۔ سو اس پہلو سے تو بھی مردود العمل ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں:-

يقول انا ما احدثت شيئا فيحتج عليه بالثانية التي فيها النصيح برد  
كل البدع والمخترعات سواء احدثها الفاعل او سبق باحدثها۔  
ترجمہ جو یہ کہتے ہیں کہ میں نے تو کوئی چیز نئی ایجاد نہیں کی اس پر اس دوسری  
حدیث سے حجت قائم کی جائے گی جس میں ہر بدعت اور خود گھڑے اعمال کے  
مردود ہونے کی خبر ہے برابر ہے کہ اس نے خود اسے دین میں داخل کیا یا وہ  
بدعت پہلے کسی نے (دین میں) اضافہ کی تھی۔

## ایک اور معارضہ جو اس حدیث پر ڈالا جاتا ہے

اس حدیث میں ۱۔ بدعت پیدا کرنے والے اور ۲۔ اس پر عمل کرنے والے۔ دونوں  
کو مردود العمل قرار دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ بدعت پر عمل کرنے والے عامی کا کیا قصور ہے وہ  
بے علم ہے اسے کسی بدعتی مولوی کی سزا تھی لگی۔ اس نے اس کی پیروی میں ان بدعات کو اپنا لیا  
جو اس مولوی کو پسند تھیں کیا یہ صحیح نہیں کہ اس کا لہجہ اس عامی پر نہیں اس مولوی پر ڈالا جائے گا  
جس نے اسے ان بدعات پر لگایا؟

حضورؐ نے فرمایا :-

من افقی بنیر علم کان اثمہ علی من افتاہ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ

وسلم رواہ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۹ کتاب العلم۔

ترجمہ۔ جسے کسی مفتی نے کسی غلط مسئلے پر لگایا اس کا گناہ اس پر ہوگا جس نے اسے اس کا جواز فراہم کیا۔

کیا یہ حدیث اس حدیث من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد کے معارض نہیں ہوگی عمل بدعت کو مردود ٹھہراتی ہے ؟

الجواب: بغیر علم کسی مولوی کی بات پر چلنے والا تب اس گناہ سے بری الذمہ ہوتا ہے اگر اس نے کسی کو اس مولوی سے اختلاف کرتے نہ سنا ہو، اگر اسے پتہ چل گیا کہ دوسرے علماء اس بدعتی مولوی کی اس بات کو بدعت کہتے ہیں تو اب اسے اس پر عمل کہ ناجائز نہیں وہ مردود العمل ہی سمجھا جائے گا اور گناہ کا بار صرف اس مولوی پر نہیں اب اس پر بھی آئے گا۔

## بریلوی علماء کس طرح بدعت حسنہ کے نام سے بدعات میں مبتلا ہیں

بریلوی علماء بدعات پر کبھی من حیث البشرت غور نہیں کرتے وہ انہیں ہمیشہ من حیث اللذات اپنی بحث میں لاتے ہیں۔ ان کے گرد و پیش بدعت کی ایسی کشش ہے کہ اس نے ان کی ایک ایک عبادت کو اپنے ذوق بدعت سے بے ڈور کر رکھا ہے۔ اب ان کے ہاں دین کے جتنے اعمال ہیں وہ اعمال کے صرف ڈھانچے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کی اطاعت کی ریق تک نہیں۔ وہ ان کا دین تو میں لیکن ان میں دینداری نہیں۔ اعمال کی یہ بے روح لاشیں ان کے گھر دل اور ان کی مسجد دل میں دن رات ترپتی ہیں اور ان کے مولویوں کو کبھی اپنے عوام پر رحم نہیں آتا کہ وہ ان کو حق کی یہ بات کہہ دیں کہ اب یہ بدعتی اہل السنۃ والجماعۃ نہیں رہے بلکہ اہل بدعت ہو گئے ہیں۔ کہاں سنت کا ڈور اور کہاں بدعات کی ظلمت۔ حق اور باطل کبھی جمع

نہیں ہو سکتے سنت اور بدعت کبھی جمع نہیں ہو پاتیں۔ دھوپ اور سائے کبھی ایک ہو نہیں پاتے  
 علماء حق اور علماء سوء کا یہ تقادم شروع چلا آ رہا ہے۔

ما یستوی الا عینی والبصیر ولا الظلمات والنور ولا الظل والحرور

وما یستوی الاحیاء والاموات۔ (پکٹ الفاظ ۱۹-۲۰)

ترجمہ: اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور  
 دھوپ اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں۔

ہم نے اس سلسلہ میں اٹھنے والے تمام پہلوؤں پر مقدمہ میں علمی بحث کی ہے اسے بار بار  
 پڑھیں۔ انشاء اللہ ہر بدعت کا رنگ اُترتا جائے گا۔ اس پیش نظر کو مقدمہ الکتاب سمجھیں۔ آگے  
 مقدمہ العلم ہدیہ قارئین ہے جو موضوع پیش آمدہ کا چاروں طرف سے علمی احاطہ کیے ہوئے ہے  
 اس میں آپ کو آپ کے ذہن میں آنے والے ہر شبہ کا جواب ملے گا۔

ہم نے اس کتاب میں بدعت کے دس اہم عنوانات کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان کے گرد اور  
 بھی بہت سی بدعات گھومتی ہیں۔ ہم نے یہاں ان ذیلی بدعات کو بھی لیا ہے۔ یہ تقریباً چالیس بدعات  
 ہو جاتی ہیں جن پر ہم نے کچھ بحث کی ہے۔ بدعت محصیت کے اتنا قریب نہیں جتنی یہ کفر کے  
 قریب ہے۔ کفر سے تو توبہ نصیب ہو جاتی ہے لیکن بدعت سے بہت کم خوش نصیب توبہ کر کے  
 نکلے ہیں۔

ہمارا مقصد اس وقت ان بدعات کا رد نہیں صرف ان کا مطالعہ ہے۔ بریلوی لوگ ان  
 بدعات میں چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں۔ اس سبب ظلمات نے ان کو ہر طرف سے اپنی لپیٹ  
 میں لے رکھا ہے۔ ان کے تقابلی مطالعہ کے بغیر مطالعہ بریلویت مکمل نہیں ہو پاتا۔ یہ چند عنوانات  
 آپ کو اس ظلمت کدہ میں اس طرح لے جائیں گے کہ آپ کو ان کے عوام پر رحم آنے لگے گا۔ کتنے  
 خوش نصیب وہ مسلمان ہوں گے جو اپنے ان مھائیوں کو پھر سے سنتوں کے گرد جمع کریں۔ اللہ  
 اہل بدعت کا یہ طبقہ لائق نفرت نہیں لائق خیر خواہی ہے۔ مرض سے نفرت کی جانی چاہیے،

مرغض سے نہیں۔

بدعات کا یہ دوسرا تذکرہ ہمارے سامنے کوئی خوشی کا موجب نہیں۔ بدعات سے صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین ہر صدی کے مجتہدین اور اولیاء اللہ المتقین نے بہت نفرت کی ہے۔ بدعت سے نفرت کرنے والے اہل سنت کہلاتے ہیں سنت کا ذر اور بدعت کی ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ لا ستوی الحسنۃ ولا السيئۃ۔ اب آپ خود سوچیں بریلویوں کو کیسے اہانت کہا جاسکتا ہے

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے حلقہ اعتقاد کو بدعات سے بچنے کی ان الفاظ میں سخت تاکید فرمائی ہے۔ اس پر ہم اس پیش لفظ کو ختم کرتے ہیں ہم نے کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کسی فریق کی دلازاری نہ ہو۔ نہ ہم نے بغضہ تعالیٰ کہیں بریلوی زبان استعمال کی ہے نہ اس وقت ان کی تردید ہمارے پیش نظر ہے۔ گو اثنائے بیان کہیں ضمننا کوئی علی گرفت آگئی ہو اس پر بھی ہم اپنے ان بھائیوں سے معذرت خواہ ہیں۔ ہمارے پیش نظر طلبہ اور عوام میں بریلویت کا ایک عام تعارف کرانا ہے۔

### حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی نصیحت

سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزند عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ کو اور عام دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ سنت سنیت کی تابعداری کریں اور بدعت سے بچیں — سعادت مند ہے وہ شخص جو اس دور میں سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور رائج بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرے۔ اب ایسے جو امر کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا جادہ کی کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے۔ اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کے گرانے کا باعث ہے۔ من و ذو صاحب بدعت فقد اعان علیٰ ہدم الاسلام آپ نے سنا ہوگا سو پورے ارادہ اور کامل تہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ سنتوں میں کوئی سنت جاری

سوجائے اور بدعات میں سے کوئی بدعت دُور ہو جائے خصوصاً ان دنوں میں اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ اسلام کی رسمیں جیسی قائم رہ سکتی ہیں کہ سنت کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور بدعت کو ختم کیا جائے گذشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہو گا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن اور پسندیدہ خیال کیا۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں کرتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسن نہیں جانتا۔ بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کہ تاروں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

اسلام کے اس صنف و غربت کے زمانے میں کہ سلامتی سنت کے سجالانے پر موقوف ہے اور خطابی بدعت کے حاصل کرنے پر وابستہ ہے۔ (فقیر) ہر بدعت کو کھماڑی کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گرا رہی ہے اور سنت کو چھیننے والے ستارہ کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما رہا ہے۔ حق تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حن کہنے کی جرأت نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتوے نہ دیں۔ خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو کیونکہ کچھ سنت کے ماسوا میں شیطان کے کھر کو بڑا دخل ہے۔

گذشتہ زمانہ میں چونکہ اسلام قوی تھا اس لیے بدعت کے اندھیرے ظلمات کو اٹھا سکتا تھا اور ہر سکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات فوراً سلام کی چمک میں فوراً فنا معلوم ہوتے ہوں گے اور حسن کا حکم پالیتے ہوں گے۔ اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نورانیت نہ تھی مگر اس وقت کہ اسلام ضعیف ہے یہ بدعات کی ظلمت کو نہیں اٹھا سکتا۔ اس وقت متقدمین و متاخرین کا فتوے جاری نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر وقت کے احکام جدا ہیں۔ اس وقت تمام جہاں بدعت کے بکثرت ظاہر

ہونے کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے اور سنت کا نور باوجود غریب اور ندست کے اس دریائے ظلماتی میں کرم شب افروز یعنی جگنو کی طرح عکس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کر جاتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔ اب اختیار ہے کہ خدائے کوئی بدعت کی ظلمت کو زیادہ کرے یا سنت کے نور کو بڑھائے اور اللہ تعالیٰ کا گروہ زیادہ کرے یا شیطان کا گروہ۔ الا ان حزب اللہ ہم المفلحون۔ الا ان حزب الشیطان ہم المکسرون۔

صرف یہ وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں اور اسلام کے منہف اور جھوٹ کی کثرت کا اندازہ کریں تو چاہیے کہ سنت کے ماسوا میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کا بہانہ کر کے امور مخترعہ پر عمل نہ کریں۔ اتباع سنت بے شک نجات دینے والی ہے اور خیرات و بركات کے سچے والی ہے اور غیر سنت کی اتباع میں غرور ہوا ہے۔ و ما علی الرسول الا البلاغ۔ قاصد پر حکم کا پہنچا دینا ہے۔ ہمارے مشائخ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے تابعداروں کو امر معتدعہ کے سجالانے کی ہدایت نہ کی اور سنت کی متابعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بتایا اور صاحب بشریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و عزیمت پر عمل کرنے کے سوا کچھ ہدایت نہ فرمائی۔ اس واسطے ان بزرگوں کا کارخانہ بلند ہو گیا۔ اور ان کے وصول کا ایوان سب سے اعلیٰ بن گیا۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعت کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفویٰ کی رونق کو ان نو اسجاد باتوں کی کہ درتوں نے بر باد کر دیا ہے۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اور ان کو نیکیاں سمجھتی ہے اور ان کے ذریعہ سے دین و ملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے مکمل ہو چکا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔ پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس آیت کریمہ کے معنوں سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔

مولانا احمد رضا خاں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ان باتوں کو یہ کہہ کر ڈال دیتے ہیں کہ یہ حالت سن کر کہیں ہمیں حیرت ان نقشبندیوں پر ہے جو اس پر بھی مولانا احمد رضا خاں کو اپنا اعلیٰ حضرت سمجھتے ہیں مولانا احمد رضا خاں ایک موقع پر حضرت امام ربانیؒ پر تعرض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-  
کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ جانے ہم تو ایسے شیخ کے غلام ہیں جس نے جو بتایا صحو سے بتایا خدا کے فرمانے سے کہا۔ تمام جہان کے شیوخ نے جو ربانی دعوے کیے ہیں ظاہر کر دیے ہیں کہ ہمارا سکر ہے اور ایسی غلطیاں دروہوں سے ہوتی ہیں ناواقفی سے یا سکرے۔ سکر تو یہی ہے اور ناواقفی یہ کہ..... الخ

اور پھر یہی نہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی طرف سے یہاں تک نقل کیا:-  
”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جو کچھ میں نے اگلی دو جلدوں میں کہا صحو سے کہا؟ نہیں نیادہ سکر ہے۔“

اب آپ ہی سوچیں کہ حضرت امام ربانیؒ مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت کو کمزور کرنے کی اس سے زیادہ کسی میں کیا جرات ہو سکتی ہے۔ استغفر اللہ العظیم



کیا ان نقشبندیوں میں غیرت ہے جو اس کے باوجود مولانا احمد رضا خان کو اپنا اعلیٰ حضرت مانتے ہیں اور اپنے آپ کو بریلوی کہتے ہیں۔ یہ جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نقشبندی اور جناب میاں شیر محمد صاحب شتر قوری نقشبندی نے کبھی مولانا احمد رضا خاں کو اعلیٰ حضرت کبھی نہ مانا تھا بلکہ چشتیہ سلسلے کے حضرت مولانا محمد معین الدین اجمیری اور جناب پیر مہر علی شاہ گوڑوی بھی مولانا احمد رضا خاں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مولف کے لیے سلامتی قلم سوچ کے اعتدال اور اور خود اہل بدعت کے لیے علم و عمل کی اصلاح اور جذبہ خیر خواہی کی دعا فرمائیں خوش نصیب ہیں وہ اہل بدعت جو پھر سے اہل سنت کی صفوں میں آجائیں اور جہلاء کا اکثریت کا زعم نہیں ہمیشہ کے لیے بدعات کے بحر ظلمات میں نہ رکھے۔

سے  
ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ہم یہاں اس پیش لفظ کو ختم کرتے ہیں اور اس علمی مقدمہ کا آغاز کرتے ہیں جو اپنے موضوع کا چاروں طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے بعد ہم انشاء اللہ العزیز بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات پر ایک ترتیب سے بحث کریں گے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے دلوں کو نور سنت سے منور کرے اور جہاں جہاں بدعت کے اندھیرے پھائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان سطور کو اندھیروں کے اٹھنے کا سبب بنائے۔  
وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

مولف عفا اللہ عنہ

## مفتِ رحمہ

الحمد لله وسلام على عباده الذين صطفى اما بعد :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ آخرت پر روانہ ہونے سے پہلے صحابہؓ کو دو چیزوں سے متنبہ کرنے کی ہدایت فرمائی اور ضمانت دی کہ جب تک وہ ان دو چیزوں سے اعتدال کریں گے وہ کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ وہ دو چیزیں کیا کیا تھیں :

① کتاب اللہ اور ② سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن کے گرد امت نے پوری محنت سے حفظ و قرات اور تفسیر کا پہرہ دیا اور اسے شریعت کا پہلا ماخذ ٹھہرایا اور اس کی لفظی اور معنوی تحریف سے حفاظت کی اور آج تک یہ محنت جاری ہے۔

① قرآن کریم کی ہر تحریف سے حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی :-

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ (پہلے المجر ۹)

ترجمہ بیشک ہم نے نصیحت نامہ اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

سعادت ان حفاظ و قراء اور مفسرین اہل حق کی جن کی مساعی سے یہ رادہ خداوندی پورا ہوتا آیا ہے۔

سنت کے گرد بھی امت نے پوری وفا سے پہرہ دیا اور بدعات کو اس حلقہ نور میں داخل ہونے سے پوری قوت سے ان کے آگے روک ٹھام کے بند باندھے اور آج تک یہ محنت جاری ہے۔ بدعات سنت کے حلقہ نور میں داخل ہونے کے چور دروازے ہیں۔

② چورہمیتہ اندھیرے میں واردات کرتے ہیں اور بدعات کے داعی بھی صرف جہالت کے اندھیروں

میں آگے بڑھتے ہیں۔ جہاں علم کی روشنی پھیلی وہاں جہالت کے بادل خود چھٹ جاتے ہیں۔ سو بدعت کے

ازالہ کے لیے براہِ راست جدوجہد کی ضرورت نہیں، جہاں علم کی نشر و اشاعت ہوگی اور کتاب و سنت پر محنت ہوگی بدعات کے سائے خود اٹھ جائیں گے۔ بدعات کا براہِ راست مقابلہ کرنا خاصا مشکل مقابلہ ہے۔

## ۳) شریعت اپنی بنیاد میں ایک منقولی امر ہے

شریعت اسلامی کوئی خیالی جذباتی اور نفسیاتی

لائحہ عمل نہیں کہ جس کام کو ہم چاہیں دین کا کام کہہ دیں بلکہ یہ Reported affair منقولی لائحہ عمل ہے جسے ثابت کر لے کے لیے ہمیں سچے کوٹنا ضروری ہے ہمیں دیکھنا ہوتا ہے کہ کیا یہ دینی عمل دینی عہدِ اول سے چلے آرہے ہیں یا انہیں چند پہلے نے اپنے خیالی جذباتی یا نسکی تانوں سے اپنے لیے اب وضع کر لیا ہے۔ اگر ان کی اصل دورِ اول میں پائی گئی اور پھر اختلاف ہوا تو یہ بے شک ایک علمی اختلاف ہوگا ورنہ اسے ایک نسکی اختلاف سے زیادہ کوئی اہمیت نہ دی جاسکے گی۔

## قرآن میں اختلاف کے وقت اصل کی طرف کوٹنے کی ہدایت

اختلاف کبھی جاہلی قیاسات اور نسکین جذبات کے اوضاع سے نہیں ملتا۔ امر متوہم Disputed affair کو کسی امر متیقن Definite & Agreed پر ہی لا کر طے کیا جاسکتا ہے اور یہ کتاب و سنت کی کسوٹی ہے جو ہر کھولے کھرے کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر اختلاف آپ کی طرف کوٹایا جاسکتا تھا کہ آپ اس کا فیصلہ فرمادیں لیکن آپ کے اس دُنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اب ہمارے لیے ایک ہی راہ رہ گئی ہے کہ ہر اختلاف کو کتاب و سنت کی طرف کوٹائیں اور کتاب و سنت نص یا اعتراضاً ہمارے اس اختلاف پر فیصلہ دیں ہم اسے ہی شریعت جانیں اور اس کے سوا جو کام بھی دین سمجھ کر کیے جا رہے ہوں انہیں دین میں ایک اضافہ سمجھیں اور ان سے پوری طرح بچیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:-

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (آل عمران: ۱۰۶)

ترجمہ: سو اگر تم کسی (دینی) کام میں جھگڑو تو تم اسے خدا (کی کتاب) کی طرف اور

رسول کی سنت کی طرف لوٹنا و اگر تم واقعی خدا اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو یہی بہتر اور بہترین انجام کار ہے۔

اس شخص کے بعد اس آیت پر کیے عمل ہو گا اسے روح المعانی کے ان الفاظ میں دیکھ لیں۔  
اور اب اللہ سے مراد اس کی کتاب اور رسول سے مراد اس کی سنت سمجھیں :-

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ (القرآن) ای الخ کتابہ (والرسول) ای الخ سنتہ۔

ترجمہ ہوائے مومنوں اگر تم اور تمہارے حکمران آپس میں دین کی کسی بات میں مختلف ہوں تو اسے لوٹنا بطریق مراجعت اللہ کی طرف یعنی اس کی کتاب کی طرف اور رسول کی طرف یعنی اس کی سنت کی طرف۔

### دین ہے ہی وہ جس میں کسی اضافے کی گنجائش نہ ہو

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح طور پر فرمادیا کہ یہ دین کامل ہو چکا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت صحابہ پر تمام ہو چکی۔ اب اس کے بعد یہ دین ایک کے طور پر اوپر سے چلے گا اور صحابہ کے بعد کسی کو اس میں کسی قسم کے اضافے کی اجازت نہ ہو گی صحابہ سے جو چیز ثابت ہو اسے حضور کے اذن خاص کے تحت قبول کیا جائے گا۔ ستاروں سے ہمیشہ روشنی ہی ملے گی اور صیرا کبھی نہ ملے گا۔  
اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي و رضيت لكم الاسلام ديناً۔

(پ ۲ المائدہ ۳)

ترجمہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کر لیا۔

اس آیت کے ہوتے ہوئے کیا کوئی مسلمان جرات کر سکتا ہے کہ دین اسلام میں کسی خیالی

پیرائے یا عید پاتی نعرے سے کوئی نئی بات لائے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اضافہ کرے صحابہؓ اپنے عمل سے خود دین میں داخل ہیں اور انہی کا دین مکمل ہوا سو وہ خود اس بحث میں داخل نہیں کہ ان کا یہ عمل دین میں سے ہے یا نہیں انہی کے عمل کی تو خدا نے تکمیل کی ہے۔

### حضورؐ نے امت کے لیے صحابہؓ کی بات کو بھی ساتھ رکھا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر گروہ بندی کا انجام مگ بتلایا ہے صرف ایک گروہ کو لائق مغفرت فرمایا وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا :-

ما انا عليه واصحابي سلم جو میرے اور میرے صحابہؓ کے رستہ پر ہوں گے۔  
اور یہ بھی فرمایا :-

من عيش منكم بعدى فسيرى اختلافا كثيرا فليكم بسنتي وسنة  
الخلفاء الراشدين سلم

ترجمہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہے وہ جلد بہت اختلافات دیکھیں گے  
سو تم میری سنت اور ہدایت پائے ہوئے خلفائے راشدینؓ کے رستہ کو لازم پکڑنا  
(دین میں پیدا کی گئی نئی باتوں سے بچنا)

لفظ "ہدایت پائے ہوئے" سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خلافت پر گئے والے ہیں وہ اپنے اپنے طور پر حضورؐ سے ہدایات پائے ہوئے میں یا کچھ خاص احکام لیے ہوئے ہیں۔ سو انہوں نے اپنے دور میں جو کچھ بھی کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی ہدایات کے تحت کیا ہے انہیں ہوا سمجھیں ان کو اسی لیے مہدیین (اللہ کے نبی سے ہدایت پائے ہوئے) فرمایا اب ان کے بعد غائب ایک ہی ہے کہ دین کے نام پر پیدا کر دہ ہر نیا کام بدعت ٹھہرے اور ہر بدعت رستہ اسلام سے دور کرنے والی شے ہو۔ حضورؐ نے خلفائے راشدینؓ کی سنت تو سب پر لازم ٹھہرائی، دوسرے صحابہؓ کے بارے میں کچھ بدعت رکھی وہ

یہ کہ ان میں سے جس کی پیروی کو ہدایت پر رہو گے۔ بالآخر اقتدینہم اقتدینہم۔ ہاں ان کا عمومی عمل ساری امت کے لیے اتنی متشک رہے گا جس طرح خود راہِ نبوت سب کے لیے شاہِ راہِ اسلام ہے۔ ما انا علیہ واصحابی کا یہی منہم ہے۔ بدعت کی راہ ان کے بعد سے شروع ہوئی ہے۔

صحابہ کے رستے کے خلاف جو فرقہ بھی بنے گا ظاہر ہے کہ وہ پیچھے سے چلے آئے والے دین میں کمی یا زیادتی کے بغیر نہ بن سکے گا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا انکار کیا یا صحابہ کے عمل کا انکار کیا انہوں نے دین میں کمی کی اور جو بدعات کے سلاخوں میں جا بیٹھے انہوں نے دین میں (ان بدعات کی) زیادتی کی۔ بدعات دونوں طرف چلیں گی اس میں لفظ بھی بہرگی اور تفریطی اور تابعین وہی ہوں گے جو ان دونوں سے سبیں۔

یاد رکھیے دین اسلام ایسا کامل دین ہے کہ یہ اپنے میں ذرا سی زیادتی برداشت نہیں کر سکتا جس طرح صحیح فطرت انسان بھی کو ہضم نہیں کر سکتا۔ دین اسلام کسی بدعت کو ہضم نہیں کر سکتا جس طرح انسان کھال اپنے میں ذرا سی بھانسی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ بدن اسلام کسی بدعت کو اپنے میں سمونہ نہیں کر سکتا۔ بھانسی جتنی باریک ہوتی ہی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے اور اس کا کھالنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ اسلام کا بہترین دور وہی تھا جو حضور اور صحابہ کا تھا اور اس میں کوئی چیز بدعت نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: اخیر امتی قرنی ثم الذین یلوئہم ثم الذین یلوئہم۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۶۳

ترجمہ بہترین امت میرے دور کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان کے بعد آئیں پھر وہ جو ان کے بعد ہوں۔

### دورِ اوّل میں بدعات کے خلاف اٹھنے والے صحابہؓ

یوں تو سب صحابہؓ بدعات کے خلاف اسلام کی ایک چلتی پھرتی تصویر ہے۔ ستاروں سے روشنی ہی ملتی ہے اندھیرا نہیں۔ تاہم چند صحابہؓ نے ایسے کچھ لے لے لے مواقع میں بہت کھل کر اپنا کردار ادا کیا۔

① حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ)

صحابہ کرامؓ میں خلفاء راشدینؓ کے بعد کتاب و سنت کے سب سے بڑے عالم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

سمجھے جاتے ہیں حضرت عمرؓ نے جب آپ کو عراق بھیجا تو فرمایا۔ اے اہل عراق! میں نے عبد اللہؓ کو تمہارے  
ہاں بھیج کر تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے یعنی اگر میں اپنے آپ کو رائج کرتا تو انہیں اپنے لیے اپنے  
پاس رکھتا ان کے علم و فضل کی مجھے خود ضرورت تھی۔

عن حبه العرفی قال قرأت فی کتاب عمر الی اهل اليمن والكوفة اما بعد فانتم

رأس العرب وجمعتهم وאתم مہمی الذی ارمی به ان جاء شیء عن ہا هنا

وہا هنا وقد بعثت الیکم عبد اللہ واختارہ لکم واثرتکم بہ علی نفسی بلہ

ترجمہ۔ جب عمرؓ نے مروی ہے آپ نے کہا میں نے حضرت عمرؓ کا وہ خط پڑھا جو آپ نے

اہل یمن اور اہل کوفہ کو لکھا تھا۔ اما بعد تم راس العرب اور ان کے دماغ ہو اور تم ہی میرے

وہ سمجھتا رہو نہیں میں اس وقت چلاتا ہوں جب ادھر سے یا ادھر سے کوئی ضرورت

در پیش ہو۔ میں نے عبد اللہؓ کو تمہارے لیے بھیجا ہے اور تمہارے لیے

چنا ہے اور اس میں میں نے تمہیں اپنے پر ترجیح دی ہے۔

حضرت عبد اللہؓ بن مسعودؓ جس طرح صحابہؓ میں سنت کے سب سے بڑے علمبردار تھے اسی طرح

آپ بدعت کے بھی سخت خلاف تھے اس کے جراثیم آپ کو دور سے ہی نظر آ جاتے نماز پڑھنے کے بعد

دائیں طرف سے مڑنا یا بائیں طرف سے مڑنا کتنی چھوٹی سی بات ہے اور اپنی ذات میں ان میں سے کسی

میں بھی بُرائی نہیں مگر اگر کوئی التزام کرے کہ ہمیشہ دائیں طرف مڑے کہ دائیں طرف میں برکت ہے تو آپ

نے اس کے اس ذوق کو بھی خط شیطان قرار دیا۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

واجبی عمل نہ تھا آپ نے فرمایا۔

لا یجعل احدکم للشیطان شیاء من صلاتہ یری ان حقاً علیہ الا ان ینصرف

الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ینصرف عن یمینہ

ترجمہ۔ تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے کہ وہ نماز سے خیرات کے

بعد دائیں طرف مڑنے کو ہی ضروری سمجھے کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو  
کئی دفعہ بائیں طرف مڑتے بھی دیکھا ہے۔

جب ایک کام جو اپنی ذات میں جائز ہے مگر ضروری نہیں اسے ضروری سمجھنا بھی شیطان کو اپنے  
نیک اعمال میں حصہ دار کرنا ہے۔ تو جو کام سرے سے شریعت میں اپنا وجود نہیں رکھتے انہیں اپنانا اور  
دین سمجھنا ان میں شیطان کس درجے میں حصہ دار ہوگا اس پر آپ خود غور فرمائیں۔ شریعت میں اس کی اجازت  
نہیں کہ کسی مستحب یا مباح کام کو بڑھا کر فرض یا واجب ٹھہرایا جائے۔ جس طرح شرعی اعمال کے  
لیے ضروری ہے کہ اس کی اہل شریعت میں موجود ہو اسی طرح یہ ضروری ہے کہ اس کا درجہ بھی وہی رہے  
جو شریعت میں ہے اس سے کم و بیش نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ مسجد میں کنکریوں پر اللہ کا ذکر کر رہے  
ہیں۔ ایک شخص آواز دیتا۔ اتنی مرتبہ اللہ اکبر پڑھو۔ یہ کنکریوں پر اسے پڑھنے لگتے ہیں۔ پھر وہ کہتا سوبار  
لا الہ الا اللہ پڑھو وہ اس طرح لا الہ الا اللہ پڑھنے لگتے ہیں۔ پھر وہ کہتا کہ سوبار سبحان اللہ پڑھو۔  
مسجدوں میں دو در اول میں یہ طریق ذکر نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ نظر دیکھا اور آپ  
سے یہ برداشت نہ ہو سکا۔ آپ نے انہیں فرمایا :-

فَعَدَّوْا مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ فَإِنَّا ضَامِنٌ أَنْ لَا يُضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ ۖ

مفتی باب الضلالتہ ۱۰

ترجمہ: تم اپنے گناہوں کو شمار کرو میں ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کوئی  
نیکی ضائع نہ ہوگی (آپ نے فرمایا) کیا تم گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔

دیکھو یا امتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ما اسرع هلكتك هؤلا الصحابۃ  
بليكم متوافرون ۱۱

ترجمہ: اے حضورؐ کی امت تم پر افسوس! تم کتنی جلدی ہلاکت میں جا پڑے۔ ابھی تو



صحابہ کرام تم میں بکثرت موجود ہیں (کیا تم ان سے اپنے ایسے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھ سکتے تھے)۔  
 آپ نے قسم کھا کر فرمایا:-

میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں خدائے وحدہ لا شریک لکی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے سنہیت تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے یا پھر تم علم میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ گئے ہو (کہ جو نیکی ان کو نہیں سوجھی تم سے پاگئے)۔  
 علامہ شامی لکھتے ہیں:-

صحیح عن ابن مسعودؓ انه اخرج جماعة من المسجد يمللون ويصلون على النبي صلى الله عليه وسلم وقال لهما اراكم الامتدعين بـ  
 ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک جماعت کو مسجد سے اس لیے نکال دیا کہ وہ لا الہ الا اللہ اور درود شریف بلند آواز سے پڑھ رہے تھے اور فرمایا میں تمہیں بدعتیوں کے سوا کچھ نہیں دیکھتا (یعنی یہ نیکی کسی کھاتے میں نہیں ہے)۔

کیا درود شریف پڑھنا یا کلمہ پڑھنا یا سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہنا اپنی ذات میں کوئی بُری بات تھی؟ ہرگز نہیں۔ کیا یہ کلمات کوئی بُرا معنی رکھتے ہیں؟ نہیں۔ لیکن جب ان کلمات پر بھی بدعت کے اتنے خلاف چڑھا دیئے گئے تو یہ ذکر کرنے والے عبادت کرنے والے نہ رہے کھلے لفظوں میں بدعتی قرار پائے۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ اب وہ اپنی نیکیاں نہیں بڑھائیں گے۔ جو تمہارے ان اعمال میں پائی جا رہی ہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کے عہد میں ہی بدعات کے خلاف دینی محنت شروع ہو چکی تھی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے ہر خلیل تھے۔ آپ نے لوگوں کو اپنے نقش قدم پر چلنے

کی دعوت دی فرمایا:-

سلامتی اسی پُرانی کیر میں ہے دین کا مکمل ہونا کافی سمجھا جائے اور بدعات پیدا کرنے سے کلی طور پر استراذ کیا جائے۔  
آپ نے فرمایا:-

اتبعوا انا وانا دلائل متبذعوا فقد كنتم

ترجمہ تم پیچھے چلو دین میں بدعات پیدا نہ کرو جو دین تمہیں دیا گیا ہے وہ تمہارے لیے کافی ہے۔

② حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۷ھ)

ایک دفعہ ایک شخص نے چھینک آنے پر الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وہاں موجود تھے آپ نے فرمایا میں بھی حضورؐ پر سلام بھیجنے کا قائل ہوں لیکن سلام کا یہ جو موقع تم نے تلاش کیا ہے (کہ چھینک آنے پر یہ پڑھنا) یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نہیں۔  
آپ نے فرمایا:-

انا اقول الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ وليس هكذا - علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقول الحمد للہ علی کل حال

ترجمہ میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ اور میں کہتا ہوں السلام رسول اللہ لیکن ہمیں حضورؐ نے اس طرح سلام کہنا نہیں سکھایا آپ نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہم ہر حال میں الحمد للہ کہیں۔

حضورؐ پر سلام پڑھنا کوئی بڑی بات نہیں لیکن شریعت میں اس کا بھی کوئی موقع اور محل ہونا چاہیے اسے ہر جگہ لا داخل کرنا یہ وہ بدعت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے برداشت نہ ہو سکی اور آپ اس پر بول پڑے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک شخص کسی کا سلام لے کر آیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا :-

مجھے سلام بھیجنے والے کی یہ شکایت پہنچی ہے کہ اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے

اگر واقعی اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے تو میرا سلام اس کو نہ دینا۔

آپ نے ایک دفعہ کچھ لوگوں کو مسجد میں چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا حضرت مجاہدؒ نے آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا آپ نے اسے بدعت فرمایا۔

ضالناہ عن صلوٰۃ فقال بدعتہ اس طرح یہ نماز پڑھنا بدعت ہے۔

چاشت کی نماز فی نفسہا بدعت نہ تھی اس کی اپنی جگہ ایک اصل ہے لیکن اسے اس اجتماعی

پیرایہ میں پڑھنا یہ شریعت میں موجود نہ تھا اس لیے آپ نے اسے بدعت ٹھہرایا۔

اسی طرح آپ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں اذان کے بعد پھر سے لوگوں کو نماز کی دعوت

دے رہا ہے اس پر آپ نے اپنے شاگرد امام مجاہدؒ سے فرمایا۔

أُخْرِجْ بِنَافَانَ هَذِهِ بَدْعَةٌ۔

ترجمہ ہمیں یہاں سے لے چل یہاں تو بدعت ہو رہی ہے۔

ان تفصیلات سے بھی معلوم ہو کہ بدعات کے خلاف کام خود عہد صحابہؓ میں شروع ہو چکا تھا۔

③ حضرت عثمان غنیؓ (۳۵ھ)

آپ کو کسی نے غنہ کی تقریب پر بلایا حضورؐ کے زمانہ میں نکاح کے موقع پر تو لوگ بلائے جاتے

تھے لیکن غنہ کے موقع پر لوگوں کی دعوت اور بلائے جانے کا کوئی اہتمام نہ ہوتا تھا۔ غنہ سنتِ ابراہیمی

ہے۔ مومن اعتبار سے یہ ایک نیکی کا عمل تھا۔ صحابہؓ کی تربیت یہ تھی کہ جو کام نیکی سمجھ کر کیا جائے اس کا

شریعت میں ثبوت چاہیے۔ غنہ کے وقت کی دعوت کا حضورؐ کے زمانہ میں رواج نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ

مناہ پر اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا :-

انا کنا لانا ثانی الختان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ندعی لہ بلہ  
ترجمہ ہم لوگ عہد رسالت میں ختنوں میں نہ جایا کرتے تھے اور نہ اس کے لیے ہمیں  
دعوت دی جاتی تھی

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اسی چیز کو دین اور شریعت سمجھتے تھے جو پہلے سے  
جلی آرہی ہو۔ Reported affair اور ان کے ہاں ناممکن تھا کہ کسی نئی چیز کو جو دین نہیں دین  
سمجھ کر کیا جائے۔

### ④ حضرت علی المرتضیٰ (۴۰ ھ)

شریعت کے عام قاعدہ میں سورج کے طلوع اور غروب کے وقت میں نماز پڑھنا ناجائز تھا۔ فجر کی  
کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا ناجائز تھا ان کے علاوہ اور کسی موقع پر نماز نفل ممنوع نہ تھی ایک  
شخص نے اسی عام ضابطہ کے تحت نماز عید سے پہلے نفل پڑھنے چاہے حضرت علی مرتضیٰ نے اسے  
منع کیا۔ اس نے کہا، امیر المؤمنین میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر ہرگز سزا نہ دے گا۔  
آپ نے فرمایا :-

میں بالیقین جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ثواب نہ دے گا جب تک کہ اس فعل  
کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو پس تیری یہ نماز  
فعل عبث ہوگی اور فعل عبث حرام ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے رسول  
کی مخالفت کی وجہ سے سزا دے۔

ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کو جب کہ عشاء کی اذان ہو چکی تھی نماز کے لیے بلاتے دیکھا اس  
پر آپ نے اسے مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا

### ⑤ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۵ھ)

آپ بدعت کی ابتداء صحابیہ کے بعد سے کرتے ہیں یہ جو کچھ کریں یہ بدعت نہیں ہے صحابہؓ رازدارانِ نبوت اور مزاج شناسانِ حضرت خاتم النبیین تھے۔ ان سے کوئی چیز نئی بھی نظر آئے تو اسے اس حضرتؓ کے اذنِ خاص سے سر بوط کیا جائے اسے بدعت نہ کہا جاسکے گا۔ ہاں جو عمل ان میں سے کسی سے ثابت نہ ہو اسے عبادتِ سمجھ کر کہ ناقلیقاً ممنوع ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:-

كُلُّ عِبَادَةٍ لَمْ يَتَّبِعْهَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تُقْبَلُ وَهِيَ لِي

ترجمہ: ہر وہ عبادت جسے اصحابِ رسولؐ نے قبول نہیں کیا تم اس راہ سے خدا کو خوش کرنے کی کوشش نہ کرو۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:-

فَإِنْ أَوَّلَ لَمْ يَدْعَ لِأَخْرَمًا فَلَا تَقْبَلُوا اللَّهَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَاءِ خذُوا بِطَرِيقِ  
مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ. ۛ

فرمایا خدا کی قسم آئندہ زمانے میں بدعت پھیل جائے گی یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بدعت کو ترک کرے گا تو لوگ اس کو کہیں گے کہ اس نے سنت ترک کر دی ہے۔ (یہ سنی نہیں رہا)۔

حضرت حذیفہؓ کی یہ پیشگوئی ہمارے اس دور میں پوری ہو چکی ہے کہ اہل بدعت علمائے دیوبند کو کہتے ہیں کہ یہ اہل سنت نہیں ہیں اہل سنت بس ہمیں ہیں جنہوں نے ایک ایک سنت کو بدعت کی آغوش میں لے رکھا ہے۔

### ⑥ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ)

آپ نے فرمایا:-

هَلِيكُ تَبْقَى اللَّهُ وَالْإِسْقَامَةُ وَاتَّبَعُوا وَلَا تَبْتَدِعُوا ۛ

ترجمہ: تقویٰ اور استقامت کو لازم پکڑو سنت کی اتباع کرو اور بدعت پیدا نہ کرو۔

اپنے ایک موقع پر فرمایا کہ مشرق و مغرب میں جہاں بھی کوئی بدعت پھڑتی ہے شیطان کی پیداوار ہے۔

جب لوگوں میں اس کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوتی ہیں تو وہ تصنیف کے لیے اہل کلام کے پاس آتے ہیں یہ علماء حق کا وظیفہ ہے کہ وہ انہیں بدعات سے چھڑائیں اور سنتوں پر لگائیں سو بدعات اسی طرح بدعتی پر ماری جاتی ہیں اور وہ ناکام ہو کر رہتے ہیں۔

دورِ اہل میں بدعات کے خلاف اٹھنے والوں میں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سرفہرست ہیں۔ انہوں نے دین میں داخل کی جانے والی ہر نئی بات کو علی الاعلان بدعت کہا اور کوئی مصلحت انہیں اس اظہار حق سے نہ روک سکی۔ فخر اہم اللہ احسن الجزاء۔

اس امت کا دوسرا ہزار شروع ہوا تو حضرت امام ربانیؒ مجد الف ثانیؒ اس پہرہ وفا پر آئے اور اس طرح شریعت کی حفاظت فرمائی کہ بدعتِ سنہ تک کہ اس خطیرہ قدسیہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ اور پھر ان کی راہ پر حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ حضرت قاضی ثنار اللہؒ پانچویں اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پورے عزم و ہمت سے چلے اور کتاب و سنت کے گرد حفاظت کی ایک پوری تندق کھود دی۔

چودھویں صدی میں بدعات کے خلاف اٹھنے والے اکابر

اس دورِ آخر میں اس محاذ پر فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ حضرت مولانا غیل احمد محدث سہارنپوریؒ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا تھانیؒ احسن چاند پوریؒ نے اقامتِ سنت اور ردِ بدعات کی محنت کی ہے۔ یہاں تک کہ آج برصغیر پاک و ہند میں جہاں بھی آپ کو بدعت کی راہیں مسدود ملیں گی اس کے پیچھے آپ کو انہی حضرات کے کسی نہ کسی شاگرد یا متوسل کا ہاتھ نظر آئے گا۔ اب ان حضرات کی کاوشوں سے ردِ بدعات کی بنیاد قائم ہو چکی

ہے اس کے ضوابط منتع ہو چکے ہیں اور ان پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ آج آپ کو کوئی ایسی بدعت سننے میں نہ آئے گی جس کا رد نہ ہو چکا ہو اور اس پر لکھا نہ جا چکا ہو۔ جہاں کہیں بھی کوئی بدعت اُمیر اللہ تعالیٰ نے وہیں سے کسی نہ کسی وفادار سنت کو اس کے مقابل لاکھڑا کیا اور اب اہل بیت کے پاس سوائے ضد کے اور کوئی وجہ نہیں رہی جس کے باعث آج بھی بعض حلقوں میں بدعات کی اندمیریاں قائم ہیں۔ تاہم ابھی اس محاذ پر اور تبلیغی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

### غلط بات پر اڑنا بنو آدم کی شان نہیں

انسان فطری طور پر آدمی ہے — یعنی آدم کے مزاج والا — کہ خدا کی محبت اور طلب قرب میں محکم کو نہ دیکھے۔ اپنی خواہش پر چل سکے اور جوشِ عمل میں آگے بڑھنے لگے — اور پھر جب اس پر اسے ٹوک دیا جائے تو قرب اور انابت کے ساتھ جھکے اور اپنے اصل محکم پر آجائے — آدم مزاج وہی ہے اور آدمی اسے ہی کہتے ہیں۔

میری افتادگی بھی میرے حق میں اس کی رحمت تھی

کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تمام اس کا

حضرت آدم علیہ السلام درخت کے قریب اسی طلبِ قرب میں گئے اور وہ سمجھتے تھے کہ میں اس سے دائمی قرب الہی پا لوں گا۔ بدعتی بھی سمجھتا ہے کہ میرے یہ اعمال بدعت طاعت خداوندی ہیں اور قرب الہی کا ذریعہ — اور وہ اس محکم کو نہیں دیکھتا کہ اس کامل دین میں اب کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما گئے۔ من احدث فی امرنا ہذا مالین منہ فموردہ اوکا قال صلی اللہ علیہ وسلم۔

بریلوی کہتے ہیں حضرت آدم کا عمل اس لیے خطا ٹھہرا کہ اس پر منع وارد تھی۔ انہیں اس سے

مدد کا لگیا تھا۔ سو بدعت وہی ہے جس پر منع وارد ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ مہتاب سے نئے نئے اعمال طاعت جن کو تم عبادت اور نیکی سمجھ کر کرتے ہو کیا ان تمام پر من احدث فی امرنا ہذا کا منع وارد نہیں؟

وہ منع جتنی سختی اور یہ منع کئی ہے وہ منع وقتی سختی اور یہ شریعت دائمی ہے جو نئی جمع و تفریق سے بالا ہے اور سنت کی رکھوالا ہے یہاں اسے ایک ضابطہ کے تحت رکھا گیا ہے کہ دین کامل مکمل ہو چکا اب اس میں تاقیامت کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو سکے گی۔ دین میں کوئی نیا کام اسے دین سمجھتے ہوئے داخل نہیں کیا جاسکتا۔ اور ایسا کرنا دین میں بدعت کا دروازہ کھولنے ہے۔

پھر بریلوی اس بات کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اس پر متنبہ کیا گیا تو وہ اپنی بات پر اڑے نہیں۔ فوراً توبہ میں جھک گئے سواب آدمی کی فطرت یہی ہے کہ اپنی غلطی پر اڑے نہیں۔ خلا کو توبہ کے پانی سے دھو ڈالے۔ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بننے تو دیکھا لیکن آدم کی توبہ و انابت کا یہ کمال ابھی اس پر نہ کھلا تھا۔ ورنہ وہ بھی سجدہ کر دیتا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :-

جب اس غلطی کے بعد انہوں نے توبہ و انابت اختیار کی تو ابلیس لعین کو ان کے اعلیٰ کمال اور امتیازی نجابت و شرافت کا مشاہدہ ہو گیا ہوگا بلکہ

یاد رکھیے اہل بدعت کا اپنی بدعات پر اڑنا انہیں ہرگز آدمی فطرت نہیں رہنے دیتا۔ اپنی غلط بات پر اڑنے کا سنگ بنیاد شیطان نے رکھا تھا اور اب تک شیطان مزاج لوگ اپنی ضد کی لکیر کو پیٹتے چلے جا رہے ہیں۔

## بدعت کی زینت اور رونق

وہ اعمال جن میں شریعت کی اصل نہیں اور لوگوں نے وہ خود بنا رکھے ہوں شیطان انہیں ایسی زینت اور رونق دیتا ہے کہ نادان لوگ اس کی چمک دمک میں کھو جاتے ہیں اور حرص و لالچ کے رسیا اس کی کشش اور پک میں کلیتہً سمو جاتے ہیں — ابلیس نے تو اللہ رب العزت کے حضور ہی کہہ دیا تھا۔

قال رب بما اغویتني لازينتن لمع في الارض ولا غويتهم اجمعين الا



عبدالک منهم المخلصین۔ (پکا: انجور ۳ آیت ۳۹)

ترجمہ: اے رب تُو نے مجھے جو دوسری راہ پڑوال دیا اب میں ان انسانوں کے لیے زمین کو آراستہ کروں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا ماسوا تیرے مخلص بندوں کے۔

ہندوؤں کے ہاں دسہرے کے رنگازنگ مجھے مختلف ڈیزائٹوں کے دیوتاؤں کے بت۔

مہولی کے رنگازنگ کے چھینے — عیسائیوں کے پھولوں سے لدے کرسمس فادرز اور دھڑاروں

پر لگی تصویریں اور جھنڈیاں کرسمس تقریبات کے چھکتے جام — آتش پرستوں کے شعلہ دار

فانوس اولمپک شعلہ بردار جوس — شیعوں کے رنگین تعزیے اور جھنڈیوں سے لدے ذوالجناح

کے جوس — اہل بدعت کے عرسوں کی چادریں۔ دسویں اور چہلم کے مخلوط اجتماعات۔ حلوں کے

جلوے اور قوالوں کے نغمے — یہ وہ رونقیں اور زینتیں ہیں جو اسلاف کی طرز پر چلنے والی

مسجدوں میں آپ کو کہیں نہ دکھائی دیں گی اور انسان ان میں کھو کر اسلام کی فطری سادگی اور اس

اخلاص و اعتقاد کو یکسر بھول جاتا ہے جو الہی تعلیم کی بنیاد تھی۔ پھر ان رونقوں کے ساتھ جب دنیا کی

وجاہت اور رعب و داب بلکہ کچھ لاپرواہی بھی آ شامل ہوں اور ملکوں کے صدر اور حکمران بھی عوامی تائید

حاصل کرنے کے لیے اس طرف بڑھنے لگیں تو آسمانی ہدایت اور الہی تنظیم یکسر دم توڑ کر رہ جاتی

ہے اور حق یہ ہے کہ شیطان نے جو کچھ کہا تھا اس نے کر دکھایا اور اولادِ آدم کو بڑے بڑے

بھلاوے دیئے۔

واذین لهم الشیطان اعمالهم وقال لا غالب لکم الیوم من الناس و

اتی جبار لکم۔ (پٹ: الانفال ع ۶)

ترجمہ: اور جس وقت خوشنما کر دیا شیطان نے ان کی نظروں میں ان کے عملوں کو

اور بلا کوئی بھی غالب نہ ہو گا تم پر آج لوگوں میں سے اور میں تمہارا حمایتی ہوں۔

دیکھئے یہاں شیطان کس طرح ان اعمال کو زینت بنا کر دکھا رہا ہے۔ اس سے اس قریب

کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے جو شیطان ان کے لیے کھودتا ہے — بہت سے عوام اور جہلاء ان مجالس

بدعت اور محافل عرس میں محض اس لیے جاتے ہیں کہ وہاں انہیں اچھے خاصے ذائقے میسر آجاتے ہیں۔ وہاں کھانے پینے کی رونقیں لگتی ہیں۔ اور دیکھنے دکھانے کے لیے ہر رنگ کے جلوس اور سزے اور طے طانے کے کھلے مواقع اور سزے میسر آ جاتے ہیں۔ دینی دہلیسیوں اور رونقوں کی اچھی خاصی بہار ہوتی ہے اور نام بھر بھی دین کا جل رہا ہوتا ہے کہ جو روکے یا ٹوکے فوراً بند مہب کا نام پائے یا سارے حالات کو دیکھ کر آنکھ پھڑپھڑالے اور خاموشی سے گزر جاتے۔

### مسجدوں میں خاموشی اور خشیت کا سماں

اس کے بالمقابل مسجدوں اور عبادت خانوں میں کیا رکھا ہوتا ہے۔ خاموشی اور خشیت کے سوا وہاں کچھ نظر نہیں آتا مومنین "اولئک ماکان لہم ان یدخلوہا الا خائفین" کے جلد میں وہاں داخل ہوتے ہیں اور وہاں کوئی سامان چمک نظر نہیں آ رہا ہوتا۔ سوا دھڑکن آئے۔ اکثریت ادھر ہی بھاگتی ہے اور بڑی تیزی سے الہی حدود کو بھانڈتی چلی جاتی ہے، یقین نہ آئے تو بڑی بڑی درگاہوں کے عرسوں میں جا کر خود دیکھ لیں، ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔

فان كنت لا تدري فتلک مصیبة

وان كنت تدري فالمصیبة اعظم

بریلوی جب ان مجالس سے لوٹتے ہیں تو رستے میں ان کی زبان پر یہ چرچے ہوتے ہیں سبحان اللہ بڑی رونق تھی، بڑی بہار تھی، کھانے پینے کو بہت کچھ تھا، بڑے مزے تھے، نئے پڑانے سب اشترا خوب ملے اور بار بار ملے بس دماغی ہوس۔

### ⑤ رونق والے اعمال ایمان کا تقاضا پورا نہیں کرتے

رونق والے اعمال کچھ ایسے بھی ہیں جو بجائے خود جائز ہیں بدعت نہیں لیکن چونکہ ان کے بحالانے میں نفس انسانی خود ایک غلام محسوس کرتا ہے اس لیے وہ ان اعمال کے برابر نہیں لانے جاسکتے

جن کچے پیچھے صرف روح ایمان کا فرما ہوتی ہے اور امتی صرف اتباع رسول کے جذبہ سے انہیں عمل میں لاتا ہے۔ حاجیوں کو پانی پلانا، کھانا پکڑا دینا نیک اعمال سجائے خود جائز اور مندوب ہیں مگر ان میں کچھ رکھ رکھاؤ اور کھانے پینے کی رونق بھی ہے جو نفس انسانی کو محفوظ کرتی ہے اس پر قرآن کریم کہتا ہے،

أَجَلْتُمْ سَقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كُنْ أَمِنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ  
وَجَاهِدْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْفُتْ عِنْدَ اللَّهِ. (شپا التوبہ ۱۹)

ترجمہ کیا تم نے ٹھہرا رکھا ہے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا بسانا اس کے برابر جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور لڑا اللہ کی راہ میں۔ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے اللہ کے ہاں۔

ایصالِ ثواب برحق ہے مگر اسے بدعات سے طوط کر کے مجلسوں کی جو رونق بنتی ہے اور اس کے لیے بڑے جاذب اجتماعات ہوتے ہیں اور اچھے بھلے گھروں کے کھاتے پیتے لوگ یہاں مسکین کے خیراتی کھانوں پر ٹوٹتے ہیں کہ مجال ہے کوئی فقیر ہاں رسائی پاسکے تو ایسے اعمال کب ان اعمال کی برابری پاسکتے ہیں جن کو اپنا بستر بھی خود اٹھاتا پڑتا ہے اور اللہ کی راہ میں اپنے خرچ پر نکلتا ہوتا ہے۔ یہ دونوں طرح کے کام بھی اللہ کے ہاں ایک درجے کے نہیں ہو سکتے۔

## بدعت کی لپک اور کشش

اہل بدعت ایسے جتنے اعمال کرتے ہیں اس اُمید میں کھو کر کہتے ہیں کہ آخرت میں انہیں ان کی جزائے لگی اور ان کے اعتقاد میں ان کی یہ طاعت اور نیاز حق ہوتی ہے۔ جنگجوں کے سادھو اور پہاڑوں کے راہب اس اُمید میں دُنیا چھوڑتے ہیں کہ وہ خدا کو راضی کر پائیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے ہوتے کہ وہ دُنیا اور آخرت دونوں کے گھائے میں جا رہے ہیں۔ خدا ان خود ساختہ اعمالِ طاعت سے کبھی راضی نہیں ہوتا۔

الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيهِمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُحْسِنُونَ

صنعاً (پ: الکہف ع ۱۲)

ترجمہ جن کی کوشش دنیا میں ہی نہ گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بنا رہے ہیں  
(آخرت کے لیے) اپنے کام۔

مفسر بنیادی ان لوگوں کی مثال میں عیسائی راہبوں کو پیش کرتا ہے۔

كالرهبانية فانهم خسروا دنياهم و اخروهم و هم يحسدون انهم  
يحنون صنعاً العجبهم و اعتقادهم انهم على الحق۔

ترجمہ جیسے رہبانیت کے لوگ جو اپنی دنیا میں بھی اور اپنی آخرت میں بھی گھائے ہیں  
ہی ہے اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب نیکیاں بنا رہے ہیں اس میں وہ خوش ہیں اور  
یہی ان کا عقیدہ ہے کہ وہ حق پر ہیں اور ان کے ان عملوں سے خدا خوش ہو رہا ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے وفي الآية اشارة الى اهل الاهواء و البدع۔ اور آگے لکھا ہے۔

وان هؤلاء القوم يبتدون في العقائد و يراؤن بالاعمال فلا يعود  
وبال البدعة و الرياء الا اليهم۔

ترجمہ یہ لوگ اپنے عقائد میں متنبہ نہیں بناتے ہیں (پہلے پیغمبروں کے طریقے پر نہیں آتے)  
اور اعمال میں بھی وہ ریاکار ہیں۔ سو ان کی بدعات اور ریا کا وبال خود انہی پر  
پڑے گا۔ دین حق کا وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

## اہل بدعت کے مختلف طبقات

ان اہل بدعت میں وہ بھی ہیں جنہوں نے وہ دین جو سب انبیاء سے ایک چلا آرہا تھا اسے  
بدلا۔ تو تیسرے و رسالت اور آخرت دین کے بنیادی اصول ہیں۔ انہوں نے تو جس کی سبائے تثلیث رست

کی بجائے خدا کا بیٹا اور نجات آخرت کے لیے شریعت کی بجائے صلیب مسیح کی راہ تجویز کی گویا پورا دین بدل ڈالا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب حضرت خاتم النبیین آئے تو آپ نے قوموں کو پھر اسی دین پر لوٹایا جو پہلے سب انبیاء کی مشترکہ اساس تھا اور آپ کو کہنا پڑا کہ میں کسی نئی قسم کا رسول نہیں ہوں اسی طرح کا ایک پیغمبر ہوں جیسے پہلے پیغمبر آتے رہے ہیں میری رسالت کسی عہدی نوع کی نہیں ہے قرآن کریم میں ہے ۔

قل ما كنت بدعا من الرسل۔ (پ: الاحقاف ع ۱)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں میں کوئی نیا رسول نہیں آیا۔

سوعیسائی ایسے اہل بدعت بنے جن کی بدعت انہیں کفر تک لے گئی۔ ہندو ایسے اہل بدعت ہوئے جن کی بدعت انہیں کھلے شرک تک لے آئی۔ وہ اپنے مندروں میں بتوں کو لے آئے کہ یہ خدا کی عبادت میں ہمارے وسیلہ ہیں یہ بت جن بزرگوں کے نام پر بنے ہیں وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں گے۔ ایک بڑے خدا پر اعتقاد رکھتے ہوئے اعتقاد سے انہوں نے مندروں میں بت لایکھے اور اس الحاد نے انہیں عقیدہ توحید سے کلیتہً محروم کر دیا۔ گو وہ لاکھ کہتے رہیں کہ ہم ایک خدا کو مانتے ہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کی عقیدہ توحید میں بدعات انہیں کفر تک لے گئی ہیں۔

## بدعت فی العقائد کے مجرم

پھر ان اہل بدعت میں وہ بھی ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر بدعت فی العقائد میں وہ بھی کفر کی سرحدوں کو چھوڑ رہے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو انسان کو خود اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو گناہ کبیرہ کے ترکیب کو کافر کہتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو موجودہ قرآن کو محرف اور بدل سمجھتے ہیں اور اسے مخلوق جانتے ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو انبیاء و اولیاء میں خدا کا اترنا مانتے ہیں اور بر ملا اپنا یہ عقیدہ بیان کرتے ہیں۔

جو مستولای عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا وہ دین میں مصطفیٰ ہو کر

یہ سب طبقے بدعت فی العقائد کے مجرم ہیں اور انہیں معتزلہ و خوارج اور شیعہ اور علویہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن جو آیت ہم نے پہلے ذکر کی ہے اس میں ان کے اعمال ضائع ہو جانے کا بیان ہے۔ اب بدعت فی الاعمال کے متنبین بھی اسی کھاتے میں آتے ہیں۔

الَّذِينَ ضَلَّ سَبِيلُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُجِيبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ

صَنَعًا. (پٹا، الکہف)

یہ سب مجرم اسی آیت کے ذیل میں آتے ہیں جن کی کوششیں یہیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ اب اگر کوئی شخص یا طبقہ اہل سنت بھی کہلائے اور اس کے عقائد معتزلہ و خوارج اور شیعہ و علویہ کے سے بھی نہ ہوں پھر بھی اگر وہ ایسے اعمال طاعت کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے نہیں کئے تو وہ بھی اس ذیل میں آجاتا ہے کہ وہ لوگ دنیا میں ایسے اعمال کرتے رہے کہ انہیں امید تھی کہ آخرت میں وہ ان کا صلہ پائیں گے مگر وہ ان کے اعمال یہیں رو گئے اور آگے نہ جاسکے۔

## بدعت فی الاعمال کے رسیا

یہ لوگ بدعت فی الاعمال کے مجرم ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان کے اعمال سنت اور صحابہؓ کے پہلے میں نہ ڈھلے تھے۔ یہ ان کی اپنی گھڑی برقی بدعات تھیں۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسے لوگوں کو صریح لفظوں میں بدعتی فرمایا۔ آپ نے ایک مسجد میں لوگوں کو بلند آواز سے ذکر کرتے سنا۔ ان لوگوں نے اجتماع بس اسی ذکر کے لیے کر رکھا تھا۔ آپ نے انہیں مسجد سے نکال دیا۔

## صحیح اعمال طاعت میں اپنے التزامات

آگے بدعت کی ایک اور قسم ہے کہ اعمال کے دُھاپنے تو وہی ہوں جو پہلوں سے ہمیں ملے ہیں لیکن ان کا رکھ رکھاؤ اور ظاہری اہتمام پہلے سے کچھ بدل جائے اور اس پر صحابہؓ کا عمل ثابت نہ

ہو۔ مثلاً مسجد کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے دہر میں عام طور پر گھر پر بھی جاتی تھی اب اگر اسے اعلان و اہتمام کے ساتھ مسجد میں پڑھا جانے لگا اور یہ کبھی کبھار کی بات بھی نہ ہو تو کیا یہ ایک نیا عمل نہ سمجھا جائے گا؟ کے معلوم نہیں کہ چاشت کی نماز (صلوۃ الضحیٰ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن لوگوں نے جب اسے مسجد میں اہتمام سے پڑھنا شروع کیا تو سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کے بدعت ہونے کا فتوے دیا۔ امام المفسرین حضرت مجاہدؒ ایک دفعہ حضرت عروہ بن الزبیرؓ کے ساتھ مسجد میں گئے تو وہاں کیا دیکھا کہ ایک بڑا اجتماع ہے اور لوگ چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد میں حضرت ام المؤمنینؓ کے حجرہ کی طرف بیٹھے تھے ہم نے ان سے اس اہتمام سے مسجد میں نماز چاشت پڑھنے کے بارے میں پوچھا۔

والتاس یصلون الضحیٰ فی المسجد فسالناہ عن صلواتہما فقال بدعة۔

ترجمہ۔ لوگ مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے ہم نے آپ سے ان کی اس نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔

### نئے انتظامات سے اصل بھی باقی نہیں رہتی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس نماز کو عدم صلوۃ کے تحت شمار نہ فرمایا کیونکہ یہ نماز جس خاص اہتمام اور شان سے پڑھی جا رہی تھی اس کا ثبوت تفصیلاً درکار تھا۔ یہ نہیں کہ بات تو اس اہتمام کی ہو رہی ہو اور اس پر مطلق نماز پڑھنے کے دلائل پیش کر دیئے جائیں، حضرت علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) نے اس اصول کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے۔

ان الاصل اذا ثبت فی الجملة لایلزم اثباتہ فی التفصیل فاذا ثبت

مطلق الصلوۃ لایصح منه اثبات الظہن والعصر والوتر او

غیر ما حقی ینص علیہ علی الخصوص بلہ

ترجمہ: اصل جب اجمالی طور پر ثابت ہو جائے تو اس سے اس کی تفصیل ثابت نہیں ہوتی، سو جب مطلق نماز کا ثبوت ملے تو اس سے نماز ظہر یا عصر ثابت کرنا یا نماز وتر وغیرہ ثابت کرنا نہ ہو سکے گا یہاں تک کہ اس خاص مسئلے پر کوئی خاص دلیل وارد ہو۔

## اجمال کا ثبوت تفصیل کے دعوے کو مفید نہیں

آپ نے عام طور پر دیکھا ہو گا کہ جب بریلی علماء سے دعا بعد نماز جنازہ کا حوالہ پوچھا جائے تو وہ مسئلہ کا تفصیل سے جواب دینے کی بجائے مطلق دعا کی آیتیں اور حدیثیں پڑھنی شروع کر دیتے ہیں اور اس خاص وقت (نماز جنازہ کے بعد) کی دعا پر حوالہ پیش نہ کر سکنے کی اپنی کمزوری کو ان عہدومات کے تحت چھپانے کی سعی کرتے ہیں اور یہ بات ان سے چھپی نہیں ہوتی کہ سوال مطلق دعا کا نہیں ہو رہا، ان سے اس خاص وقت میں اس خاص بہتیت سے جماعت کے ساتھ دعا کرنے کا حوالہ پوچھا جا رہا ہے جو ان کے پاس کوئی نہیں ہے۔

کے تہ نہیں کہ تہجد کی نماز شریعت میں ایک اپنا مقام رکھتی ہے مگر اسے بھی مسجد میں جماعت کے ساتھ قائم کرنا اور اس کے لیے اہتمام کرنا جائز نہیں۔ حضرت امام ربانی رحمہ اللہ ثانیؒ لکھتے ہیں:-

نماز تہجد را بجماعت مے گزارند۔ از اطراف و جوارب دلال وقت مردم از بلانے  
نماز تہجد جمع مے گردند و بجمیعہ تمام ادا مے نمازند و این عمل مکروہ است،  
بکراہت تحریمہ بلہ

ترجمہ: نماز تہجد کو یہ لوگ جماعت سے ادا کرتے ہیں اطراف و جوارب سے لوگ اس وقت تہجد کی نماز کے لیے آتے ہیں اور پورے اطمینان سے نماز پڑھتے ہیں یہ عمل



مکرہ تحریمی ہے۔

## اعمال کی شکلیں پہلی سی مگر اعتقاد اور ہو

اس سے آگے بدعت کا ایک اور بھی انداز ہے کہ اعمال کے ڈھلچنے اور ظاہری شکلیں تو وہی ہوں جو ہمیں پہلوں سے ملے ہیں لیکن ان کے ساتھ وہ انخاص و اعتقاد نہ ہو جو پہلوں کا تھا یہ اس میں محض ایک دکھاوے اور رونق کے لیے شامل ہو رہے ہوں۔ اب ان کے یہ اعمال بھی جو اپنی اصل میں ثابت تھے اسی فرق نیت سے بدعت بن جائیں گے۔

ان کے ڈھانچے کو وہی رہے مگر اندر وہ روح نہیں رہی جو انہیں سنت کا نام دینے سے روکتی تھی۔ اب یہ ریاکار کسی درجے میں اہل سنت کہلانے کے مستحق نہیں۔ یہ اہل بدعت کی کمزور ترین نوع ہے۔

ریا کار کے نیک اعمال ہرگز آگے نہ جاسکیں گے۔ اہل بدعت اور اہل ریا بس ایک انجام کو جا پہنچے اور حق یہ ہے کہ بدعت میں خود ریاکاری چھپی ہوتی ہے۔ آپ تفسیر روح البیان کی یہ عبارت پڑھ آئے ہیں :-

ان هؤلاء القوم یبتدعون فی العقائد ویؤدون بالاعمال فلا یعود وبال  
المبدعة والریا الا الیہ بعد

ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں جو عقائد میں نئی نئی راہوں پر آہنکے اور یہ ان کے دکھاوے کے اعمال ہیں سو بدعت اور ریا کا وبال خود انہی پر پڑتا ہے

## قرآن پاک کی رو سے ضائع ہونے والے اعمال

ہم اب وہ پُردی آیت پھلی آیات کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جس کے تحت صاحب روح البیان نے مذکورہ بالا بات کہی ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
وِزْنًا (پ: الکہف)

ترجمہ۔ آپ کہیں کیا میں تمہیں ان کی بات بناؤں جن کا کیا ہوا اکارت ہو گیا یہ وہ  
لوگ ہیں جن کی کوششیں بس یہیں دھری رہ گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ نیکیوں  
کے کام کر رہے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی نشانیں اور اس سے ملنے  
کے منکر ہوئے سو ان کے اعمال برباد گئے ہم انہیں قیامت کے دن (ترادیں)  
کوئی وزن نہ دیں گے۔

## رفع تعاض

وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ اعمال اس نیت سے بجا  
لاتے ہیں کہ آخرت میں انہیں ان کا صلہ ملے گا مفسرین بھی یہاں ایسا ہی لکھا ہے۔  
یعنی یعملون عملاً ینفعہم فی الآخرة۔

ترجمہ۔ آیت میں مراد یہ ہے کہ وہ یہ عمل (اس خیال سے) کرتے رہے کہ یہ انہیں  
آخرت میں نفع دیں گے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھنے والے لوگ تھے اور وہ مانتے تھے کہ  
ایک دن انہیں خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ امام فخر الدین رازی (۷۶۰ھ) بھی لکھتے ہیں۔  
والاصل ان یقال ہوا الذی یأتی بالاعمال یظنہا طاعات وہی فی انفسہا  
معاصی وان کانت طاعات لکنہا لا تقبل منہم لاجل کفرہم فاولئک

انما اتوا بثلک الاعمال لوجاء الثواب ۛ

ترجمہ۔ بات یہ ہے کہ وہ لوگ یہ اعمال اس گمان میں کرتے تھے کہ یہ نیکیاں ہیں اور وہ کام اپنی ذات میں گناہ تھے اور اگر وہ نیکیاں بھی ہوں لیکن وہ ان کے کفر کے باعث لائق قبول نہ تھیں۔ سو یہ وہ لوگ ہیں جو ثواب کی امید پر یہ اعمال کرتے رہے شیعہ مفسرین علامہ عیاشی اور طبری لکھتے ہیں کہ ابن کرام نے حضرت علیؑ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس کے جملہ کفر و ابلیات و جمع کے بارے میں فرمایا۔

اولئک اهل الکتاب کفروا بہم وابتعدوا فی دینہم فخطت اعمالہم و  
اہل النہر منہم ببعید ۛ

ترجمہ۔ اس سے مراد اہل کتاب ہیں جنہوں نے اپنے رب کی کتاب کا انکار کیا اور اپنے دین میں بدعات پیدا کر لیں۔ ان کے نیک اعمال ضائع گئے اور خوارق بھی ان لوگوں سے کچھ زیادہ دور نہیں رہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ بعثت اور آخرت کے منکوم نہ تھے۔

اس کے ساتھ دوسری آیت الذین کفروا بأیات ربہم ولقاءہ بتانی ہے کہ وہ خدا کی آیات کے منکوم تھے اور معاد کے قائل نہ تھے۔ سو یہ کلمے کافروں کا بیان ہے۔ ان لوگوں کا بیان نہیں جو دین حق کو مان کہ پھر اس میں بدعت کی راہیں نکالتے ہیں۔ اس ظاہری تقاض کو رفع کرنے کے لیے مفسرین نے دوسری آیت میں تاویل کی ہے کہ یہاں یہ کفروا بآیات ربہم سے مراد معاد اور آخرت کا کھلا انکار نہیں۔ آیات الہیہ کے ان دلائل کو پس پشت کرنا ہے جو ابدی سچائی کا پتہ دیتے ہیں۔ حبطلت اعمالہم بھی اسی کا قرینہ ہے کیونکہ منکومین بعثت کے اعمال نے تو وجود ہی نہ چکا تھا۔ یہاں ان اہل بدعت کا بیان ہے جن کے اعمال میں سنت کے موافق نہ ہونے کے باعث

وزن نہ آسکا۔ ممکنین معاد کا تو کوئی عمل (آخرت کے لیے) وجود میں ہی نہیں آتا۔ وہ کوئی کام اس اُمید سے نہیں کرتے کہ یہ عمل ہو گے ان کے کام آئے گا۔ سو یہاں کفر و ابایات دہم سے (آخرت کے) کھلے معکرماد نہیں ہیں۔

حضرت مصعب بن سعد (۱۰۳ھ) نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم (۵۵ھ) سے دریافت کیا کہ اس آیت میں خوارج کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہود و نصاریٰ مراد میں۔ یہ دونوں بشت اور آخرت کے متکون نہ تھے۔

یہود و نصاریٰ اور خوارج میں سے کوئی بھی خدا اور آخرت و معاد کا معکرماد نہیں۔ یہ سوال و جواب بتاتا ہے کہ یہاں کفر و ابایات دہم و فائدہ کو اس کے ظاہر پر نہیں رکھا گیا، بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیات الہی کے ان دلائل کو دل میں جگہ نہ دیتے تھے جن سے حق کا چہرہ کھرتا ہے اور بس یہی ان کا کفر تھا۔

امام بخاریؒ کتاب التفسیر میں نقل کرتے ہیں:-

عن مصعب قال سألت ابی قال هل ننبئکم بالآخرین اعمالهم  
المحروسیة قال لا هم الیہود والنصارىؑ

ترجمہ: حضرت مصعب سے مروی ہے کہ میں نے اپنے باپ سے اس آیت کے متعلق پوچھا کیا اس میں خارجیوں کا حکم بیان کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں یہاں یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؑ اور فضیل بن عیاض (۱۰۳ھ) سے روایت ہے کہ اس آیت میں خوارج کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

خوارج کو اپنے عملوں پر ناز تھا اور ان کے عملوں کا یہ ظاہری رکھ رکھاؤ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی میں بھی منقول ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے بیٹے ابو سلمہ اور عمار بن یزیدؓ

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور خوارج کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

يُخْرَجُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَتَحَقَّرُونَ صَلَواتَكُمْ مَعَ صَلَواتِهِمْ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمُوتُونَ مِنَ الدِّينِ مَكْرُوقٍ السَّمِيعُ مِنَ الرَّمِيَةِ ۞

ترجمہ: اس امت میں ایک گروہ ہوگا کہ تم ان کی نمازوں کو دیکھ کر اپنی نمازوں کو کمزور سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کی جھجھکے سے آگے نہ بڑھے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو چھید کر آگے نکل جاتا ہے۔

## خوارج

یہ لوگ پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ کے گروہ میں شامل تھے پھر جنگ صفین کے آفریں انہوں نے تحکیم کے موضوع پر حضرت علیؓ سے اختلاف کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت شیعان علیؓ (آپ کے ساتھی) آپ کو مامور من الشرائع نہ سمجھتے تھے۔ ورنہ قدم قدم پر وہ آپ سے اختلاف نہ کرتے جب یہ لوگ حضرت علیؓ سے علیحدہ ہوئے تو یہ خارجی کہلائے۔ یہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے خلاف تھے اور دونوں کو کافر کہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اعمال کا ظاہری اہتمام ان کے ہاں بہت تھا۔ خارجیوں کا یہ تعارف نہیں کہ وہ صرف حضرت علی مرتضیٰؓ کو برا کہتے ہوں بلکہ حضرت معاویہؓ کو بھی وہ بلا برکافر سمجھتے تھے اور وہ صرف اپنے اعمال پر نازاں تھے۔ سو صرف حضرت علیؓ کو برا کہنے والے خارجی نہیں ماصی ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں اعمال کی ظاہری شان و شوکت کو اسی مقام پر زد کیا گیا ہے۔ سو حضرت علی مرتضیٰؓ کے نزدیک اس آیت کا مصداق یہی لوگ ہیں جو اپنے اعمال کے ظاہری رکھ رکھاؤ میں کھو گئے اور سمجھتے

رہے کہ وہ ان اعمال کی جزا آخرت میں پالیں گے۔ یہ لوگ حقیقت میں آیات الہی کے ان دلائل کے منکر تھے جو قرآن کریم مومنین کے دلوں میں بٹھانا چاہتا ہے۔  
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مشقی (۴، ۴، ۴) لکھتے ہیں:-

وقال علی بن ابی طالب والضحاک وغیر واحد هم المحرورية ومعنی هذا عن علی ان هذه الآية الکرمية تشتمل المحرورية كما تشتمل اليهود والنصارى لانها انزلت فی هؤلاء علی الخصوص وانما هی عامة فی کل من عبد الله علی غیر طریقة مرضیة بحسب انّه مصیب فیها وان عمله مقبول وهو مخطئ وعمله مردود بل

ترجمہ: حضرت علی، حضرت ضحاک اور دوسرے کئی مفسرین نے اس سے خوارج ہی مراد لیے ہیں اور حضرت علیؑ سے اس آیت شریفہ کا یہی مفہوم منقول ہے کہ یہ بات جس طرح یہود و نصاریٰ کو شامل ہے غار جیوں کو بھی شامل ہے۔ آپ کی یہ مراد نہیں کہ یہ آیت خاص خوارج کے متعلق اُتری ہے یہ آیت ہر اس شخص کو عام ہے جو اللہ کی عبادت اس کے بتائے طریقے پر نہ کرے (اپنے طریقے گھڑے) اور سمجھے کہ وہ درست کر رہا ہے اور اس کا یہ عمل مقبول ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ خطا کا ہے اور اس کا یہ (بدعت کا) عمل مردود ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

محدث عبد الرزاق روایت کرتے ہیں ابن الکواہ نے حضرت علیؑ سے پوچھا بالآخرین اعمال سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ویکل منہم اهل حرو ساء (تجھے کیا ہوا یہ خوارج ہیں جن کے اعمال ضائع ہوئے) اس کے بعد ہے:-

والعلل هذا والسبب في سوال المصعب اياه عن ذلك وليس الذم قاله

على بيعه لان اللفظ يتناول له وان كان السبب مخصوصا به

اس کے بعد ابن الجوزی سے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔

انهم تعبدوا على غير اصل فابتدعوا الخس والاعمار والاعمال

ترجمہ۔ ان لوگوں نے اصل بنیاد کے خلاف بندگی کی بدعات گھڑ لیں اور اپنی عمروں

اور اپنے اعمال کو گھانا دیا۔

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہاں ان لوگوں کے اعمال مَرُود بتائے

گئے ہیں جو انہیں اسی اُمید سے بجالاتے ہیں کہ یہ آخرت میں ان کے کام آئیں گے مگر وہ ان کے کام

پیمانہ سنت کے مطابق نہیں ہوتے، بدعات ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ آخرت کے

ترازو میں ان اعمال میں کوئی وزن نہ آئے گا۔

اس دنیا میں چیزوں میں وزن کشش زمین سے آتا ہے جتنی کوئی چیز زمین سے دُور ہوتی ہے

اس کا وزن کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مقام پر جا کر چیزیں اپنا وزن چھوڑ دیتی ہیں، انہت میں

اعمال میں وزن اُن کے موافق سنت ہونے کی بناء پر ہوگا اور جو اعمال حضور اور صحابہ کی موافقت میں

میں نہ ہوں گے ان میں کوئی وزن نہ آ پائے گا۔

## اعمال کی مختلف قسمیں

### ① اعمال دُنیا

یہ وہ کام ہیں جو انسان دُنیا کے لیے کرتا ہے جیسے تجارت، زراعت، ملازمت، صنعت،

صنعت اور ضروری وغیرہ ان کے صلہ اور جزاء کی اسے یہیں امید ہوتی ہے کہ نہ آخرت میں — نہ آخرت

لہ فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۱۱ لہ ایضاً

کے لیے اس نے یہ کلام کہ نہ آخرت میں ان کے صلے کی اسے کوئی امید بندھی تھی یہاں کے یہ اعمال بس یہیں کے لیے کیے گئے اور وہ یہیں رہ جاتے ہیں آگے نہیں جلتے۔

## ② اعمال آخرت

یہ وہ کام ہیں جن کے صلے کی انسان کو آخرت میں اُمید لگی ہوتی ہے۔ وہ اسی امید میں نیکیوں پر نیکیاں کرتا چلا جاتا ہے کہ ایک دن آئے گا جب وہ ان نیکیوں کی جزاء پالے گا۔ آخرت کے لیے کیے گئے یہ اعمال پھر دو قسم کے ہیں۔

### ①— بدعات

یہ وہ اعمال ہیں جو حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کے پیما نہ عمل میں کبھی نہ آئے تھے بلکہ لوگوں نے خود بنالیے۔ اور امید پھر بھی ہے کہ یہ آخرت میں ان کے کام آئیں گے۔

### ②— اعمال طاعات

یہ وہ اعمال ہیں جو حضورؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقے کے مطابق کئے گئے۔ اعمال گویا تین قسم کے ہوئے۔

① ایک وہ جن کی محنت یہاں اور صلہ بھی یہاں ملے گا یہ اعمال دنیا ہیں۔

② دوسرے وہ جن کی محنت یہاں (دنیا میں) اور جزاء و صلہ وہاں (آخرت میں ملے گا) یہ اعمال طاعت ہیں جو پیما نہ سنت کے مطابق کیے گئے۔

③ تیسرے وہ اعمال ہیں جن کی محنت یہاں نگران کی جزاء نہ یہاں نہ وہاں۔ یہاں اس لیے نہیں کہ وہ کئے ہی آخرت کے لیے گئے تھے اور وہاں (آخرت میں) اس لیے نہیں کہ وہ اعمال پیما نہ سنت پر پورے نہ اُترے۔ نہ وہ صحابہؓ کے سانچے میں ڈھلے تھے بدعت کی تعلیم نے انہیں اٹھنے ہی نہ دیا تھا۔ اللہ رب العزت کے حضورؐ تو پاک کلمے ہی اوپر اٹھتے ہیں نہ کہ ضد سے اختیار کی گئیں بدعات اور اللہ کے شورو نغے۔



الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح ینفعہ۔ (پک: فاطمہ ۲)

ترجمہ۔ اسی کی طرف چڑھتا ہے پاک کلام اور کلام نیک اس کو اُٹھا لیتا ہے۔

یعنی صرف نیک باتیں اللہ رب العزت کی طرف بڑھتی ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ جو سنت کے مطابق ہوں، انہیں اٹھنے میں سہارا دیتے ہیں۔ سو بدعت کے اعمال بس صرف یہیں کے یہیں رہ جائیں گے آگے نہ جاسکیں گے اور اہل بدعت بس یہیں ہاتھ ملتے رہیں گے۔ انہی کا حال یہاں بیان کیا گیا ہے۔

الذین ضلّ سعيهم في الحياة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعاً۔ (پک: الکہف ع ۱۲)

ترجمہ۔ وہ لوگ جن کی کوششیں یہیں دھری کی دھری رہ گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ نیکیاں بنا رہے ہیں۔

جو عمل پیمانہ سنت پر نہ ٹھہرا ہو اور اسے کاربیر اور نیکی سمجھ کر کیا جائے اس کا ثمر آخرت میں اندھیرے کے سوا اور کچھ نہ ہو گا یہ نور سنت ہے جس کی چمک اس جہان کی سرحدوں سے آگے بھی روشنی دے گی۔

اسلام دین کامل ہے اور پیمانہ سنت پر بنی پیدا ہونے والی دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اصول البریہ ہے۔ ہمیں کہیں ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں — حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کے بعد نہ کسی نئے نبی کی آمد ہے نہ انتظار — سو اس دین میں کسی اضافے کی گنجائش نہیں۔ نہ اس میں کسی کمی کا کوئی احتمال ہے جس نے بھی اس دین میں کوئی نئی بات داخل کی تو اس میں سے نہ جی تو اس کا یہ عمل مردود ہے۔ آپ خود فرما گئے۔

من احدث فی امرنا هذا مالس منه فمرد۔

جو شخص دین کی کوئی بات کرتا ہے جو دین کی نہیں مالس منہ اس پر پوری طرح منطبق ہے تو کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر افتراء نہیں کیا؟ دین کی بات تو اللہ تعالیٰ سے ہی نسبت رکھتی ہے تو اپنی

طرف سے کوئی دین کی بات بتانا اللہ اور اس کے رسولِ برحق پر اقرار کرنا ہے۔

ولا تقولوا لما تصف السنتكم الكذب هذا حلال وهذا احرام لتفتروا  
على الله الكذب. (پکا: الخلع ع)

ترجمہ۔ اور نہ کہو اپنی زبانوں کے بھوٹ بنانے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔ یہ تو  
اللہ تعالیٰ پر اقرارِ باندھنا ہوا۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

ویدخل فی هذا کل من ابتدع بدعة لیس له فیہا مستند شرعی لہ  
ترجمہ۔ اور اس حکم میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے کوئی بدعت گھڑی ہے جس کے  
لیے کوئی سند شرعی (دلیل ہر یا نظیر) موجود نہیں۔

## من احدث فی امرنا هذا میں احداث عام ہے

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ میں احداث مطلق ہے وہ ذاتِ شئی کا ہو یا  
وصفِ شئی کا۔ اور وہ احداث بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ — سب کا ایک حکم ہے اور وہ یہ ہے  
کہ وہ عمل مردود ہے کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا کبھی قبولیت نہ پائے گا۔  
اگر ذاتِ شئی میں احداث نہیں (مثلاً مساکین کو کھانا کھلانا یہ کوئی نئی بات نہیں) مگر  
وصف و قید میں احداث ہے جیسے کوئی خاص تاریخ، اعتقاد، مقرر کر لی اور اس میں زیادہ ثواب  
کا عقیدہ رکھ لیا تو وہ سارا عمل ایک شمار ہوگا۔ ذاتِ شئی اور وصفِ شئی میں فرق نہیں کیا  
جائے گا۔ اور یہ بات کسی صاحبِ علم سے مخفی نہیں کہ جائز اور ناجائز کا مرکب ناجائز ہی ہوتا  
ہے۔ حلال اور حرام کا محمول حرام ہی ٹھہرے گا۔

کسی میں بعض باتیں ایمان کی ہوں اور بعض کفر کی تو اسے کافر ہی سمجھا جائے گا۔ یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ ساتھ فیصد مسلمان ہے اور چالیس فیصد کافر۔ سو جو چند سنتوں پر عمل کرے اور چند بدعتوں پر بھی عمل پیرا ہو تو اسے بدعتی ہی کہیں گے سُنی نہ کہیں گے۔ مرکب لایحوز اور یحوز لایحوز ہی ہوتا ہے۔

### احداث ذات اور وصف دونوں میں ہوتا ہے

بریلوی احداث کو صرف ذات میں محدود کرتے ہیں اسے مطلق نہیں سمجھتے اسے وصف تک عام نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ مطلق ہے احداث ذاتِ شئی کا ہوا وصفِ شئی کا۔ یہ لفظ دونوں کو عام ہے۔ اذان۔ اپنی ذات میں احداث نہیں قبرستان میں دفن سے پہلے بطور عادت اذان دینا احداث ہے۔ بریلوی اسے بدعت نہ کہیں گے کیونکہ اذان اپنی ذات میں ثابت ہے۔ لیکن اہل سنت اسے بھی احداث میں داخل کریں گے۔ جو چیز وصفِ شئی میں کوئی تبدیلی لائے اور کوئی اسے نیکی سمجھے تو اس نے دین میں ایک نئی ایجاد کی۔

حالیں منہ میں بھی ما عام ہے جو ذاتِ شئی اور وصفِ شئی دونوں کو شامل ہے اہل بدعت اس کے عموم کو بڑی بے دردی سے توڑتے ہیں اور یہ شریعت میں ایک تغیر پیدا کرنا ہے۔ مولوی عبد السمیع رامپوری نے یہ راہ اپنی طرف سے نکالی ہے۔

اس نئی بات نکالی ہوئی کا مردود ہونا موقوف ہے اس بات پر کہ مخالف

ہو کتاب و سنت کے پس یہی جاہم نے دعویٰ کیا ہے۔

یہاں مخالف ہونے سے مولوی صاحب کی مراد یہ ہے کہ اس کے خلاف کتاب و سنت

کا حکم موجود ہو۔ مثلاً یہ کہ کوئی حدیث ہو کہ قبرستان میں دفن سے پہلے اذان نہ دی جائے۔

تب یہ قبرستان کی اذان بدعت ٹھہرے گی ورنہ یہ دفن کے وقت اذان دینا بدعت نہ ہوگا، کیونکہ اس کے مخالف کوئی آیت یا حدیث موجود نہیں ہے۔ بریلوی علماء عام کہتے ہیں گے کہ اس سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا۔

اگر یہ لوگ یہاں بخلاف سے اس کا کتاب و سنت میں موجود نہ ہونا مراد لیتے جو لفظ غیر کا تقاضا تھا تو بے شک یہ لوگ بدعت سے بچ جاتے۔ لیکن انہوں نے مخالف ہونے سے مراد اپنی ایک من گھڑت مراد لے لی کہ کتاب و سنت میں اصلاً یا فرعاً اس سے روکا نہ گیا ہو۔ حالانکہ حدیث میں تصریح موجود تھی کہ یہاں حدیث سے مراد غیر امر منقول ہے۔

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فہو رد قال ابن عیینہ قال  
النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صنع امرًا علی غیر امرنا فہو رد۔

ترجمہ جس نے ہمارے دین میں وہ کام کیا جو ہمارے کام کے علاوہ ہو  
(کتاب و سنت میں مذکور نہ ہو) تو وہ عمل مردود ٹھہرے گا۔

بریلوی لوگ اکثر یہاں لفظ مخالف کو بھی عام رکھتے کہ یہ شریعت کے کسی حکم کے خلاف ہو نہ اس کے علاوہ ہو تو وہ ہرگز اس دلدل میں نہ گھرتے کہ یہاں گرتے تو کئی دیکھے گئے لیکن اس سے نکلنے کی توفیق کسی خوش نصیب کو ہی ملی ہے۔

### جو عمل کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو اس کا حکم

جو عمل کتاب و سنت کے کہیں خلاف نہ ہو اور کتاب و سنت میں کہیں ماذون بھی نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ اگر اس پر عمل کرنے کی اجازت سمجھی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے اس کا حکم کتاب و سنت کی رو سے کیا ہوگا اس کا حکم دریافت کیا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ ہم دین میں

کتاب و سنت کو ہی ضابطہ حیات سمجھتے ہیں۔ فقہاء ایسے اعمال کو مباح کا درجہ دیتے ہیں جو نہ کتاب و سنت میں ممنوع ہو نہ ماذون۔

یہاں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ اس مباح پر عمل اسے نیکی سمجھ کر کیا جائے گا یا صرف بایں عقیدہ کہ اس میں ہم پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اگر اسے ایک نیکی سمجھ کر کیا جائے گا تو یہ مباح نہ رہا مستحب ہو گیا اور ظاہر ہے کہ کسی عمل کو مستحب کا درجہ دینا کتاب و سنت سے ہی ہو سکتا ہے اپنے خیال سے نہیں نہ اسے اسی بنیاد پر اختیار کیا جاسکتا ہے کہ شریعت نے کہیں اس سے منع تو نہیں کیا۔

اگر ہم نے مباح کو سنت یا مستحب ٹھہرایا تو یہ یقیناً شریعت میں ایک عمل کے وصف کو بدلنا ہے مباح کو مستحب یا سنت کے درجہ میں لانا ہے اور یہ من احدث فی امرنا هذا مالیں منہ کی زد میں آئے گا اور یہی احدث ہے جس کو حدیث مردود ٹھہراتی ہے — مباح کے ساتھ سنت کا سا معاملہ کرنا یا شریعت کے کسی مطلق حکم کو اپنی طرف سے عقیدہ کرنا یا کسی عقیدہ کو مطلق کرنا یہ سب شریعت میں اپنا دخل دینا ہے جو کسی کے لیے جائز نہیں۔

## کیا ہم کسی دوسرے مذہب سے تشبہ کی زد میں تو نہیں آ رہے

اگر ہم کوئی ایسا عمل اختیار کریں جو کتاب و سنت میں نہ ممنوع ہو نہ ماذون اور ہم اس پر اسے مباح سمجھ کر عمل کریں تو اگر اس کی کسی بات میں کسی دوسرے مذہب سے مشابہت ٹھہرے تو اب وہ عمل مباح بھی نہ ٹھہرے گا ممنوع کے دائرہ میں آجائے گا کیونکہ شریعت نے ہمیں دوسری قوموں کے امتیازی کاموں میں (ان کے شعار میں) ان کی مشابہت سے روکا ہے اب یہ تشبہ اسے مالیں منہ میں داخل کر دے گا۔ اب یہ عمل مباح درجے میں نہ رہا۔ چہ جائیکہ اسے مستحب ٹھہرایا جائے اور شیعوں کے جلوس تعزیت کی طرح بارہ وفات کے جلوس نکالے جائیں۔

## کسی عمل کو مستحب یا واجب سمجھنے میں عوام کی سمجھ کا اعتبار ہوگا

جن لوگوں میں وہ عمل چل نکلے جو کتاب و سنت کی رو سے صرف مباح تھا نہ اس کا حکم تھا اور نہ اس سے منع کیا گیا تھا اور وہ اسے ضروری سمجھنے لگیں بلکہ جو نہ کرے اسے گنہگار سمجھیں تو یہ مباح کو واجب کے درجہ میں لے جانا قرار دیا جائے گا اور اس میں عوام کی سمجھ کا اعتبار ہوگا کہ وہ اسے کیا سمجھتے ہیں یہ نہیں کہ ان کے ترجمان ان کے علماء بنیں جمہوری قدریں عوامی حلقوں سے معلوم ہوتی ہیں۔ کسی عمل کو اپنے درجہ سے اوپر لے جانا دین میں ایک نئی بات پیدا کرنا ہے جو ذاتاً نہ سہی کسی عمل کی بہتیت بدلنے سے ہو۔

جس چیز کا کتاب و سنت میں حکم نہیں دیا گیا اسے کتاب و سنت کی رو سے ضروری سمجھنا کیا کتاب و سنت پر ایک انقراء نہیں؟ یہ دین میں احداث ہے اور کتاب و سنت کے حکم کو دکہ یہ عمل مباح ہے اس کے درجہ سے بدلنا ہے یہاں نفس عمل کو نہیں دیکھا جائے گا اسے جو درجہ دیا جا رہا ہے اسے بھی ساتھ دیکھا جائے گا۔ بدعت صرف ذاتِ شئی کی ایجاد سے نہیں بنتی وصفِ شئی بدلنے سے بھی حکم بدل جاتا ہے اور انسان بدعت کی دلدل میں جاگرتا ہے۔ مالیں منہ کے عموم میں جس طرح وہ چیز آتی ہے جو ذاتاً پہلے نہ تھی وہ بھی آتی ہے جو وصفاً پہلے نہ تھی گو اپنی ذات میں پہلے موجود تھی مگر اس بہتیت اور درجہ میں نہ تھی اس پر عمل کرنے والے کو عوام میں مگر اسے واجب اور لازم کا درجہ دے رہے ہوں علماء کے کہنے سے کہ گیارہویں صرف ایک مباح عمل ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا اسے عوام میں مستحب اور سنت کے پیرایہ میں رائج نہیں رکھا جاسکتا وہ اسے ایک کارِ غیر سمجھتے ہیں صرف مباح نہیں سمجھتے۔

کسی عمل کو کارِ غیر سمجھنا شریعت کا حق ہے یہ حق عوام کو نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اسے اس

طرح بجا لائیں کہ یہ ان کے ہاں فرض اور واجب سے بھی بڑھ جائے۔

## کسی مستحب کو واجب کے درجے میں لے جانا جائز نہیں

مباح سنت واجب اور فرض یہ سب شرعی درجات ہیں کسی چیز کے مستحب سنت اور واجب ہونے کا پتہ آپ کو شریعت سے ہی ملے گا۔ کتاب و سنت ہی اصل ماخذ علم ہیں۔ اسی طرح مکروہ اور حرام ہونا بھی شرعی درجہ کے حکم ہیں۔ البتہ مباح وہ چیز ہے جو نہ کتاب و سنت میں ماذون ہے نہ ممنوع۔ اس پر عمل کرے تو کوئی ثواب نہیں اسے ترک کر دے تو کوئی گناہ نہیں۔ اسے نیکی سمجھ کر عمل میں نہیں لایا جاتا۔ اسے صرف ایک جائز عمل سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ مباح امر مستحب میں ہی جوہری فرق ہے۔ کسی شخص کا جاپان جاپان جانا مباح ہے مگر اسے کارِ ثواب سمجھ کر کوئی نہیں کرتا۔

مستحب کو اصرار سے واجب کے درجہ میں لانا اور پھر اسے حق و باطل کا نشان بنانا یہ غلط ہے اور ایک شیطانی قدم ہے۔ صحابہؓ کے ہاں اسے اضلالِ شیطان کہا جاتا تھا۔ واجب امر مستحب کو جس کی اصل شریعت میں موجود ہوتی ہے اپنے درجہ سے اوپر نہیں ٹھہرایا جاسکتا تو امر مباح کو جس کی شرع میں سرے سے کوئی اصل نہیں واجب اور لازم کے درجہ میں لے کر اکیسے درجے سمجھا جاسکتا ہے۔

ذکر و ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک امر مستحب تھا اور یہ ہر مہر و مومن کے دل میں رہتا ہے لیکن ساتویں صدی ہجری میں اسے ایک امر اجتماعی کی شکل دی گئی اور اسے ایک بادشاہ نے ایک جشن کے طور پر منایا۔ عمرو بن دحیہ کے سوا کسی عالم نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ آٹھویں صدی کے علماء کھل کر اس مسئلہ کو سامنے لائے کہ کسی مباح یا مندوب کو اس کے درجہ سے اوپر نہیں لایا جاسکتا اور امت کے کسی عالم کو ایسا کرنے کا حق نہیں دیا جاسکتا۔

## کسی جائز عمل کو اپنے درجہ سے اوپر کے درجہ میں لے آنا

ہم یہاں علامہ ابراہیم حلبی (۳۵ھ) علامہ طیبی (۴۳ھ) نزیں صدی کے حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۱ھ) اور دسویں صدی کے علامہ ابن نجیم (۹۶۹ھ) علامہ طاہر فتنی (۹۸۲ھ) اور طاعلی قاری (۱۰۱۴ھ) کی چھ شہادتیں آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ یہ سب حضرات اس پر تباہت متفق رہے کہ شریعت کے کسی حکم کو اپنے درجہ سے اوپر نہیں لایا جاسکتا۔

۱۔ حضرت علامہ حلبی لکھتے ہیں :-

وما يفعل عقيب الصلوة فمكروه لان الجمال يقتدره سنة او  
واجبه وكل مباح يؤدى اليه فمكروه

ترجمہ۔ اور جو نمازوں کے بعد (ذکر بالجہر) کیا جاتا ہے یہ مکروہ ہے عوام اسے سنت یا واجب سمجھنے لگے ہیں اور ہر مباح جو اس طرف لے جائے مباح نہ رہے گا مکروہ ہو جائے گا۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ کسی عمل کو اپنے درجہ سے اوپر لے جانے میں عوام کی سمجھ کا اعتبار ہو گا خواص کی بات کا نہیں۔

۲۔ علامہ طیبی لکھتے ہیں :-

ان من اصر على امر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة نقد  
اصاب منه الشيطان من الضلال فكيف من اصر على بدعة و  
منكروا جاع في حديث ابن مسعود ان الله عز وجل يحب ان تؤتى



رخصہ کما یحب ان توفی عزائمہ۔<sup>۱</sup>

ترجمہ جس نے کسی مستحب کام کو بہت اہتمام سے کیا اور اسے عزیمت جانا اور اس کے رخصت کے پہلو کو کبھی نہ لیا تو شیطان اسے بچانے میں کامیاب ہو گیا اس کا حال کیا ہو گا جو کسی بدعت اور منکر پر اس طرح اڑا رہا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے کہ اس کی دُشمنوں پر بھی عمل ہو جیسا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے عزیمت ٹھہرائے اعمال عمل میں لائے جائیں۔

۳۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-

قال ابن المنیر ان المندوبات قد تنقلب مکروہات اذا دفعت عن مرتبتها لان الیقین من مستحب فی کل شیء من امور العبادۃ لکن لما خشی ابن مسعودؓ ان یفقد اد وجوبہ اشار الی کراہیتہ۔<sup>۲</sup>

ترجمہ مندوبات کبھی مکروہات بن جاتے ہیں کب؟ جب انہیں ان کے مرتبہ سے اٹھایا جائے عبادت کی ہر بات میں دائیں امر کو اختیار کرنا مستحب تھا لیکن جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اندیشہ ہوا کہ لوگ دائیں طرف مڑنے کو واجب سمجھنے لگیں گے انہوں نے اس کے مکروہ ہونے کی بات کہہ دی۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایسے امور میں عوام کی سمجھ کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ وہ اسے کیا سمجھتے ہیں خواص کے کہنے سے بات نہیں بنتی۔

۴۔ علامہ ابن نجیم (البرہینۃ الثانی) بھی یہی کہتے ہیں :-

دیلزم ان ما تردد بین بدعتہ و واجب اصطلاحی فانہ یتراک کالسنۃ۔<sup>۳</sup>

ترجمہ جب کسی مسئلے میں بدعت اور واجب شرعی ہونے کا اختلاف ہو تو

ضروری ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے جیسا کہ سنت کے باب میں یہ حل اختیار کیا گیا تھا۔

۵۔ علامہ طاہر فتفی بھی کہتے ہیں :-

واستنبط منه ان المندوب ينقلب مكرها اذا خيف ان يرفع عن مرتبة<sup>۱</sup> ترجمہ اس سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ مستحب بھی کبھی مکروہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کب؟ جب اندیشہ ہو کہ اسے اس کے مقام اٹھا کر رکھا جائے گا۔ محدث کبیر طاعی قاری بھی کہتے ہیں :-

والبدعة ولو كانت مستحسنة لا يترتب علی ترکها شیء من ذلك<sup>۲</sup> ترجمہ بدعت حسنہ ہو تو اس کے ترک پر کوئی مواخذہ مرتب نہ ہوگا۔

سنت اور واجب کے ترک پر مواخذہ یقیناً ہوتا ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ کسی مباح کو سنت اور واجب کے درجہ میں نہیں لے جایا جاسکتا اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ اس میں عوام کی سمجھ کا اعتبار کیا جائے گا کہ وہ اسے کسی درجہ میں لینے لگے ہیں۔ اب ساتویں شہادت علامہ شامی کی بھی لے لیجئے۔ آپ کہتے ہیں :-

اذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجعاً علی فعل بدعة<sup>۳</sup>۔

ترجمہ جب اس میں تردد ہو کہ یہ عمل سنت ہے یا بدعت تو ترک سنت کو از کتاب بدعت پر راجع کیا جائے گا۔

یعنی یہاں ترک سنت پر وہ مواخذہ نہ ہوگا جو بدعت کو اختیار کرنے پر ہوگا سو احتیاط اسی میں ہے کہ ایسے مواقع پر اس عمل کو چھوڑ دیا جائے جس کے بدعت ہونے کا کچھ بھی احتمال سے بدعت کا وبال اتنا بڑا ہو جھ ہے کہ اس سے بچنا ہی چاہیے مگر اس کے لیے کسی زیر تردد سنت کو چھوڑنا پڑے۔ اہل السنۃ والجماعہ کا یہ مسلک علامہ شامی کے اس فتویٰ سے آپ کے سامنے آ گیا ہے۔

## دورِ اول کے ترک بھی ان کے نہ کرنے کی سند میں

اگر یہ بات واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا تو اب ان کے اس نہ کرنے سے بھی اس کے انکار پر سند لانا جائز ہو گا بشرطِ میں جس طرح مسلمانوں کے لیے اس وقت عمل کی سند سنائے گئے دورِ اول کے ترک بھی سند سمجھے جائیں گے۔ دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی القاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:-

والتابعة كما تكون في الفعل تكون في الترك ايضا فمن واجب علي فعل لم يفعله  
الشارع فهو مبتدع۔<sup>۱</sup>

ترجمہ۔ اور پیروی جس طرح کسی کام کے کرنے میں ہوتی ہے اسی طرح کسی کام کے نہ کیے جانے میں بھی پیروی ہوتی ہے سو جو شخص کسی کام کو انتہام سے کرے اور حضورؐ نے ایسا نہ کیا ہو تو وہ بدعتی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

قال الامام الشاطبي الفعل منه صلى الله عليه وسلم دليل على مطلق الاذن  
فيه ما لم يدل دليل على غيره من قول او قرينة حال او غيرها واما الترك  
فمنحله في الاصل غير الماذون فيه وهو المكروه والممنوع فتكرهه عليه الصلوة  
والتسلام والى مرجوحية الفعل وهو اما مطلقا واما في حال۔<sup>۲</sup>

ترجمہ۔ امام شاطبیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا کسی کام کو کرنا اس کے مطلق جائز ہونے کی دلیل ہے جب تک کہ اس کے سوا کسی دوسری بات پر آپ کے قول، تقریبہ حال یا کسی اور پیرائے سے دلیل وارد نہ ہو لیکن آپ کا کسی کام کو نہ کرنا یہ اصل میں اس کے جائز نہ ہونے کے محل میں ہے اور وہ مکروہ اور ممنوع ٹھہرے گا آپ کا اسے نہ کرنا بلا تائید ہے کہ اس

کانہ ہونا بہتر ہے یہ مطلقاً ناجائز ہو یا کسی موقع اجائز ہو بلت وہی ہے۔

## دورِ اول کے ترک سے منع پر استدلال

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات نماز (تہجد اور وتر) پڑھتے رہتے پڑھنے پر آپ صبح کی دُستوں سے سو اچھ نہ پڑھتے تھے۔ آپ کو نفل نماز کا بہت شوق رہتا تھا لیکن اس خاص وقت میں آپ نے کوئی اور نفل نماز نہ پڑھی فقہائے احناف نے آپ کے اس نہ پڑھنے سے پڑھنے کے منع ہونے پر استدلال کیا ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

ويكروه ان يتنفل بعد طلوع الفجر باكثر من ركعتي الفجر لانه عليه السلام لم يزد عليهما مع حرصه على المصلاة .

ترجمہ۔ فجر ہو جائے تو صرف دو سنتیں ہیں اس وقت اور نفل نماز مکروہ ہے کیونکہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سنتوں کے سوا اور کچھ نہیں پڑھا حالانکہ آپ کو نماز پڑھنا کتنا مرغوب تھا۔

یہ جنسی فقہ کا حضورؐ کے ایک عمل نہ کرنے سے استدلال ہے اور بات بڑی واضح ہے۔

② عید گاہ میں نماز عید سے پہلے کتنا کھلا وقت ہوتا ہے اس میں نفل نماز سے اس لیے روکا گیا کہ آنحضرتؐ نے ایسا نہیں کیا سو آپ کا اسے ترک کرنا اس کے منع ہونے پر دلیل ہو گیا۔

ولا يتنفل في المصلي قبل صلاة العيد لان النبي صلى الله عليه وسلم لم يفعل ذلك مع حرصه على الصلاة .

ترجمہ۔ اور نماز عید کے بعد عید گاہ میں نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے کبھی ایسا نہ کیا حالانکہ آپ کو نماز پڑھنا بہت مرغوب تھا۔

کچھ لوگوں نے رجب کی ایک خاص نماز صلوٰۃ الرغائب کے نام سے وضع کئی فقہاء احناف نے

ان بدعتوں کو اسی اصول پر اس بدعت سے منع کیا۔ علامہ ابراہیم حلبی (۹۵۶) شرح منیہ میں لکھتے ہیں:-

ان الصحابة والتابعین ومن بعدهم من الأئمة المجتہدین لم ينقل عنهم هاتان الصلواتان۔

ترجمہ صحابہ تابعین اور ان کے بعد جو ائمہ مجتہد گئے ان میں سے کسی سے یہ دو نمازیں منقول نہیں ہوئیں۔

ابو محمد المقدسی سے علامہ طروشی نے نقل کیا :-

لم یکن عندنا بیت المقدس صلوة الرغائب هذه التي نقلی فی رجب شعبان  
واول ما احدثت فی سنہ ثمان واربعین واربع مائة۔

ترجمہ ہمارے ہاں بیت المقدس میں صلوة الرغائب پڑھی نہ جاتی تھی جو رجب اور  
شعبان میں پڑھی جاتی ہے ۴۲۸ھ میں یہ سب سے پہلے پڑھی گئی۔

اب سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد کی بات بھی سن لیں۔ فقہائے احناف نے مل کر  
چاروں قل پڑھنے سے اس لیے روک رکھا ہے کہ صحابہ و تابعین سے ان کا اس طرح پڑھنا ثابت نہیں  
تھا۔ فتاویٰ عالمگیری میں اسی ترک پر اس کے منع کی بنیاد رکھی ہے :-

قراءة الكافرون الى الاخر مع الجمع مكرهه لانما بدعه لم تنقل عن الصحابة  
ولا عن التابعين رضي الله عنهم۔

ترجمہ سورۃ کافرون کو آخر کے تین قل سے ملا کر اکٹھے چار قل پڑھنا جائز نہیں یہ  
بدعت ہے صحابہ اور تابعینؓ میں سے کسی سے اس طرح پڑھنا ثابت نہیں۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں فقہ حنفی میں ملیں گی کہ جس پر ہم کتنے پہلے دور کے لوگوں کو نہیں پایا  
گیا اسے ہرگز اباحت عام کے تحت مباح نہ ٹھہرایا جائے۔ اہل بدعت کے اس خانہ اصول میں کہ جس حلیز  
پر منع وارد نہیں اسے نیکی سمجھ کر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ہرگز کوئی جان نہیں ہے یہ حذر کا اصول

جسکے شیاء میں سہوگہ اباحت رکھی جائے جب تک کہ اس کے لیے منع کا ثبوت نہ ہو۔

## دین خدا سے ملتا ہے یا اباحت سے بنتا ہے؟

دین خدا سے ملتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے پیغمبروں پر کھولتے ہیں وہ جو آگے بات کہتے ہیں سب خدا کی طرف سے سمجھی جاتی ہے شریعت اباحت عام سے نہیں بنتی کہ جس چیز کے لیے منع کا ثبوت نہ ہو اسے دین میں داخل کرتے جائیں اور لوگ اسے کارِ خیر سمجھ کر عمل میں لاتے رہیں ایسا ہرگز نہیں یہ تو شرکین کا عمل تھا۔ اباحت پرستوں نے اپنے معبودوں کو یونہی خدا کے ساتھ شریک کر لیا ہے۔

ام لھم شرکاء مشروعوا لھم من الدین ما لم یأذن بہ اللہ۔ (پچا شوری ۲۱)

ترجمہ کیا ان کے کچھ اور شریک (خداوندی) ہیں جنہیں انہوں نے اپنے لیے دین ٹھہرا لیا ہے جس کی خدا نے تو انہیں اسکی اجازت نہیں دی۔

معلوم ہوا دین ہے ہی وہ تو خدا سے آیا ہو چیز اس طرح Reported affair نہیں

وہ اس بنا پر دین نہیں بن سکتی کہ اس کی کہیں ممانعت تو نہیں ہے کیا ان بدعات کو ان شرکاء نے

دین ٹھہرا رکھا ہے۔ اگر خدا کی طرف سے یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ ان پر اصل عذاب موت کے بعد ہو گا کہ ان

خدا کے حکم کے بغیر شریعت بنانے والوں پر اسی بات سے عذاب اُنزاتا ہے کہ کس طرح اپنی خواہشات سے یہ نیا دین بنا رہے ہیں۔

ما نظر ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کہتے ہیں۔

ان الاصل فی العبادات التوقیف فلا یشرع منها الا ما شرعہ اللہ والادخلنا

فی معنی قوله تعالیٰ ام لھم شرکاء مشروعوا لھم من الدین ما لم یأذن بہ اللہ۔

(پچا شوری ۲۱)

ترجمہ عبادات میں اصل اس کا شرع میں ثابت ہونا ہے سو اس میں کوئی چیز جائز

نہیں مگر وہی جسے اللہ تعالیٰ نے جائز ٹھہرایا ہو ایسا نہ کریں تو ہم اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں داخل ہوں گے ”کیا انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں کہ راہ ڈالی انہوں نے ان کے لیے دین کی وہ جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا۔ ہر ایک کے لیے شریعت اور نیکی کی راہ خدا کی طرف سے قائم ہوئی ہے یہ کسی کے اپنے قاعدہ اباحت سے نہیں۔ قرآن کریم میں ہے :-

لِكُلِّ جَلَلًا مَنكَرَ شَرِيعَةٍ وَمِنْهَا جَاءَ (پہ المائدہ ۴۸)

ترجمہ ہمیں سے ہر ایک لیے ہم نے ایک طریقہ اور ایک منہاج قائم کیا ہے۔  
افسوس کہ بریلوی پھر یہیں تک محدود نہ رہے ان کے ہاں آگے جا کر یہ اعمال صرف جائز کی حدود میں مباح نہ رہے مستحب قرار دیئے گئے اور کارِ ثواب بن گئے۔

## بدعات کا اسلام میں کیا حکم ہے؟

اسلام میں بدعت کی کچھ گنجائش نہیں ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جانے والی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عمل مردود فرمایا ہے اب آپ ہی سوچیں کیا اس عمل مردود کے علمبردار منگ آنحضرت میں مردود نہ ٹھہریں گے؟ آنحضرت نے فرمایا :-

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فهو رد۔ ملے

جس شخص نے مجھ ہمارے اس دین میں نئی بات پیدا کی وہ بات مردود ہے۔  
معلوم ہوا جو نئی بات دین میں پیدا نہیں کی گئی جیسے سحلی کے پتکے اور گھڑیاں وغیرہ یہ چیزیں ہرگز مردود نہیں ہیں کیونکہ یہ دین میں پیدا کی گئی چیزیں نہیں ہیں۔ دنیوی ضرورت کی ایجادات ہیں۔ اور یہ ہر دور میں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تمدن کا ارتقاء ہے مسائل میں کوئی اضافہ نہیں۔

کاتخاذ المنافل للدقیق ففی الآثار اول شیء احدثه الناس بعد رسول الله  
اتخاذ المنافل به

ترجمہ جیسے اٹھانچا بننے کی چھانیاں اٹھانے سے پہلے چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کے بعد جو نیا عمل سامنے آیا وہ چھانیاں کا استعمال تھا۔  
جن چیزوں کی انسان کو ضرورت پڑتی ہے ان میں بدعت کی کوئی راہ نہیں۔ بدعت تعبدی  
امور میں قائم ہوتی ہے۔

ان العادیات من حیث ہی عادیۃ لا بدعة فیہا ومن حیث یتعبد بہا او  
توضع... وضع التعبدتہا خلافا للبدعة۔

ترجمہ عادات میں اختیار کی جانے والی چیزیں یا اس طرح کہ وہ عادت کی چیزیں ہیں ان  
میں کوئی بدعت نہیں کہ وہ تعبدی کا کام ہو تعبدی پہلو داخل کیا جائے تو یہ بھی بدعت میں آجائے گی  
ہمارے ذہن میں جو ارتقاء الیوم اکملت لکم دینکم کے نازل ہونے کے دن ہوا اس سے  
اوپر ہمارے لیے کوئی نقطہ ارتقاء نہیں ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا:-

من ابدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان معمداً اصلى الله علیه  
وسلم خان الرسالة لان الله تعالى يقول الیوم اکملت لکم دینکم والایة فما  
لعلیکن یومئذ دیناً فلا یمکون الیوم دیناً۔

ترجمہ جس نے اسلام میں کوئی بدعت قائم کی اور اسے وہ حسنہ سمجھا رہا اس نے  
گویا یہ گمان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) اللہ کا دین لوگوں  
تک پہنچانے میں خیانت کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے لیے  
تمہارا دین مکمل کر دیا سو جو چیز اس دن (جب دین مکمل ہوا) دین نہ تھی  
آج بھی دین نہیں بن سکتی۔



## کیا بدعت گناہ ہے؟ ہرگز نہیں

گناہ عمل کو کہتے ہیں بدعت صرف ایک عمل نہیں اس کے پیچھے اعتقاد کام کرتا ہے بدعتی وہ کام کرتے ہوئے اسے دین سمجھتا ہے اسے ایک وقتی لذت نہیں سمجھتا بخلاف گنہگار کے کہ وہ گناہ کہتے ہوئے اسے محض ایک وقتی لذت سمجھتا ہے سو اس اعتبار سے بدعت کوئی گناہ نہیں اس کا درجہ گناہ سے کچھ اوپر اور کفر سے کچھ نیچے ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (۷۵۰ھ) چشتی سلسلہ کے ایک بڑے بزرگ گزڑے ہیں آپ فرماتے ہیں:-

بدعت از صحت بالاتر است و کفر از بدعت بالاتر۔ بدعت بکفر نزدیک است۔  
ترجمہ: بدعت گناہ سے زیادہ بڑی چیز ہے اور کفر بدعت سے بھی اگلے درجے میں ہے بدعت کفر کے بہت قریب ہے۔

البتہ اثر کے لحاظ سے یہ کفر سے بھی زیادہ خطرناک منزل ہے۔ حضرت امام رازی لکھتے ہیں:-  
ضرر فساد مبتدع زیادہ از فساد صحبت کافر است۔  
ترجمہ: بدعتی کے عمل کا ضرر کافر کی صحبت کے اثر سے زیادہ بُرا ہے۔

## بدعتی حضور کی شفاعت سے محروم رہے گا

دوی انہ علیہ السلام قال حلت شفاعتی لامتی الا صاحب بدعة۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے میری شفاعت میری امت کے لیے ہو گی مگر بدعتی میری شفاعت کا مورد نہ ہو سکے گا۔

شفاعت کی روایات میں آپ کے امتیوں کو اس کا حقدار بتایا گیا ہے اور بدعتی بوجہ اپنی بدعات کے امت اجابت نہیں رہتا۔ کما فی المرقاة۔

## بدعتی کیا حضورؐ کی امت میں داخل رہتا ہے یا وہ امت سے نکل چکا

یہ صحیح ہے کہ بدعت فی الاعمال کا ترکیب اہل قبلہ سے نہیں نکلتا اور اس پر حکم کفر نہیں آتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت سے نکل جاتا ہے امت اجابت میں وہی رہتا ہے جو حضورؐ کی متابعت میں رہے بدعت پر چلنے والا حضورؐ کا تابع اور غلام کیسے رہا۔ بدعت سنت کے حکم میں نہیں آتی اور بدعتی اہل سنت میں سے نہیں رہتا۔ دسویں صدی کے محدث کبیر ملا علی القاریؒ (۱۱۱۴ھ) لکھتے ہیں:-

ففي التتبع المبتدع ليس من الامة على الاطلاق قال في التوضيح المراد بالامة المطلقة اهل السنة والجماعة وهم الذين طريقتهم كطريقة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ رضی اللہ عنہم ودون اهل البدع قال صاحب التلويح لان المبتدع وان كان من اهل القبلة فهو من امة الدعوة دون المتابعة كالکفار۔

ترجمہ: تتبع میں ہے مبتدع علی الاطلاق حضورؐ کی امت میں سے نہیں تو صریح میں ہے امت سے علی الاطلاق مراد اہل سنت والجماعہ ہیں اور وہ، وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق ہے اور یہ راہ اہل بدعت کی نہیں جس کا تذکرہ کہتے ہیں مبتدع اگرچہ اہل قبلہ میں سے ہے وہ امت دعوت میں سے ہے امت اجابت میں نہیں امت دعوت میں تو کافر بھی آجاتے ہیں۔

## بدعت اور بدعتی میں فرق

گناہ اور گناہگار میں فرق ہے مرض اور مریض میں فرق ہے مرض سے نفرت چاہیے مریض

سے نہیں ورنہ اس کا علاج کیسے ہو سکے گا۔ بدعت اور بدعتی میں کوئی فرق نہیں جتنی نفرت بدعت سے کرو اتنی نفرت بدعتی سے بھی چاہیے۔ سرکارِ اہلِ بدعت حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (د ۵) بدعتی کو اس درجہ بُرا سمجھتے تھے کہ اس کے بارے میں دس نصیحتیں فرمائیں۔

① اس سے ملنا جلنا نہ رکھو۔ ② اس کے جنازے میں شرکت نہ کرو۔

③ اس کو از خود سلام نہ کرو۔ ④ اس سے ناراضگی رکھو۔

⑤ اس کے پاس نہ بیٹھو۔ ⑥ اس کو پناہ نہ دو۔

⑦ اس کے پاس نہ جاؤ۔ ⑧ شفقت کا کلمہ اس کے حق میں کہو۔

⑨ عید پر اسے مبارک باد نہ کہو۔ ⑩ اُسے رستہ میں دیکھو تو وہ راہ چھوڑ دو۔

یہ حاصل ہے آپ کی ان نصیحتوں کا جو آپ نے غنیۃ الطالبین ص ۱۲۲ اور ص ۱۲۳ پر لکھی ہیں ان

کے مریض کی عیادت نہ کی جائے مگر جہاں سے مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت نہ کی جائے بلکہ

بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی

گنہگار کو گناہ سے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے مگر بدعتی کو بہت کم توبہ نصیب ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ گنہگار اسے گناہ سمجھ کر عمل میں لاتا مگر گناہ کی ایک لذت تھی جس کی وجہ سے وہ اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا لیکن ذہن میں وہ اسے بُرا سمجھتا تھا۔ اس کے برعکس بدعتی بدعت کو کارِ نیر سمجھ کر عمل میں لاتا ہے اس سے توبہ کا تصور بھی کبھی اس کے قریب نہیں پھٹکتا۔ یہ وہ پس منظر ہے جس سے بدعتی کو بہت کم توبہ نصیب ہوتی ہے۔

ان الله سخر التوبه على كل صاحب بدعة۔ لہ

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ بدعت کو توبہ سے روک رکھا ہے۔

(اسے یہ توفیق نہ ہوگی)

## بدعت کے سمجھنے کے پانچ مبادی

بدعت کی تعریف سے پہلے یہ پانچ امور ذہن میں رہیں تاکہ صحیح بات تک پہنچنے میں ہم خفائی الکدر اور غلط بحث سے بچ سکیں۔

① بدعت کی یہ بحث تمام طلب شرعی میں ہے۔ یہ لفظ اگر کہیں مخاطب لغوی میں استعمال ہوا ہو یا خطاب عرفی میں، تو اس سے ہمیں بچ کر ٹکنا ہو گا۔

② بدعت کا لفظ کس کے بالمقابل ہے؟ الاشیاء تعرف باضدادھا۔ یہ سنت کے بالمقابل ہے اور سنت سے مراد حضرت خاتم النبیینؐ اور خلفائے راشدینؓ کی سنت ہے۔

③ بدعت کا موضوع تعبدی امور ہیں یعنی وہ کام جو نیکی سمجھ کئے جاتے ہیں دنیوی ایجابات اس کا موضوع نہیں۔ جو انسان اپنی سہولت کے لیے بناتا اور استعمال کرتا ہے۔

④ بدعت کی حد صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ ان کے اپنے عمل بہادے لیے آفتاب رسالت کی ہی روشنی ہیں۔ ہر وہ کام جسے صحابہؓ نے نیکی نہیں سمجھا وہ نیکی نہیں ہو سکتا۔

⑤ بدعت کا تعلق مسائل سے ہے ذرائع سے نہیں۔ مسائل کے لیے نئے ذرائع حاصل ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم صحیح پڑھنا دین کا مسئلہ ہے۔ عجی لوگ قرآن کریم صحیح پڑھ سکیں ان کے لیے قرآن کے الفاظ پر زیریں زبریں لگانا مسائل میں سے نہیں ذرائع میں سے ہے۔ مدارس کا موجودہ نظام کلاسوں کی ترتیب یہ سب دینی تعلیم کے ذرائع میں سے ہیں خود مسائل نہیں۔

ان پانچ مباحث سے نکھر کر جو چیز بدعت ٹھہرے گی وہ بدعت شرعیہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ یہ واقعی دین میں ایک اضافہ ہے اور مسلمانوں کے ذمہ ہے ہر ایسے عمل کو مردود ٹھہرائیں اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

من احدث فی امرنا هذا مالس منه فمورد۔ او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم  
مالس منه — جو اس میں سے نہیں — دین میں سے نہیں — کے الفاظ توجہ طلب

ہیں یعنی گو وہ کام اس شکل میں شریعت میں موجود نہ ہو۔ لیکن اس کی اصل دین میں موجود ہو اور یہ کام اس سے مستنبط ہو یہ اس صورت میں بدعت شمار نہ ہوگا۔ بدعت شرعیہ وہ ہے جس کے لیے کتاب و سنت میں نہ کوئی دلیل ہو نہ کوئی نظیر ہو جس عمل کا مانع (نظیر بالمعنی الاعظم) شریعت میں موجود ہو وہ بدعت نہیں اور مجتہد کے لیے اس سے استنباط جائز ہے علامہ شاطبی (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:-

ليس من شأن العلماء اطلاق لفظ البدعة على الفروع المستنبطة التي  
لو تكن في ما سلف وان دقت مسائلها<sup>۱</sup>

ترجمہ علماء کو نہ چاہیے کہ وہ فقہی فروع کو جو کتاب و سنت سے مستفاد ہوں اور پہلے  
سے موجود نہ ہوں گو کتنی دقیق کیوں نہ ہوں بدعت کہیں۔

بدعت وہی ہے جس پر مالیس منہ کے الفاظ ٹھیک بیٹھ سکیں اور وہ چیز اصلاً اور استنباطاً  
کسی طرح دین میں سے نہ ہو۔ اجتہاد اور استنباط کتاب و سنت کی گہرائیوں سے صرف منظر میں مثبت  
نہیں مجتہد کی دقت نظر سے شریعت کے فروع صرف کھلتے ہیں ایجاد نہیں ہوتے۔ حضرت امام  
ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:-

اما القياس والاجتهاد فليس من البدعة في شيء فانه مظهر بمعنى النصوص  
لا مثبت امر<sup>۲</sup> واعد<sup>۳</sup>

ترجمہ قیاس اور استنباط کسی طرح بدعت نہیں کیونکہ وہ نصوص میں چھپے معنی کا مظہر ہے  
کسی نئی چیز کو ثابت نہیں کر دے۔

مجتہد کے استنباط کے بارے میں آپ صراحت سے لکھتے ہیں کہ یہ مالیس منہ کے  
قبیل سے نہیں ہے۔

۱۔ نفس ذکر ولادت مندوب ہے اس میں کراہت قیود کے سبب سے آئی ہے فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳

۲۔ الاعتصام جلد ۱ ص ۲۵ ۳۔ مکتوبات دفتر مکتور ۱۸۲ ۴۔ دیکھئے مکتوبات دفتر دوم ص ۲۶

## فقہی مذاہب بدعات کے ذیل میں نہیں آتے

فقہ کلاب و سنت کے اصولوں پر استنباط کیے گئے مسائل کا نام ہے سو ان کی اصل کتاب و سنت ہی رہے۔ اس وجہ سے ان پر مایوس مسئلہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد کے باعث آپس میں مختلف بھی رہیں اور ان کے فقہی مسائل مختلف ٹھہریں تو بھی ان میں سے ہر فیصلے پر عمل ہو سکے گا۔ اجتہاد سے صحیح نتیجہ پانے والے کو اللہ کے ہاں دو اجر ملیں گے اور جو صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکا اس کو بھی ایک اجر ضرور ملے گا۔ اجتہاد کے ان دو ذرا فیصلوں میں حق و باطل کا تقابل نہیں یہ صرف صواب اور غلط کا فاصلہ ہے۔ جو صحیح فیصلے پر نہ آئے وہ بالاجبی وجہ اجتہاد کتاب و سنت سے چٹھا ہوا ہی تسلیم کیا جائے گا صحابہؓ کے آپس میں اس درجے کے اختلافات تھے انہما اربعہ نے اپنے اختلافات صحابہؓ و تابعین سے دراثہ پاتے ہیں انہوں نے یہ اختلافات بنا کے نہیں۔ سو مذاہب کو در یبحث لانے سے پہلے صحابہؓ کے فردی اختلافات کو ضرور سمجھ لینا چاہیئے۔ اس سے مذاہب کا بوجھ ذہن میں کم ہو جاتا ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ اختلافات مذاہب بدعات کے ذیل میں نہیں آتے۔

جو چیز بدعت نہ ہو وہ بدعت کیسے بنتی ہے

① شریعت نے کسی عمل کو کسی اور عمل سے خاص کیا ہو جیسے اذان کو نماز سے یا نو مولود کے کان

سے — اب اگر کوئی شخص اسے ان مظان شرعیہ سے نکال کر اسے عام عبادت کے درجے میں لاتا ہے یا اس میں کوئی اضافہ کرتا ہے تو اب یہ عمل سنت نہ رہے گا بدعت ہو جائے گا۔

② اسلام کی کسی نیکی کو ایسے وقت سے خاص کر دینا جس کے لیے شریعت میں کوئی اصل وارد نہیں

اور یہ اس عمل کو اس وقت سے خاص کرنے والا مجتہد بھی نہیں کہ اس نے کسی دُور کی علت کو پالیا

ہو بلکہ مطلق مقصد ہے تو اس کا یہ عمل استنباط نہیں ایجاد سمجھا جائے گا۔ کیونکہ استنباط کرنا مجتہد کا کام تھا مای کے لیے صرف تقلید ہے۔ افسوس کہ بدعتی علماء یہ نہی مجتہد کا روپ دھار لیتے ہیں۔

### ۳) نیک اعمال ریاکارانہ طور پر سجالانا

ان اعمال کا صحیح حکم تو یہ ہے کہ یہ حرام ہیں قرآن شریف پڑھنا درود شریف پڑھنا نوافل پڑھنا اور ذکر و اذکار اگر محض دکھاوے کے لیے ہوں تو یہ عمل حرام ہیں لیکن ان دکھاوے کی مجلسوں اور پُرفتنی محفلوں کو اگر ساتھ دین بھی سمجھا جانے لگے تو یہ اعمال ساتھ بدعات بھی بن جائیں گے علماء نے اس سخت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میلاد اور آپ کے نسل و نسب کے بیان کو مستحب لکھا ہے لیکن اسے بھی اگر آپ کے یوم پیدائش سے خاص کیا جائے اور اسے بیان و عمل کی بجائے چراغاں کر کے منایا جائے تو اب یہ مستحب نہ رہے گا۔ (دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲۲ برہین قاطعہ ص)

### ۴) دین کے تقاضوں کو نئے حالات میں نئی شکل دینا

حالات مسائل پیدا کرتے ہیں مگر جواب پلٹی شریعت سے ہی لینا ہوتا ہے حضورؐ سے محبت شریعت کا ایک بنیادی تقاضا ہے کوئی شخص اس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک آپؐ کی محبت اس کے دل میں سب سے زیادہ نہ ہو لیکن اس اظہار محبت کے لیے اگر وہ ایسی باتیں نہاتا ہے جو صحابہؓ کے دور میں نہ تھیں (جیسے محفل میں مٹھائی رکھ کر کہنا کہ اب حضورؐ یہاں آگئے ہیں اور پھر چائیاں آپؐ کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہونا اور پھر پوری مجلس میں شور ہو جانا کہ حضورؐ تشریف لے آئے ہیں تو اس کی اظہار محبت کی یہ ادائیں اس نئی شکل میں ہرگز دین نہ بن سکیں گی بدعات سمجھی جائیں گی۔

### ۵) اپنے پیروں کے مشرب کو فتوے کے درجہ میں لینا

پیران کلام اپنے مریدوں کے روحانی امراض کو دور کرنے کے لیے اُن کے حسبِ حال کوئی عمل یا وظیفہ لازم ٹھہراتے ہیں یہ لازم کرنا بطور علاج ہوتا ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوتی۔ ان کے اس مشرب کو مذہب سمجھ لینا اور انہیں اس ترتیب اور تعین سے دین سمجھنا یہ اپنے پیروں کے عمل کو تشرعی حیثیت دینا ہے جب لوگ اپنے پیروں کے عمل کو امام ابوحنیفہؒ کے فیصلوں کے درجے میں لینے لگیں تو یہ بدعت کی حد شروع ہو جائے گی۔

حضرت کے وقت کی قائم شدہ سنتوں میں اگر کسی اضافے کی گنجائش ہے تو وہ صرف عمل راشدین ہے اور وہ بھی از خود نہیں۔ حضرت خاتم النبیینؐ کے کہنے سے امت کے لیے حجت اور سند بننا ہے اور حضورؐ کا کہنا خود اسلام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی اضافہ نہیں۔ ایک فریقہ عادلہ ہے جو عمل میں سنت قائمہ کا قیام ہے گو اس کی اصل آیت محکمہ اور سنت قائمہ میں موجود کیوں نہ ہو عمل میں وہ ان کے برابر کا ماننا ہے۔

ان تفصیلات سے آپ کے سامنے بدعت شرعیہ کی حقیقت کچھ واضح ہو گئی ہوگی لیکن نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس موضوع کو ان تین مختلف عنوانوں سے بھی سمجھنے کی کوشش کریں۔

### ① — نعمت البدعۃ ② — بدعت حسنہ ③ — بدعت شرعیہ

اس تقابل سے بدعت شرعیہ کی حقیقت اور کھل کر آپ کے سامنے آ جائے گی۔ دھوا المستعان وعلیہ التکلان۔

## ① نعمت البدعۃ کا مفہوم

”کی ہوتی سنتوں کو دوبارہ لانا یا زندہ کرنا — یہ حقیقت میں کوئی اضافہ نہیں۔ بات وہی ہے جو پہلے کبھی موجود تھی اسے پھر سے لانا کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ صرف صورتہ نئی بات ہے۔“  
مثال: حضورؐ نے تراویح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی اور پھر کسی مصلحت کے لیے چھوڑ دی صحابہ کرامؓ اپنے طور پر مسجد میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تراویح پڑھتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی ہوتی سنت کو (سب کا ایک جماعت سے تراویح پڑھنا) پھر سے قائم کر دیا۔ یہ کسی طرح بدعت نہیں۔ البتہ وقت کے لحاظ سے یہ ایک نئی بات ہے۔ جس جہت سے اسے نعمۃ البدعۃ کہہ سکتے ہیں تاہم شرعی حیثیت سے اسے سنت کہا جائے گا بدعت نہیں۔

نعمت البدعۃ کی ہوتی سنت کو دوبارہ قائم کرنے کا نام ہے پھر اس میں بھی حضرت شرکی



انتیاط ملاحظہ ہو کہ اس پر بھی صحابہ سے مشورہ کیا اور جب تک سب نے اس سے اتفاق نہیں کیا آپ نے اس کی سنت کو پھر سے قائم نہیں کیا جب سب نے اتفاق کر لیا تو اب اسے اجماع صحابہ کا درجہ بھی حاصل ہو گیا جو اپنی بگڑ خدعت ہے۔

ہاں جو چیز سرے سے موجود ہی نہ ہو نہ کسی نے پہلوں میں سے اسے کیا ہو اسے وجود میں لانا واقعی ایک اضافہ ہے اور اس کا دل دین میں اب کسی اضافے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

## ② بدعتِ حسنہ کا مفہوم

بدعتِ حسنہ بدعتِ سیئہ کا مقابل نقطہ ہے۔ اگر کسی جگہ کوئی بدعتِ سیئہ قائم ہو تو اسے ہٹا کر اس کی جگہ کسی اخف بدعت کو لے آنا بدعتِ حسنہ ہے۔ یہ اپنی ذات میں تو بدعت ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں لیکن اپنی مصطلت کے لحاظ سے یہ حسنہ ہے۔ کیونکہ اس نے ایک بُری بُرائی کو ختم کیا ہے یا کرنا ہے۔

مثال: مصر میں فاطمی خلفاء نے اذان میں اپنے لیے سلام کا اضافہ کر دیا تھا۔ مؤذن دو دفعہ کہتا: السلام علی الملک الظاہر۔ لوگ اس سے مانوس ہو چکے تھے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے جب ان پر فتح پائی تو اس نے اسے بدل کر السلام علی رسول اللہ کر دیا۔ تاکہ اس جملے کے خلاف کوئی پڑانے جملے کو پھر سے لانے کا خراب بھی نہ دیکھ سکے۔ سلطان نے نہ چاہا کہ اس بدعت کو یکسر ختم کر کے وہ وہاں کوئی شورش برپا کر لے۔ حضرت پر سلام اپنی ذات میں کوئی بُری بات نہ تھی۔ اسے اذان میں لے آنا صرف ایک وقتی مصطلت کے لیے تھا۔ ایک بدعتِ سیئہ کے خاتمہ کے لیے تھا اور جب وہ دور ابتلاہ جاتا رہا تو پھر اذان کو ہر سلام بدعت سے خالی کر لیا گیا اور اب وہی اذان رہ گئی جو حضرت بلا ل دیتے تھے بدعتِ حسنہ میں حسن اپنی ذات سے نہیں۔ محض اس کے تقابل کی وجہ سے آہستہ آہستہ بدعت کیا اور حسن کیا۔

## بزرگان دین کا بدعتِ حسنہ سے اجتناب

① بزرگان دین بدعتِ حسنہ سے بھی اسی طرح بچتے ہیں جس طرح بدعتِ شرعی سے یہ تو صرف جہاں کی رعایت کے لیے کچھ دیر چلنے دی جاتی ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے کچھ لوگ بڑے اہتمام سے مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے پیشرو مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں:-

آپ کی اس سے مراد بدعتِ حسنہ معنی ہے

اب دیکھئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کیا خود اس بدعتِ حسنہ میں شامل ہوئے؟ حضرت مجاہدؒ (۱۰۲ھ) فرماتے ہیں آپ ایک طرف حضرت امام المؤمنینؑ کے مجرم کے پاس بیٹھے رہے اور نماز چاشت پڑھنے والے اپنی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کا خود اس کا بغیر میں شامل نہ ہونا بتاتا ہے کہ اونچے درجے کے بزرگ بدعتِ حسنہ سے بھی ہمیشہ کنارہ کش رہے ہیں۔ حضرت امام زبانیؒ عبدالحق ثانیؒ فرماتے ہیں جب تک تم بدعتِ حسنہ سے بھی اسی طرح نہ بچے جیسے بدعتِ سیئہ سے بچا جاتا ہے۔ انسان کو رو عاقبت کی خوشبودار تک نصیب نہ ہوگی پھر یہی ایک روایت نہیں جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی عمل کو بدعتِ حسنہ کہا ہو۔ آپ نے ایک دفعہ اذان کے بعد کسی کو لوگوں کو نماز کے لیے بلاتے سنا۔ آپ نے اس تشریب کو کھلے طور پر بدعت فرمایا۔ آپ نے حضرت مجاہدؒ سے کہا مجھے یہاں سے لے چل۔ یہاں تو بدعت چل رہی ہے۔ آپ نے یوں فرمایا:-

اخرج بنا فان هذه بدعة.

ترجمہ: ہمیں یہاں سے لے چل کیونکہ یہ عمل بدعت ہے۔

اب کیا یہاں بھی بدعت سے بدعتِ حسنہ مراد ہوگی۔ ایسا بھی ہو تو کیا آپ اس بدعتِ حسنہ کے

قبول کرنے والے تھے یا اس سے نفرت کر کے وہاں سے نکل جانے والے ٹھہرے۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ کسی چیز کو بدعت کہیں تو آپ کے نزدیک وہ بدعت قابلِ اقتساب ہوتی ہے مولانا عبدالسمیع اسے بدعتِ حسنہ ٹھہراتے رہیں تو یہ ان کے من کی بات ہے۔ اہل علم تو اسے ہرگز قبول نہ کریں گے۔ ہاں کوئی بات اگر تعلیمات پر تو یا دہونے تک وہ حسنہ ہے بعد ازاں نہیں۔

(۲) حضرت امام ربانی مجددِ ملت ثانیؒ بھی بدعتِ حسنہ سے اقتساب کی تلقین فرماتے ہیں آپ کہتے ہیں فقیر کسی بدعت میں حسن نہیں دیکھتا نہ اس میں کسی قسم کی نورانیت محسوس کرتا ہے۔ فوراً صرف سنت میں ہے اور بدعت میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اگر کوئی کام سنت سمجھ کر کیا جائے اور وہ سنت کے پیمانے میں نہ دھلا ہو اور کام کرنے والا اسے ثواب کا کام سمجھ کر کر رہا ہے تو وہ یقیناً بدعت ہے۔

### (۳) بدعتِ شرعیہ

یہ وہ کام ہے جسے شریعت نے بدعت ٹھہرایا ہے۔ بدعت کے بارے میں احادیث کی وارد تمام وعیدیں سب اسی بدعت پر وارد ہوئی ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے:-  
وہ کام جو کتاب و سنت میں نہ ہو اور نہ اسے کبھی صحابہؓ نے کیا ہو اسے دین کا کام سمجھ کر کرنا اور کارِ ثواب سمجھنا یہ بدعتِ شرعیہ ہے۔

① — دنیوی کام اور نئی نئی دنیوی ایجادات سب اس سے نکل گئے۔ انہیں کوئی دین سمجھ کر نہیں کرتا۔

② — مسجدوں میں گھڑی اور پچھلے لگانا ایک ضرورت ہے دین نہیں۔ یہ ذرائع ہیں مسائل نہیں۔

③ — مدارس میں نصاب کی تقسیم کلاسوں کی ترتیب۔ دورہ حدیث اور امتحانات یہ سب امور ذرائع میں سے ہیں خود دین نہیں۔

④ — وقت کے قومی ملی اور دینی تقاضوں کے لیے مجالس و اجتماعات بھی ذرائع میں سے ہیں خود دین نہیں۔ دین آج سے چودہ سو سال پہلے سے مکمل ہو چکا ہے اس میں کبھی کوئی اضافہ نہ ہو سکے گا۔

اگر کسی کام پر منع وارد ہوئی ہو تو وہ منفعات میں سے ہے بدعات میں سے نہیں۔ بدعات وہ ہیں جن پر بنیائے کی مصلحت میں کہیں منع وارد نہ ہوئی ہو اور نہ کرنے والا انہیں دین سمجھ کر عمل میں لاتا ہو۔ اس میں کوئی دینی مصلحت بھی نہ ملتی ہو۔ جیسے قرآن شریف پر زبیر بن عوفؓ نے ڈالنا کہ کوئی تعبدی امور میں سے نہیں مگر اس دینی مصلحت سے کہ عجمی لوگ قرآن پاک کو صحیح پڑھ سکیں۔ ہمارے ممالک میں قرآن شریف پر زبیر بن عوفؓ لگا دی ہیں۔ سو یہ ایک وقتی مصلحت کوئی بدعت شرعی نہیں جسے دین سمجھ کر عمل میں لایا جا رہا ہو۔ یہ بدعت شرعیہ نہیں ہے۔ مدارس میں نصاب کی ترتیب بھی ذرائع میں سے ہے مسائل اور مقاصد میں سے نہیں ہے۔ سو اس پر بھی بدعت کا لفظ نہیں آ سکتا۔

### تعبدی امور میں نقل موجود ہونا ضروری ہے

تعبدی امور میں نقل مل جائے تو وہ بدعت نہ رہے گی جو امور پہلوں سے ثابت نہ ہوں تو اگر ان پر عمل کرنے والا انہیں دین سمجھ کر عمل میں لا رہا ہے تو وہ بدعت ہوں گے۔ وہ کام جنہیں دین سمجھ کر عمل میں لایا جائے اور انسان ان پر عبادت کے پیرایہ میں عمل کرے انہیں تعبدی امور کہا جاتا ہے۔ عبادت کا پہلا تصور خدا کی ذات سے ہے۔ نماز روزہ اس کی تصدیق ہیں عبادت کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔

اسلام میں اللہ تعالیٰ کے تمام نام جمیع اسماء الہیہ جن کا زبان پر لانا عبادت ہے تو قیفی ہیں یعنی اوپر سے منقول ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ برحق سے ثابت ہیں۔ کوئی شخص اپنی طرف سے اللہ کا کوئی نام نہیں رکھ سکتا جب تمام اسماء الہیہ تو قیفی ہیں تو اسلام کا تمام نظام عبادات تو قیفی ہو گا۔ ایک ایک تعبدی امر ضروری ہے کہ تو قیفی ہو جس کام کو بھی دین سمجھ کر کریں اس کا اوپر سے منقول ہونا ضروری ٹھہرے گا۔ سو اسلام میں سب عبادات (جنہیں دین سمجھ کر کیا جائے) تو قیفی ہیں اور اپنی طرف سے نیکی سمجھ کر گھڑے گئے اعمال بدعت ہیں۔

### دنیوی امور میں پہلے سے عمل ہونا ضروری نہیں

دنیوی امور میں اصل اباحت ہے تعبدی امور میں اصل ان کا حضورؐ اور صحابہؓ سے منقول ہونا

ہے۔ دنیوی احمد میں سہاری مرضی ادا اختیار چل سکتے ہیں لیکن عقبی احمد میں توقیف شرط ہے۔ دنیوی احمد میں نظر فرسست پر ہوتی ہے۔ عقبی احمد میں نظر ثواب پر ہوتی ہے۔ دنیوی احمد جائز اور ناجائز میں ممانعت ہے۔ عقبی احمد طاعات اور بدعات دونوں طرح کے ہر سکتے ہیں طاعات کے عمل میں لانے والے اہل سنت کہلاتے ہیں گے اور بدعات پر عمل کرنے والے اہل بدعت شمار ہوں گے۔

## مولانا احمد رضا خاں کا دین و مذہب

مولانا احمد رضا خاں نے ستر مرگ پر اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ شریعت کا اتباع حتی الامکان کریں گھمیرے دین و مذہب کو ہر فرض سے بڑا فرض مانتیں۔ مولانا احمد رضا خاں کا وہ خاص دین و مذہب کیا تھا جس کی وہ آخوند نمک اس اہتمام سے وصیت کرتے رہے؟ وہ یہ کہ جن کاموں پر شریعت میں منع وارد نہیں دین کا حکم ہے اور دین سے منع کیا گیا ہے، وہ سب کام نیکی سمجھ کر کرنے جائز ہیں مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:-

۱۔ مجلس میلاد ۲۰۔ قیام ۲۰۔ فاتحہ ۴۰۔ وغیرہ سب مسائل اسی اصل سے طے ہو جاتے ہیں۔

خان صاحب نے یہاں کھلے طور پر اعتراف کر لیا ہے کہ ان مسائل میں ان کے پاس صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کی نقل نہیں ہیں اور حدیث و فقہ میں ان کی کوئی رسالت نہیں ملتی۔ اب ان مسائل کے لیے ہم بریلویوں کے پاس صرف ہی ایک راہ ہے کہ ان سے کہیں منع نہیں کیا گیا۔ اب انہیں دین سمجھ کر ان پر عمل کرنا جائز ہے۔ اس اصل سے استخراج کرتے ہوئے مفتی احمد یار خاں گجراتی لکھتے ہیں:-

بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا (اس کے) جائز ہونے کی علامت ہے۔

پھر آگے جا کر یہ صرف جائز کی حدود تک نہیں کارِ ثواب بھی بن گیا۔ حالانکہ کسی عمل پر مستحب یا کافیر ہونے کا حکم صرف شریعت لگا سکتی ہے ہم اپنی طرف سے کسی کام کو شریعت کا کام نہیں بنا سکتے تو دیکھنے مفتی صاحب اس میں کتنے جبری ہیں اور کیسے مترشح الفاظ میں اس کا کارِ ثواب ہونا ثابت کرتے ہیں۔

(میلاد شریف) اس لیے (جائز) کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا اور ہر ملک کے عام

بریلویوں نے بدعات کا یہ دسواں اضافہ اتنا وسیع کر دیا ہے کہ بدعات کے بڑے بڑے چمکڑے اس سے آسانی گزر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس مذہب کو یہ عنوان دے رکھا ہے کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے گو وہ تعبدی امر ہے یا کیدوں نہ ہوں جو منع کرے اسے کہہ کر منع کی دلیل لاؤ۔ اگر وہ دلیل نہ لا سکے تو بس اس ایک اصل سے جملہ بدعات جائز ہو جائیں گی جن امور پر شرع میں کوئی منع وارد نہیں ہم انہیں دین سمجھ کر ان پر عمل کر سکتے ہیں۔ آئیے ہم پہلے اس اصل کی کچھ وضاحت کر دیں تاکہ اس بریلوی مورچے کی بُری حقیقت آپ کے سامنے کھل سکے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس اصول پر بحث کریں ضروری ہے کہ پہلے اباحت کا معنی اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ علامہ ابن ہمام الاسکندری اپنی اصول فقہ کی کتاب تحریر میں لکھتے ہیں :-

الاباحة بمعنى عدم العقاب على الاثتان بما لم يوجب له محرم ولا مبدع.

ترجمہ: اباحت بائیں معنی ہے کہ جس چیز کے لیے (شرع میں) نہ منع وارد ہو نہ جواز۔ اس پر عمل کرنے سے کوئی پکڑ یا مراءخذہ نہ ہوگا۔

اہل بدعت اس اہل سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے یہ اس لیے کہ وہ ان بدعات کو نیکی اند  
کار ثواب سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں اس امید پر نہیں کہ ایسا کرنے سے انہیں کوئی پچھتہ نہ ہوگی اور ان پر کوئی  
مناخذہ نہ ہوگا کیا بدعات پر کئے جانے والے اتنے اخراجات اور عرسوں کے میلے محض اس  
خیال سے کئے جاتے ہیں کہ ایسا کرنا کوئی گناہ نہیں ہے اور آخرت میں ان پر کوئی باز پرس نہ ہوگی؟ کوئی

موانعہ و نہ ہوگا؛ مگر گز نہیں۔ اہل بدعت ان کاموں کو نیکیاں سمجھ کر امدکار ثواب سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں اس امیہ کے کہ آخرت میں انہیں ان کا اجر ملے گا۔ سو یہ سداً اباحت کا موضوع نہیں رہتا۔ استحباب اور سنیت کا موضوع بن جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کا مستحب یا سنت ہونا شرع سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ اس اصل سے کہ اس پر کوئی منع تو وارد نہیں ہوئی۔ یاد رکھیے اس اصل کا کوئی تعلق طاعات اور عبادات سے نہیں ہے۔

### اصل ہر چیز میں اباحت ہے اس کی مُراد اور منشاء

اللہ تعالیٰ نے یہاں جو چیزیں پیدا کیں اور ان میں جو دنیوی منافع رکھے ان سب میں اصل جہل امد اباحت ہے اور ان میں حرام وہی چیز ہے جسے شارع علیہ السلام نے حرام فرمایا ہو۔ ورنہ خدا کی تمام زمین اور اس سے مکملی تمام نعمتیں بنو آدم کے لیے اصلاً حلال ہیں۔ اس موقف کے قائلین اپنے اس موقف پر قرآن کریم کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں:-

① هو الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا. (پ: البقرہ ۴)

ترجمہ۔ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ ہے زمین میں۔

② وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ. (پ: الحجۃ ۱)

ترجمہ۔ اور اللہ نے تمہارے کام لگا دیا جو کچھ بھی ہے آسمانوں میں اور جو ہے زمین میں سب اسی کی طرف سے ہے۔

③ الْعَزَّازُ اللَّهُ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاسْبِغْ عَلَيْكُمْ نَمْرًا

ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً. (پ: لقمان ۲)

ترجمہ۔ اور اللہ نے تمہارے کام لگا دیا جو کچھ بھی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور

پوری کر دیں تم پر نعمتیں کھلی اور چھپی۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ یہاں کی تمام چیزیں اور نعمتیں بنی نوع انسان کے لیے بنائی گئی

ہیں اور مسلمانوں کے لیے ماسوائے ان چیزوں اور منافع کے جن کو شریعت نے حرام کیا۔ باقی سب نعمتیں اصلاً حلال اور مباح ہیں۔ یہ ہے مفہوم اس اصول کا کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے اگر اسے تسلیم کر لیا جائے۔

لیکن اس سب عموم اباحت کا تعلق اشیاء و منافع اور ان کے متعلقہ افعال و تصرفات سے ہے۔ عبادات اور طاعات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ جو کام عبادت اور نیکی سمجھ کر کئے جائیں ان کے لیے شریعت سے نقل و کار ہے۔ الاصول فی الاشیاء ہی الاباحت کے قاعدہ کو کسی نے عبادات اور مسائل پر منطبق نہیں کیا۔ عبادات اور مسائل میں حلال و حرام کی تفصیل شریعت سے ملے گی۔ اس دھوکے میں نہ رہیں کہ اس پر منع تو وارد نہ ہوئی ہو اصول میں ملے ہو چکا ہے۔ ان الشریعة لا تعرف الا بالنقل والاستنباط۔ (دیکھئے عقدا بحمد للشاہ ولی اللہ دہلوی)

ہر وہ چیز جس سے شریعت خاموش ہو اگر اسے طاعت اور نیکی بنا لینا جائز ہو تا تو قرآن کریم میں یہ اصولی ہدایت نہ ہوتی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءٍ إِن تَبَدَّلَ لَكُم مِّنْ حَرَمٍ

(پ، المائدہ ۱۴۷)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! ان چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر تم پر کھول دی جائیں تو تم کو بُری لگیں۔

اگر ان کا بیان نہ ہوتا ہی ان کے ہوا زکی دلیل ہوتا تو ان سکوت عنہا مسائل سے اس انداز میں ڈرایا جاتا معلوم ہوا سکوت عنہا اشیا میں سے بھی بہت سی ناجائز ہونے کی محتمل تھیں۔ یہ نہیں کہ جس پر منع وارد نہیں ہوئی وہ سب حلال کے کھاتے میں ڈال لو۔ ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی نہ فرماتے۔

فَاعْلَمْتُمْ مِّنْهُ فَعُولُوا وَمَا جِئْتُمْ بِكُمْ لَوْ إِلَىٰ عَالَمٍ

لہ رواہ احمد و ابن ماجہ کما فی مشکوٰۃ ص ۴۵



ترجمہ: سو جو تم اللہ کے حکم سے جان لودہ بات کہہ دو اور جو تمہیں معلوم نہ ہو اسے اس کے جاننے والے کے سپرد کرو۔

مجتہد اگر استنباط سے بھی تمہیں کچھ بتلائے تو وہ خدا کی بات ہوگی۔ مجتہد احکام کا منظر ہوتا ہے موجد نہیں ہوتا۔ لیکن اگر تم اسے یہ کہہ کر اپنا دگے کہ شریعت نے اس سے روکا تو نہیں۔ الاصول فی الاشیاء بھی الاباحۃ تو پھر ایسے مسائل جاننے والوں کے سپرد کرنے کی نوبت کب آئے گی بغیر منصوص مسائل تو آخر مجتہد کے سپرد کرنے پڑیں گے معلوم ہوا ان میں اصل حجاز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

الامرثلثة امر بین رشتہ فاتبعہ وامر بین غیہ فاجتنبہ وامر اختلف فیہ فکلہ الی اللہ عزوجل۔

ترجمہ: مسائل تین طرح کے ہیں۔ ۱۔ جن کا درست ہونا ظاہر ہے انہیں عمل میں لاؤ۔ ۲۔ جن کا غایت ہونا ظاہر ہے سو ان سے بچو۔ ۳۔ جو امور مختلف فیہ ہوں (ان کا درست یا غلط ہونا ظاہر نہ ہو) انہیں اللہ کے سپرد کرو۔

معلوم ہوا ان کا منع نہ ہونا ان کے درست ہونے کی کسی طرح دلیل نہیں بن سکتی تھی۔ ان کا حکم مجتہدین ہی بنا سکتے ہیں اور انہیں مجتہد کی طرف لوٹنا نا حقیقت میں شریعت کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:-

واذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذ اعوا بیه ولوردہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم۔ (پ، النساء، ع ۱۱)

ترجمہ: اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آئے تو اسے (یا تحقیق) پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول پاک تک لوٹا دیتے یا اپنے بڑے لوگوں کی طرف۔ تو ان میں جو مجتہد دجے کے تھے اصل بات کو پالیتے۔

یہ بھی کوئی بات ہے کہ جو چیز معلوم نہ ہو اسے از خود وضع کر لو اور پھر اسے کاؤغیر کا درجہ بھی دے دو۔ بایں دعوے کے شریعت نے اس سے منع تو نہیں کیا۔ کیا کسی مذہب میں مسائل اس طرح بھی حل ہوئے ہیں؟ بریلویوں نے دین کر کیا بازیچہ اطفال بنا رکھا ہے کہ ان سے جب کبھی ان کے کسی دینی عمل کی سند پوچھ تو یہ اٹا پوچھنے لگیں بتاؤ اس سے کہیں منع کیا گیا ہے؟

برخست عقل ز حریت کہ اس چہ بوالبعیست

فہم حدیث سے یہ لوگ ویسے ہی عاری ہوتے ہیں سوال و جواب کی جہت کو پہچاننا ان کے بس کا روگ نہیں اور مشکل کی نیت معلوم کرنا چاہیں۔ یہ وہ لوگ نہیں عجیب قوم سے پالا پڑا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے کسی شخص کو تھینک آئی۔ اس نے الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میرا عقیدہ بھی یہی ہے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو (افراد سلام بغیر درود کے منع نہیں) لیکن اس موقع پر حضورؐ نے ہمیں ایسا کہنا نہیں سکھایا۔ ہمیں بس یہی بتایا ہے کہ ہم اس موقع پر الحمد للہ علی کل حال ہی کہا کریں بلکہ

آپ کے اس منع کرنے کی علت یہ تھی کہ ایسے مسائل میں جو کچھ مآثور ہو اس پر عمل کرنا چاہیئے اپنی طرف سے اس میں کچھ گھسانا یا پڑھانا نہ چاہیئے۔ یہ نہیں کہ حضورؐ نے اس موقع پر اپنا ذکر کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روک پر غور فرمائیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ اس موقع پر دو السلام علی رسول اللہ کہنا حضورؐ کی تعلیم نہیں ہے۔ مگر بریلوی کہتے ہیں میکا کہ مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوار الملعہ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس لیے منع کیا تھا کہ اس پر منع وارد ہو چکی ہے۔

۱۔ مشکوٰۃ ص ۴۸۸ من الترمذی واسنادہ صحیح ۲۔ درختار کتاب الذبائح میں ایک روایت یہ دی گئی ہے موطنان لا ذکر فیہما عند العطاس وعند الذبح۔ دو موقعوں پر میرا ذکر نہ ہو ایک تھینک کے وقت اور دوسرے ذبح کے وقت۔ اسے خواہ مخواہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت قرار دینا اور کہنا کہ

انوس صدافروس اس فہم حدیث پر شیخ علی ہی خاموش ہوں گے۔ ورنہ دوسرا ہر شخص پوچھے گا کہ پیر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایسا کیوں نہ کہا۔ حضرت کے جواب کا جو مطلب محدثین سمجھے ہیں وہ تو یہ ہے۔ حضرت شیخ عبدالحی محمدؒ دہلویؒ لکھتے ہیں:-

ليس المسنون في هذه الحال هذا القول وإنما الذم علمنا بينهما ان نقول الحمد لله على كل حال فقط من غير زيادة السلام فيه على ان ينفي في الذكر والد علم الاقتصار على الماثور من غير ان يزاو وينقص فان الزيادة في مثله نقصان في الحقيقة كما لا يزاو في الاذان بعد التتميل محمد رسول الله وامثال ذلك كثيرة. ۱

ترجمہ۔ ایسا کہنا اس حالت میں مسنون نہیں ہے۔ ہم نے اس موقع پر جو کچھ جاننا ہے وہ بس یہی ہے کہ ہم الحمد لله علیٰ کل حال کہیں اور اس میں حضور پر سلام کہنے کی زیادتی نہ ہو اور دعاؤں اور اذکار میں تو اسی پر کثافت کرنا چاہیے جو منقول ہو اور اس میں کسی قسم کی زیادتی یا کمی نہ کی جائے۔ ایسے مواقع پر زیادتی کرنا حقیقۃً نقصان ہی ہے جیسے اذان کے آخری جملے لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ نہیں کہا جاتا اور اس بات کی مثالیں کہ ذکر و دعائیں اصل نقل و اثر ہے بہت ہیں۔

جن چیزوں کا شریعت نے حکم بیان نہیں کیا۔ ان میں معافی تو ہو سکتی ہے لیکن اسے کارِ ثواب سمجھنے پر شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے نہ اسے کسی طرح کا برئیر سمجھا جاسکتا ہے۔ حضرت علیؓ

آپ نے اس روایت کی وجہ سے اسے روکا تھا خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر کثافت بڑا ظلم ہے۔ آپ نے تو اپنے منع کی علت اور بیان فرمائی ہے یہ نہیں۔ اور یہ لوگ ہیں کہ صحابی رسولؐ پر بھی اقرار باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خواب و خیال میں بھی یہ حدیث نہ ہوگی۔ نہ انہوں نے کہیں اس کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں۔ (ملفوظات حصہ ۲ ص ۸۱)

وہم نے فرمایا۔

الحلال ما احل الله في كتابه والحرام ما حرم الله في كتابه وما سكت عنه فهو مما عفا الله

ترجمہ حلال وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرایا اور جن چیزوں سے شریعت نے سکوت کیا ہے ان کی تمہیں معافی ہے یعنی جو صورت بھی واقع ہو اس پر معافی کی امید رکھو اور یہ بھی فرمایا۔

ان الله فرض فرائض فلا تضيعوها وحد حدودا فلا تعتدوها وحرم اشياء فلا تتمككوها وسكت عن اشياء رحمة لكم من غير نسيان فلا تبسحوا عنها

ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر کر دیئے ہیں انہیں ضائع نہ کرنا اور حدیں مقرر کر دی ہیں ان سے تجاوز نہ کرنا اور کچھ چیزیں حرام کر دی ہیں ان کی حد نہ چھانڈنا اور اذراہ کرم عدا کچھ چیزوں سے سکوت فرمایا۔ سو تم ان کی بحث میں نہ پڑو۔ حضرت نعمان بن بشیر (۹۴ھ) کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الحلال بين والحرام بين وبينهما مشتبهات لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبعد لدنياه وعرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام

ترجمہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے جو شخص ان مشتبہات سے کنارہ کشی کرے اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی اور جو درنعرے لگاتا ہے کہ ان سے بچ تو نہیں کیا

ان میں جا پڑا سمجھو وہ حرام میں ہی جا پڑا۔

اب دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ جس چیز کا حلال ہونا واضح نہ ہو اور نہ حرام ہونا واضح ہو وہ مشتبہات میں داخل ہے مگر بریلوی حضرات اسے اپنے ہاں یوں بگاڑتے ہیں۔۔

الحلال بین والمحرام بین وبینہما مباحات وخیرات۔ (استغفر اللہ)

یعنی جو چیز واضح طور پر حلال ہو نہ حرام ہو وہ سب مباحات اور کاربیر ہیں۔ الاصل فی

الاشیاء فی الاباحۃ۔ اب یہ جسنے کی ضرورت نہیں کہ ان کا حکم کیا ہے جس چیز سے بھی سکوت ہے اس پر چڑھ دوڑو۔

علماء کہتے ہیں اس صورت میں مجتہدین کی طرف رجوع کرو وہ اس میں شریعت کی کوئی نظیر یا کہ اسے اس کے تابع کر سکیں گے۔ اب اگر اس تیسری صورت حال کا حکم اجتہاداً اور استخراً معلوم ہو گیا تو اس پر عمل کرو اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو یہاں رکنا ہی بہتر ہوگا اور توقف کے بغیر اپنا دین بچانے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) کو نصیحت فرمائی تھی کہ اگر ان پر کسی چیز میں اشکال گزرے تو جب تک اس کا حل نہ ملے اس میں توقف کرنا۔ یہ نہ فرمایا کہ امر سخت عنہا سب مباح ہو گئے۔ صرف یہ دیکھو کہ کہیں اس سے روکا تو نہیں گیا۔

ان اشکال علیک امر فقف حتی تبینہ۔

ترجمہ اگر تم پر کچھ اشکال گزرے تو توقف کرنا یہاں تک کہ تم اس کی تحقیق پاؤ۔

امادین کے مطابق اہل سنت کا اس موضوع پر موقف توقف کا ہے نہ کہ ہر چیز کو جائز کرتے

جاؤ یہ معتزلہ کی رائے تھی جسے بریلویوں نے اپنا لیا ہے۔ درمختار میں ہے۔

الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحۃ رای المعتزلہ۔

ترجمہ اشیاء میں اصل توقف ہے اور اباحت معتزلہ کی رائے ہے۔

لہ رواہ ابن ماجہ ۱۷۰۰ درمختار جلد ۱ ص ۱۷۰ مع الشامی

علامہ شامی پہلے اس اختلاف میں کچھ نرم سے تھے لیکن البحر الرائق کے حاشیہ پر آپ نے مذہب منصور اور قول قوی اسی کو تسلیم کیا ہے۔

اب ہمارے بریلی دوست فرمائیں کہ جن امور کو وہ اس راہ سے دین میں لاتے ہیں کہ ان پر شریعت میں کہیں منع وارد نہیں ہوئی تو کیا وہ ان اعمال کو اس نیت سے بجا لاتے ہیں کہ یہ کارِ ثواب ہے یا اس امید پر وہ یہ بدعتوں کی تکلیفیں جھپتے ہیں کہ ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ گیارہ تاریخ کی پابندی کرنے پر بدعتوں کو معاف کر دیں گے۔

اب تم ہی کہہ کر کسی کی صدا دل کی صدا ہے

نفتا رکے نزدیک اباحتِ غُمر (منع) کی ضد ہے اور مباح کی تعریف یہ ہے۔

والمباح ما اجيز للمكلفين فعله وقت كمال استحقاق ثواب ولا عقاب

نعم يحاسب عليه حساباً بائناً

ترجمہ اور مباح وہ چیز ہے کہ جو مکلف مخلوق کے لیے اس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں

خرج سے جائز ٹھہرایا گیا ہو اور اس پر کسی ثواب کی امید رکھی جائے نہ اس پر کسی پکڑ

کا اندیشہ ہو۔ ہاں اس پر کچھ آسان سا حساب ہوگا۔

اس قاعدے سے جن امور کو مباح ٹھہرایا جائے ان کا زیادہ سے زیادہ درجہ یہ ہے کہ اس پر

اللہ تعالیٰ پجزائیں گے نہیں معاف کر دیں گے لیکن ہمارے اہل بدعت دوست جن بدعات کو اس راہ

سے اسلام میں داخل کرتے ہیں انہیں وہ مباح کے درجے میں نہیں رکھتے نیکی اور ثواب سمجھتے ہیں

اور انہیں کا بغیر سمجھ کر عمل میں لایا جاتا ہے جن کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ مستحب ہو اور ظاہر ہے کہ انکا ثواب بھی ہے۔

گیارہویں شریف کو ہی لیجئے، ایصالِ ثواب کے لیے گیارہ تاریخ کا التزام اور اسے دوسرے

ایام سے افضل جانا شریعت محمدی میں اس کی کوئی دلیل نہ ملتی نہ نفی نہ حتیٰ اور آج بھی ان حضرات سے جب

کبھی اس کی اصل معلوم کی جاتی ہے تو یہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کا سہارا لے کر کہہ دیتے ہیں کہ تم

منع کی دلیل تبادلاً جب اس سے منع نہیں کیا گیا تو یہ عمل مباح ہے گو ہم اسے نیکی سمجھ کر کرتے ہیں۔  
اب دیکھئے یہ مباح کس دے انداز میں مستحب بنا دیا جاتا ہے۔ حزب الاحناف لاہور کے مولانا  
محمود احمد صاحب رضوی لکھتے ہیں:-

گیارہویں حضور پاک کو ایصالِ ثواب کا نام ہے۔ ایصالِ ثواب کو نہ ہم فرض سمجھتے ہیں نہ  
واجب بلکہ جواز کے درجے میں رکھتے ہیں جو شخص حذرِ غوثِ اعظم کی روحِ مبارک کو  
ایصالِ ثواب نہیں کرتا گیارہویں نہیں دیتا، اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے۔ کیونکہ مباح  
فعل کو واجب یا فرض کر دینا گمراہی ہے۔

کوئی معاصی ان سے پوچھنے والا نہیں کہ کیا گیارہویں کا یہی درجہ ہے کہ آخت میں اس پر کوئی پکڑ  
نہ ہوگی مباح تو اسے ہی کہتے ہیں اور اگر آپ اسے ایک نیکی سمجھ کر کرتے ہیں تو یہ مباح نہیں بلکہ مستحب  
منہرے کا اور مستحب تو ایک حکم شرعی ہے جس پر کوئی دلیل شرعی ہونی چاہیے۔ آپ اباحت کا لباس پہنے  
کوچہ استحب میں کیسے آنکھ میں کیا آپ گیارہویں کا ختم کہتے یہ اُمید باندھے ہوتے ہیں کہ خدا اس پکڑے  
کا نہیں یا آپ اسے کارِ خیر سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں اور آخرت میں اس کی جزا کی امید رکھتے ہیں۔ الاصل فی  
الاستیاء ہی الاصلاح کا قاعدہ کیا آپ حضرات نے اسی لیے زیرِ مشق لکھا ہے۔ دعویٰ مباح کا اور نیت مستحب  
کی۔ حزب الاحناف والوں کی عجیب علمی شان ہے۔

## عبادات اور عادات و معاملات

عادات اور معاملات انسانوں کے اپنے ماحول اور تجربات سے جتنے ہیں عبادات تو قیسی  
ہیں جن کا حکم اللہ رب العزت اور اس کے پیغمبرِ برحق سے ملتا ہے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات  
کے سبب درجے شریعت مقرر کرتی ہے۔ ان میں یہ نہیں سوچا جاتا ہے کہ شرعیہ کیسے کہیں اس سے منع کیا ہے  
بلکہ ہر بات میں نقل کی تلاش ہوتی ہے۔ ہاں عادات و معاملات انسان خود ترتیب دیتے ہیں۔ ان

میں دیکھنا ہوتا ہے کہ شریعت نے کسی بات سے منع تو نہیں کیا۔ اصل ہر چیز میں اطلاق اور اباحت ہے یہ مباح اصلی کی بات کی ہے مباح شرعی کی نہیں۔

عادات و معاملات میں بھی اصل اطلاق و اباحت ہے یا اصل منع و مقرر ہے۔ اس میں مقررہ اور اہل سنت میں کچھ اختلاف ہے۔ لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ عبادات میں صرف نقل و رکاوٹ ہے یہ انسان کی اپنی رائے کے سپرد نہیں اور شرعی رائے جسے استنباط بھی کہتے ہیں وہ نقل کی ہی ایک تفصیل ہے اس کا غیر نہیں۔

## انسانی تصرفات کی دو قسمیں

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :-

ان تصرفات العباد من الاقوال والافعال نوعان عبادات یصلح بہما  
دینہم و عبادات یمتاجون الیہا فی دنیاہم فباستقراء اصول الشریعة  
نعلم ان العبادات التي اوجبها الله او اوجبها لا یثبت الا من ہما الا بالشرع  
..... ولہذا کان احمد و غیرہ من فقہاء اہل الحدیث یقولون ان الاصل  
فی العبادات التوقیف فلا یشرع منہما الا ما شرعہ الله والدخلاء فی معنی  
قوله تعالیٰ ام لم یشرع کما شرعہ المہم من الدین مالو یا ذن بہ الله۔

ترجمہ قول و فعل میں انسان کے تصرفات دو قسم کے ہیں عبادات جن سے ان کی آخرت  
کی اصلاح ہوتی ہیں اور عادات جن کی انہیں دنیا میں ضرورت پڑتی ہے۔ اصول ثلثت  
کا استقرار کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ عبادات واجب و رجبے کی ہوں یا مستحب  
ورجبے کی ان کا کوئی امر بدول شریعت ثابت نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ اور اسی لیے امام  
احمد اور دوسرے فقہاء محدثین کہتے ہیں عبادات سب توقیفی ہیں۔ شرع وہی ہے

لہ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ص



جسے اللہ رب العزت نے شریعت بنایا مگر نہ (اگر ہم اپنی طرف سے مسئلے بنائیں کہ شریعت نے منع تو نہیں کیا) ہم قرآن کی اس آیت کا مصداق بن جائیں گے۔

ام لہم شرکاء مع اللہ من الدین ما لہ یا ذن بہ اللہ۔ (پہ: الشوریٰ ۲۷)

ترجمہ کیا کہ انہوں نے (اللہ کے) شریک ٹھہرا لیے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی اور راہ ڈال دی ہے جو اللہ نے نہیں بتائی۔

معلوم ہوا اپنی طرف سے دین کی کوئی راہ تجویز کرنا (اور صرف یہ دیکھنا کہ کہیں اس سے منع تو نہیں کیا گیا) دراصل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے طاعات اور نیکی کے کام سب تو قیفی ہیں کارِ غیر وہی ہے جس کے غیر ہونے کا پتہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہ حق سے ملے ہم اپنی خواہشات اور اپنی صراہید سے کوئی مسئلہ نہیں بنا سکتے گو وہ درجہ سبب کا ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سب نام تو قیفی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کوئی راہ عبادت مقرر کرنے یا اختیار کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

شیخ یوسف قرضاوی اصل اشیاء و منافع میں حلت اور اباحت کے قائل ہیں۔ ان کا موقف توقف کا نہیں۔ اپنے اس موقف پر انہوں نے قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اصل اشیاء میں اباحت اشیاء تک محدود نہیں۔ یہ ان افعال و تصرفات کو بھی شامل ہے جو بطور عادت عمل میں آتے ہیں۔ آپ اس اباحت کی بحث میں لکھتے ہیں :-

بل یشمل الافعال و التصرفات التي ليست من امور العبادة و هي التي نسیمها العادات او المعاملات فالاصل فيها عدم التحريم وعدم التقيد الا محرمه الشارع والزهره وقوله تعالى وقد فصل لكم ما حرم عليكم عام في الاشياء والافعال۔

ترجمہ بلکہ یہ اباحت افعال و تصرفات جو تعبدی امور میں سے نہیں اور یہ وہ ہیں جنہیں

ہم عادات اور معاملات کہتے ہیں کو بھی شامل ہے سو ان کا اصل حرام نہ ہونا ہے ظلم وہی ہے جسے مشائخ نے حرام قرار دیا ہو اور لازم ٹھہرایا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وقد فصل لکم ما حرم علیکم افعال اور اشیاء دونوں کو عام ہے۔ آپ پھر آگے جاکر لکھتے ہیں:-

وهذا مجتلف العبادۃ فانها من امرالدين المحض الذی لا یؤخذ الا عن طریق الوحی و فیہا جاء الحديث الصحیح ومن احدث فی امرنا ما لیس منه فہورہ۔

ترجمہ اور عبادات (جنہیں نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے) میں ایسا نہیں کہ اصل اباحت ہو، کیونکہ یہ خالص دینی موضوع ہے جو وحی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور اس موضوع پر صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جس نے ہمارے اسس دین میں کوئی بات نئی نکالی، تو اصل اس میں سے نہ ہو تو اس کا یہ عمل مردود ہوگا۔ اور عادات و معاملات کے بارے میں لکھتے ہیں:-

اما العادات والمعاملات فلیس الشارع منشی لعیال الناس هم الذین انشاءواھا وتعاملوا بہا والشارع جاء مصصھا لہا ومعدلا ومہذباً ومقرراً فی بعض الاحیان ما خلعت الفساد والفساد والفساد۔

ترجمہ عادات اور معاملات سو ان کا موجود شارع نہیں لوگوں نے خود ان کی ایجاد کی ہے اور اپنے طریقے قائم کئے ہیں اور شارع نے اگر انہی طریقوں کی اصلاح و تہذیب کی ہے اور کوئی دفعہ انہی امور کو بفساد اور فساد سے خالی تھے قائم رکھا ہے۔

## عادات اور معاملات میں اباحت کا قول

اسلام میں عادات و معاملات میں حلال کا دائرہ بہت وسیع ہے اور محرمات کا دائرہ شریعت میں بہت تنگ ہے۔ جن امور میں حل و حرمت وارد نہیں ان میں اصل اباحت ہے یا توقف۔ اس میں فقہاء احناف کا موقف توقف کا ہے۔ اباحت عامہ مقررہ کا عقیدہ ہے جیسا کہ ہم درختار سے نقل کر آتے ہیں۔ الاصل فی الاشیاء التوقف۔ اصل اشیاء میں توقف ہے۔

ان الصیغ من مذہب اہل السنۃ ان الاصل فی الاشیاء التوقف الاباحۃ  
رای المعتزلۃ لان العصمۃ من جملہ الاحکام المشروعۃ۔<sup>۱</sup>

ترجمہ۔ اہل سنت میں صحیح بات یہی ہے کہ اشیاء میں اصل توقف کا قول ہے اور اصل اباحت کو ٹھہرنا یہ مقررہ کی رائے ہے شریعت کے کاموں میں عصمت شرط ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عصمت عام بندوں کے افعال و تصرفات میں نہیں۔ یہ تو صرف انبیاء کی شان ہے۔ سو فقہاء احناف نے اسے ہی مذہب منصور قرار دیا ہے۔ افعال میں بھی بہت سے حضرات اصل تحریم کو قرار دیتے ہیں حضرت امام احمد بھی اسی کے قائل تھے۔ ملا جبین شیخ احمد (۱۱۲۰ھ) لکھتے ہیں

ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کما ہو مذہب طائفۃ بخلاف الجمهور فان  
عندہم الاصل هو المحرمۃ.... وعند الشافعی الاصل هو المحرمۃ فی کل حال۔<sup>۲</sup>

ترجمہ۔ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور یہ ایک گروہ کا خیال ہے لیکن جمہور (اہل سنت) کے  
دل اصل حرمت ہے اور امام شافعی ہر حال میں اصل خطر کو ہی سمجھتے ہیں (نہ کہ اباحت کو)۔

## اباحت اصل ہے یا حرمت اصل۔ اس کا عملی اثر کیا ہوگا

ایک شخص نے دوسرے کو دھمکی دی کہ اگر تو شراب نہ پئے یا مُردار نہ کھائے تو میں تجھے قتل کرتا

ہوں اس نے شراب نہ پی اور قتل ہو گیا مبادا گناہ نہ ہو اب اگر شراب یا مُردار میں اصل اباحت تھی اور شرع نے ان کو حرام کیا تھا تو وہ شخص جو مارا گیا گناہگار ہو گا کیونکہ اس خاص صورتِ حال میں حرمت جاتی رہی اور اباحت اپنی اصل پر لوٹ آئی۔ اور اگر ان چیزوں میں اصل حرمت ہو اور اباحت صرف وقتی طور پر عارض ہوئی تو وہ انہیں نہ کھانے پینے سے قتل ہونے پر گناہگار نہ ہو گا امام محمدؒ کے نزدیک وہ گناہگار ہو گا علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:-

والیہ اشان محمد فمن حدّ بالقتل علی اکل المیتۃ او شرب الخمر  
فلم یفعل حتی قتل بقولہ خفت ان یكون اثمًا لان اکل المیتۃ و شرب الخمر  
لم یحرم الا بالنہی عنہما فجعل الاباحۃ اصلًا والحرمۃ بعارض النہی لہ  
ترجمہ: امام محمدؒ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جس شخص کو مُردار نہ کھانے یا شراب  
نہ پینے پر قتل کی دھمکی دی گئی اس نے ایسا نہ کیا اور قتل ہو گیا تو وہ گناہگار ٹھہرے گا کیونکہ  
یہ دونوں چیزیں صرف شریعت کے منع کرنے سے ممنوع ہوئی تھیں۔ سو آپ نے  
اباحت کو اصل ٹھہرایا ہے۔

یہ مثال ہم نے صرف فرق واضح کرنے کے لیے دی ہے کہ افتاء کی دونوں صورتوں کا عملی اثر  
کیا ہو گا۔ ورنہ فقہ حنفی کا مسلک مختار اور قولِ منصور ہم پہلے قتل کر آئے ہیں۔  
اب اس مثال کے اس بنیاد پر ہم پہلو پر بھی نظر رکھیں:-

اگر وہ شخص اس خاص صورتِ حال میں شراب پی لے یا مُردار کھالے تو کیا وہ اسے نیکی اور اجر  
و ثواب کا کام سمجھتے ہوئے ایسا کرے یا محض اس خیال سے ایسا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اس خاص  
صورتِ حال کے باعث، مؤخذہ نہ فرمائیں گے — فتنک ولا تکن من الغافلین — بدعات  
مباح سمجھ کر کی جاتی ہیں یا کابشر

ہمارے بریلوی دوست جو الاصل فی الاشیاء ہی الاباحۃ کی راہ سے اپنی تمام بدعات کو

سند جواز دینا چاہتے ہیں۔ اب خود ہی بتائیں کہ کیا وہ اپنے ان ”نیکی کے کاموں“ کو مجبوری اور غدی اور شرب خدی کے درجہ میں سمجھتے ہیں یا وہ انہیں کار خیر اور اجر و ثواب کے کام سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں۔ یہ فیصلہ ہم انہی پر چھوڑتے ہیں۔ جہاں تک ہم دیکھتے اور سنتے ہیں وہ ان کاموں کو نیکی اور کار خیر سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں۔

### فیصلہ کن حکم موجود نہ ہو تو اب جو چاہے کرو، استغفر اللہ

جن مسائل میں امر یا منع وارد نہیں تو اگر انسان ان میں آزاد ہے کہ اب جو چاہے کرے سب مباح ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ مجتہد اپنی سرائے میں مصیب ہو کہ نہ وہ اجتہاد میں کرے گا جہاں نص (امر کی یا منع کی) موجود نہ ہو۔ اب اس نے جو رائے قائم کی ہے وہ دائرہ اباحت میں آکر کی ہے۔ سو اس کے غلطی ہونے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی اور یہ تصور حدیث کے بالکل خلاف ہے حدیث میں صریح طور پر مجتہد کو کبھی مصیب اور کبھی غلطی ٹھہرایا گیا ہے یہ مذہب معتزلہ کا ہے کہ مجتہد ہر صحت میں مصیب ہے کیونکہ اہل ہر چیز میں اباحت ہے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت طاعی قاریؒ لکھتے ہیں:

ان المجتہد فی العقلیات والشرعیات الاصلیة والفرعیة قد غلطیٰ وقد

یصیب وذهب بعض الاشاعرة والمعتزلة الى ان کل مجتہد فی

المسائل الشرعیة الفرعیة التي لا قاطع فیہما مصیبؑ

ترجمہ مجتہد عقلیات میں اور شرعی مسائل میں وہ اصولی ہوں یا فروعی کبھی غلط کر سکتا ہے

اور کبھی وہ درست بات پاتا ہے اور بعض اشاعرة اور معتزلہ اس پر ہیں کہ ہر مجتہد

مسائل شرعیہ فرعیہ میں مصیب ہے اور اپنی جگہ درست ہے۔

یعنی وہ جو بات کہہ رہا ہے دائرہ اباحت میں آکر کہہ رہا ہے۔ یہاں جب ہر چیز مباح ہے

ترخطا کسی؛ نقل ویسے ہی ان مسائل میں موجود نہ تھی۔ اب جرمین کے وہ منہ کی دلیل لائے۔ ورنہ سب صحیح ہے۔ معاذ اللہ

اُنکے آپ نے احکام اور ضرورت کی چار انواع بیان کی ہیں اور آخر میں یہ مفصلہ دیا ہے:

والمختاران الحكم محین وعليه دليل ظنی ان وجدہ المجتہد اصاب ان فقدہ اخطاء۔

صحیح قول مختار یہ ہے کہ شریعت میں کوئی موضوع آوارہ نہیں چھوڑا گیا۔ اس میں ہر مسئلے کا حکم موجود ہے۔ وہ مسئلہ مخصوص ہو یا کسی شخص کی گہرائی میں پلٹا ہو جسے مجتہد پالے اس پر کوئی نہ کوئی دلیل ظنی ضرور موجود ہوتی ہے اسے مجتہد پالے تو وہ مصیب ہے کہ صحیح بات کہ وہ پہنچ گیا نہ پاسکے تو وہ مجتہد غلطی سے جسے صرف ایک اجنبی لگا۔ یہ نہیں کہ جہاں نفس موجود نہ ہو نہ امر کی نہ منع کی، تو وہاں انسان اپنے آپ کو بالکل آزاد سمجھے اور الاصل فی الامشیاء ہی الا باحۃ کا نعرہ لگاتا ہو ایسے موضوع کو مباح اور درست سمجھ لے۔ یہ تو مختزلہ کی رائے تھی۔ انوس کہ بریلوی بھی اس دلدل میں جا گئے جہاں مختزلہ آج سے بارہ سو سال پہلے گرے تھے۔

## سنت کی آفاقیت

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آفاقی اور ابدی ہے اور زمانا اور مکانا اس کی انتہا نہیں۔ اسی طرح بدعت نہ زمانا ابدی ہے نہ مکانا آفاقی ہے۔ بدعتوں کے دیئے کچے دیر جلتے ہیں اور پھر سمجھ جاتے ہیں، یہ سنت کی تابانی ہے جس کی روشنی ابد الابد تک پھیلتی ہے۔

سنت بین الاقوامی ہے اور بدعت عاقباتی — سرعلاقے کی اپنی اپنی رسوم اور بدعات ہیں اللہ رب العزت اسے آفاقی نہیں بننے دیتے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آفاقیت بخشی ہے اور آپ کا ذکر مبارک بلند فرمایا ہے۔

ورفعنا لک ذکرک میں سنت کا ترفع و اعلا ہے۔ بدعت نہ آپ کا عمل ہے نہ آپ کے صحابہ

کا۔ اس میں ترفع و اعلا کہاں سے آئے فاعتبر وایا اولی الابصار۔

## بدعت سے اجتناب کرنے کے اعتقادی فوائد

تشریح کا قوی ترین ماخذ نبوت ہے اور ادنیٰ ترین درجہ بدعت ہے۔ بدعت سے بھی وہ چیز دین بنائی جاتی ہے جو دین نہیں ہوتی۔ نبوت سے دین کا قیام اور کتاب و سنت سے اس کا استحکام ہوتا ہے کتاب و سنت سے جو استنباط ہوتا ہے وہ بھی انہی کے حکم میں ہے فرق ہے تو صرف یہ کہ کتاب و سنت میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا اور اجتہاد و استنباط میں یہ ہوتا ہے۔ تاہم مجتہد مغلّیٰ کو بھی ایک اجر کا مستحق سمجھنا چاہیے۔

تشریح کا کمزور ترین درجہ بدعت ہے اور اس کے ذریعہ کسی چیز کو شرعاً دین بنانا ممنوع ہے اور یہ عمل شرعاً مردود ہوگا۔ اس سے حضورؐ نے بہت اظہارِ ناراضگی کیا ہے۔ اس کا عادی اور دوائی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کی نحوست سے اس کا کوئی نیک عمل قبول ہونے نہیں پاتا۔ بدعت سے پرہیز کرنے اور اجتناب کرنے کے بہت سے فوائد ہیں۔ ان میں سے پانچ یہاں ذکر کرتے ہیں۔

### ① عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی ضمانت

حضور خاتم النبیینؐ کے بعد جب ذرا بدعت کی بھی گنجائش نہیں تو نئی نبوت کی کس طرح گنجائش ہوگی جو شخص حضرت خاتم النبیینؐ کی نسبت کا اس طرح دفا دار ہوگا کہ دین میں کسی نئی چیز کو برداشت نہ کرے وہ کسی نبوت کو کیسے برداشت کر لے گا۔ کبھی نہیں۔

حضرت خاتم النبیینؐ کے بعد اگر کسی اور نبی کے آنے کی گنجائش ہوتی تو جس طرح شریعت میں سنت اور بدعت کی ہمیشہ چلتی ہیں اور علمائے محدثین نے ان کی بڑی تحقیق فرمائی ہے ساتھ کہیں یہ بحث بھی چلی ہوتی کہ اسلام میں بدعت تو نہیں مگر نئی نبوت ہے اور یہ مباحث اس ترتیب سے چلے ہوتے۔

سنت — بدعت — نئی نبوت

مروجہ شخص بدعت کو بھی ساتھ بھٹکنے نہ دے گا وہ کبھی نئی نبرت کے جال میں نہ پھنسے گا۔ یاد رکھیے بدعت سے کلی اجتناب عقیدہ ختم نبرت کے تحفظ کی پوری ضمانت ہے۔

## ② شیعہ اثرات سے بچنے کی کلی حفاظت

شیعہ مذہب کے دو حصے ہیں :-

۱۔ عقائد اور ۲۔ اعمال

عقائد صرف علماء کو معلوم ہوتے ہیں۔ عوام ان کے اعمال سے ان کو پہچانتے ہیں۔ اعمال میں شیعہ مذہب کی بنا ہی خلاف سنت پر ہے۔ ان کے ہاں سنت کا لفظ اہل سنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

شیعہ مذہب میں بڑے دن محرم کے دس دن ہیں جس طرح عیسائیوں کے بڑے دن دسمبر کے ایام ہیں۔ جلوس عزاداری، دلدل گھوڑا کمانا، کٹے ہوئے چنے اٹھانا پہلہم ۲۲ رجب کے کوئٹے، تابوتوں کی برآمد، سیاہ لباس یہ وہ اعمال ہیں جو دین محمدی میں کبھی نہ تھے۔ اب جس شخص کے دل میں عبت سے نفرت ہوگی وہ بھلا ان سیاہ اعمال کے قریب بھی کبھی نہ جھنک سکے گا۔ سرچھ کبھی نہ ہو گا کہ وہ دلدل سے ان کے عقائد کی دلدل میں جا پہنچے۔ یقین کیجئے بدعت سے اجتناب شیعہ اثرات سے بچنے کی ایک قوی ضرورت ہے۔

## ③ تسلسل امت میں رہنے کی ضمانت

بدعت سے بچنے والا نہ صرف دین کے نام پر کئے جانے والے نئے اعمال سے پرہیز کرے گا بلکہ وہ کسی نئے مسلک کا خریدار یا امیڈ بھی نہ بنے گا۔ امت کا یہ قافلہ چودہ سو سال سے ایک تسلسل سے چلا آ رہا ہے۔ تابعینؓ نے صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر — اور اب تک دین کا یہ قافلہ اپنے اعتماد سے چلا آ رہا ہے۔



ہندوستان میں یکایک ترکِ تقلید کی ہوا چلی اور دیکھتے دیکھتے بخجری، ذکری، پکڑاری اور مختلف عنوانوں کے غیر متفقہ اپنے نئے فرقوں کو لے کر سامنے آ گئے۔

عام لوگوں کے بس میں نہ تھا ان کے علمی مباحث سے عہدہ برآہوں، سوجو لوگ ان نئے فرقوں میں آنے سے بچے رہے۔ وہ وہی تھے جو دین میں تسلسلِ امت کے قائل اور سلف پر اعتماد کرنے والے تھے اور سنت نے انہیں یہ مقام بخشا تھا کہ وہ سبیلِ مومنین سے باہر نہ نکلیں — بدعت صرف اعمال میں ہی بُری نہیں فرقہ بندی میں بھی بُری ہے۔ فرعی اختلافات پر جماعت بندی کرنا بدعت ہے صحابہ کا یہ طریق نہ تھا۔

## ④ صحابہ پر تنقید کرنے سے کلی حفاظت

خیر القرون کے آخر میں اہل حق میں یہ مسئلہ طے پا گیا تھا کہ صحابہؓ پر تنقید کرنا جائز نہیں۔ ان میں آپس میں جو اختلافات (مشاجرات) ہوئے اُن سے زبان بند رکھنی چاہیئے اور قلم کو روکنا چاہیئے۔ یہی مذہبِ اہل سنت تھا۔

اب محض شیعہ کو خوش کرنے کے لیے یا غیر جانبدار بننے کے لیے یا عام ووٹ حاصل کرنے کے لیے صحابہؓ پر تنقید کا دواڑہ کھولنا اور کھلے بندوں اس غلط عقیدے کی تبلیغ کرنا کہ دین کا ہرگز یہ تقاضا نہیں کہ صحابہؓ کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے۔ یقیناً ایک اعتقادی بدعت ہے۔ یوں سمجھیے کہ اس آئینہ در میں خواجه پھر سے ۱۲ اُبھرے ہیں۔

اب جو شخص عام اعمال میں بدعت سے پرہیز کرے گا وہ عقائد کے باب میں اتنی کھلی جتوں کا کبھی شکار نہ ہو سکے گا۔

## ⑤ خاندانِ رسالت سے عقیدت و محبت

اہل سنت و الجماعت کی تقریباً تمام کتب حدیث میں حضرت عباسؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرات

حسین کریمینؑ کے فضائل و مناقب کے باب بندھے ہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر دم تک مقرب و محبوب رہے۔

بعد کے ہونے والے سیاسی واقعات اور امت کے اختلافات میں واقعات کا جو رخ بھی ہو انہیں ملحد رسالت کے اعتماد اور قرب رسالت کے امتیاز سے جدا نہیں کیا جاسکتا اور اسی پر اب تک اہل راستہ و الحماۃ کا اعتقاد رہا ہے۔

اب ان مذکورہ اختلافات کی اس طرح شرح کرنا جس سے ان حضرات کے دامن تقدس پر وجہ نظر آئے نکلے۔ یقیناً فہم سلف سے ایک بغاوت ہوگی اور تاریخ امت میں یہ بھی ایک عبت ہے۔

## اہل رسول کی تعظیم و محبت کا مسئلہ

یہ بچپوں کی تعظیم اسی لئے ہے کہ آئندہ آئولے انہیں اپنا پیشرو جانیں اور خود اپنے لیے نئی راہیں نہ تراشیں۔ تاہم نہ بزرگ اکرام یہ بات بھی واضح کر دیں کہ اہلیت سے محبت گروہ بندی سے نہ کی جائے۔

اہل بیت سے محبت ضروریات مذہب اہل سنت میں سے ہے۔ یہ کتاب و سنت اور سیرت صحابہ کی مجموعی آواز ہے۔ اسے گروہی تعصب میں رکھنا خود اہل بیت سے انصاف نہیں۔ اہل سنت جس طرح صحابہ کے عقیدت مند ہیں اسی طرح حضورؐ کی ذریت طاہرہ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں ان میں تفریق پیدا کرنا بدعت ہے جو نہ صحابہؓ سے چلی نہ حسنین کریمینؑ سے۔ سو جو شخص ان دونوں میں گروہ بندی کرے گا وہ ہرگز کتاب و سنت پر عمل پیرا نہ سمجھا جائے گا۔ دونوں طبقوں سے عقیدت اور محبت راہ سنت ہے اور ان میں گروہ بندی راہ بدعت۔

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کا جزو لازم ہے۔ آپ کے صحابہ اور اہلیت سے بھی عقیدت و محبت لازم ہے۔ یہ آسمان ہدایت کے ستارے اور باغ رسالت کے پھول ہیں۔ مومن کو یہ عقیدت و محبت ایمان کی لائن میں رکھے گی اور مومنین کرام ان کی پیروی میں اپنے میں ایک روحانی سکون محسوس کریں گے۔ کوئی مومن ان سے آگے بڑھنے کا دعویٰ نہ ہوگا۔ بدعت کیا ہے؟ سنت سے آگے بڑھنا اور اس چیز کو دین میں داخل کرنا جو صحابہ اور اہل بیت کرام کے ہاں دین میں نہ تھی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اس سلسلہ میں علماء دیوبند کا نقطہ نظر بھی پیش کر دیں۔ دیوبند کے سابق مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ فرماتے ہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کا ساری کائنات سے زائد ہونا جزو ایمان بلکہ مدار ایمان ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کی تعظیم و محبت بھی اسی پیمانے سے واجب و لازم ہونے میں کوئی مشیہ نہیں کہ انسان کی صبی اولاد کو سب سے زیادہ نسبت و قربت حاصل ہے اس لیے ان کی محبت بلاشبہ جزو ایمان ہے۔۔۔ خلاصہ یہ کہ جب اہلبیت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ امت میں کبھی زیر اختلاف نہیں رہا۔ باجماع و اتفاق ان کی محبت و عظمت لازم ہے اختلافات و ملل پیدا ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی عظمت پر حملہ کیا جاتا ہے ورنہ آل رسول کی حیثیت سے عام سادات خواہ ان کا سلسلہ نسب کنسا ہی بعید

بھی ہوں ان کی عظمت و محبت میں سعادت و اجر و ثواب ہے۔ (معارف القرآن جلد ۷، ص ۶۹)

نہایت افسوس ہے کہ بعض لوگ اپنے نئے تاریخی مطالعہ سے اچانک کسی وادی حیرت میں جا گرتے ہیں اور وہ بعض اکابر اہل بیت کے بارے میں بھی بے ادبی سے نہیں بچ سکتے۔ ناصبیت کے اس جال میں زیادہ دہی لوگ آتے ہیں جو نئی راہ اختیار کرنے میں کوئی باک نہیں سمجھتے یہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے علماء اس تحقیق کو نہیں چھو سکے جو یہ نئے غلاف کو پائے ہیں یہ بھی ایک اعتقاد دی بدعت ہے۔

ناصریت کے اس جال میں زیادہ تر وہی لوگ آتے ہیں جو نئی راہ اختیار کرنے میں کوئی باک نہ سمجھتے تھے یہ لوگ برا کہتے ہیں کہ پہلے علماء اس تحقیق کو نہیں چھو سکے جو یہ نئے غلاف کو پاتے ہیں سو یہ ایک اعتقاد دی بدعت ہے جو ان دنوں فاندان رسالت کے غلاف اٹھ رہی ہے۔

جو شخص سنت سے محبت اور بدعت سے نفرت کرے گا اللہ رب العزت اسے قافلہ امت میں سلف صالحین کے ساتھ رکھیں گے اور یہ وہ دولت ہے جس پر بدعت کی متمم روئقوں کو قربان کیا جاسکتا ہے۔

## ایجاد بدعت افتراء علی الرسول کا دوسرا نام ہے

شرعیت صرف نقل و استنباط سے پہچانی جاتی ہے اور شرعیت کا منبع پیغمبر کی ذات ہے جس سے الشرب الغرت کی مرضیات اور عدم مرضیات کا پتہ چلتا ہے۔ اب اگر کوئی دین میں کوئی ایسی چیز داخل کرتا ہے جو اصلاً اور استنباطاً دین کی نہیں تو وہ حقیقت میں افتراء علی الرسول کا مجرم ہے۔ کہ بات تو دین میں کہیں موجود نہیں۔ نہ کتاب و سنت میں نہ محبتہ کے اجتہاد میں مگر وہ آگین بنا رہا ہے۔

## بدعت کو اچھا جاننا رسالت پر خیانت کا الزام ہے

حضرت امام مالکؒ ر ۱۷۹، ۱۸۰ فرماتے ہیں

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حنة فقد زعم ان محمداً اصلی اللہ علیہ  
وسلم خان الرسالۃ لان اللہ تعالیٰ یقول الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت  
علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً فما لم یکن یومئذ دیناً فلا یمکن  
الیوم دیناً لہ

ترجمہ جس نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی اور وہ اسے نیکی سمجھنے لگا تو گویا اس نے  
گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے احکام پہنچانے میں (معاذ اللہ)  
خیانت کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا  
اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین مقرر کیا۔ سو جو چیز  
اس دن دین نہ تھی آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

## بدعتی کو سستی کہنے کا گناہ

اب یہ جانتے ہوئے کہ فلاں فلاں اعمال بدعت ہیں اور ان کے کرنے والے بدعتی ہیں پھر

اگر کوئی انہیں سنی کہتا ہے تو کیا اس نے ان تمام بدعات کو سنت نہ کہا اور یہ کہنا کیا افتراء علی الرسول نہیں؟ — نفوس کہ بولرگ اصلاً بدعتی نہ تھے وہ ان بدعتوں کو سنی کہہ کر خود اس الزام کے مزیم ہو گئے جو مولانا احمد رضا خاں پر سالہا سال سے چلا کر رہا تھا۔ یاد رکھیے بدعتی کو سنی کہنا سخت گناہ ہے۔

## بدعت بہ نسبت گناہ کفر کے زیادہ قریب ہے

سلسلہ چشتیہ کے خواجہ نظام الدین اولیاء (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

بدعت از معصیت بالاتر است و کفر از بدعت بالاتر۔ بدعت بکفر نزدیک است۔ ترجمہ: بدعت گناہ سے کہیں زیادہ خطرناک چیز ہے اور کفر بدعت سے بھی کہیں آگے ہے۔ بدعت کفر کے بہت قریب ہے۔

## بدعتی اور کافر میں کس کی صحبت اہلسنت کے لیے زیادہ خطرناک ہے

مومن اور کافر میں خاصے قطعی ہیں۔ مومن آسانی سے کفر میں نہیں گھٹتا بخلاف سنی اور بدعتی کے کہ ان میں خاصے قطعی ہیں۔ دونوں ایک اصل سے وابستگی کے مدعی ہیں اور ان میں اشتباہ بہت جلد راد پا جاتا ہے۔ صحابی کے پاس سے گزرنے والا کو قصداً بھٹی کے پاس نہیں آ رہا۔ مگلاس کے سینکڑوں میں اگر دھویں کا کوئی عکس دکھائی دے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نفوس میں مبتلا فاضلہ کم ہو گا اتنا جلدی وہ ایک دوسرے کا اثر قبول کریں گے۔ اب یہ نہیں کہ بدعتی پر سنت کے آٹھ پھیل سنی پر کچھ بدعت کے اند میرے ضرور پھیل گئے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

ضررنا و مبتدع زیادہ از فساد صحبت کافر است۔

ترجمہ: بدعتی کی صحبت کافر کی صحبت سے زیادہ بُرے اثرات رکھتی ہے۔

۱۔ فرائد الغرائب ص ۱۸۱ ۲۔ مکتوبات دفتر اولیٰ مکتوب ۵۴

## بدعت جہالت کے سائے میں بلیتی ہے

کفر کبھی علم کے سایہ میں ٹیڑھی راہ چلتا ہے۔ قادیانیت اور اعتقاد امامت اسی کفر کی پیداوار ہیں۔ لیکن بدعت ہیبتہ جہالت کے سائے میں بلیتی ہے اسے کبھی علم کا سہارا نہیں ملتا۔

## بدعت کو عالم مثال میں دیکھتے

یہاں وہ چیزیں جو محض حقائق اور معانی ہیں حسیات میں نہیں آتیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالم مثال میں انہیں ان کے مناسب تشکیل دے رکھی ہیں۔ علم کو دودھ کی شکل میں دیکھا گیا ہے۔ قرآن کو حوض کوثر کی شکل میں دیکھا جاسکے گا۔ اسلام کو حضرت عمرؓ کی شکل میں جلوہ گر کیا جائے گا۔ اس طرح بدعات کو جن بزرگوں نے کسی مثالی صورت میں دیکھا انہیں ظلمات اور اندھیروں کے سوا کچھ نہیں پایا۔ سو بدعت میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور سنت میں روشنی ہی روشنی ہے۔ سنت کے مطابق کیے گئے اعمال کا اللہ ساتھ ساتھ چلے گا اور بدعت کے اندھیروں میں چلنے والے پل صراط سے کامیاب پار نہ ہو سکیں گے۔

پل صراط پر چڑھنے سے پہلے مومنین کے ساتھ ان کا نور ایمان ہوگا۔ یہ ایک تیز روشنی ہوگی ایمان ایک معنوی چیز ہے یہ روشنی کی صورت میں جلوہ گر ہوگا۔ مومن کے نیک اعمال اسکی داہنی طرف جمع ہوتے رہے وہ بھی ایک نور کی صورت پائیں گے۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔

میدان عشرے جس وقت پل صراط پر جائیں گے سخت اندھیرا ہوگا تب اپنے ایمان اور عمل صالح کی روشنی ساتھ ہوگا شاید ایمان کی روشنی جس کا محل قلب ہے آگے ہو اور عمل صالح کو داہنے۔ کیونکہ نیک اعمال داہنی طرف جمع ہوتے ہیں۔

یوم تری المومنین والمومنات یسعی نورہم بین یدیہم وبایمانہم بشر اکھ  
 الیوم جنت تجری من تحتہا الانہار خالدين فیہا ذلک الفوز العظیم مٹ الحدیہ  
 (ترجمہ) جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو ان کے آگے آگے روشنی دوڑتے  
 چلے گی اور ان کے داہنے ... یہ ہے بڑی مراد ملنی۔

معلوم ہوا کہ ایمان جو ایک معنوی چیز ہے اور اعمال جو اعراض ہیں انہیں اس دن ایک حسی صورت دی جائے گی اس دن معافی بھی اجمال پائیں گے۔

بدعت عالم مثال میں کیا ہوگی؟ ایک اندھیرا اور بدعتیوں کے لیے اندھیرے پر اندھیرے ہوں گے۔ حضرت امام ربانی نے بدعت کو عالم مثال میں کیا دیکھا؟ ایک اندھیرا۔ اسے ان کے اپنے الفاظ میں دیکھئے :-

یہ فقیران بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھتا اور ان میں اندھیرے اور کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔

(مکتوبات شریف و فرائد ص ۲۱)

کیا اب کسی نقشبندی مجددی سے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بدعت کو بدعت حسنہ کہہ کر اس کے اندر کسی حسن اور نورانیت کا دعویٰ کرے۔ بدعت عالم مثال میں ایک اندھیرے کے سوا کچھ نہیں اور بدعات بدعتی بے نصیب پر اندھیروں کے اوپر اندھیرے چڑھے ہیں یہاں گو سے ان کا خطرہ محسوس نہ ہو لیکن پل صراط پر آتے ہی اسے پتہ چل جائے گا کہ عملے دیوبند اس کے کتنے خیر خواہ تھے جو اسے دنیا میں بدعات سے روکتے تھے سنت وہ شاہراہ نور ہے جو خوش قسمت لوگوں کو پل صراط عبور کرتے ملے گی۔

## بدعت کی اہل بدعت کے لیے اضافی آفات

ایک شخص خود کسی بدعت پر عمل نہیں کرتا لیکن اس کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع ہے اور ان میں کئی بدعتیں بھی ہیں کبھی وہ اس کے پاس آتے بھی ہوں گے وہ ان کو اپنے ہاں بٹھانے سے بھی اس لعنت میں آگیا جو اس بدعت پیدا کرنے والے پر اتر رہی ہوتی ہے۔

## ① بدعتی کو پناہ دینے کی آفت

حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس نے مدینہ منورہ میں کوئی بدعت ایجاد کی یا اس نے وہاں کسی بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور صالحین امت کی لعنت اُترتی ہے۔

فمن أحدث فيها حدثاً أو آدى محدثاً فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين  
ترجمہ جس نے مدینہ میں کوئی نئی چیز پیدا کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی سو اس پر اللہ کی لعنت، تمام فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔

مدینہ منورہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ جب اتنے اشرف مقام میں بھی بدعتی لعنت سے نہیں بچ سکا تو اور جگہوں میں جہاں پہلے بھی بڑی ظلمتیں ہوں وہاں بدعتی کس طرح بجز ظلمات میں ڈوبنے سے بچ سکے گا۔ حافظ ابن بطال لکھتے ہیں :-

خصت المدينة بالذکر لشرفها لكون مهبط الوحي وموطن الرسول عليه  
الصلاة والسلام ومنها انتشر الدين في اقطار الارض

ترجمہ مدینہ کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کہ وہ جگہ وحی کی فرود گاہ رہی اور مومن رسولؐ رہی اور وہیں سے تمام اطراف عالم میں دین پھیلا۔



## ⑤ بدعتی کی کوئی دوسری نیکی بھی قبولیت نہیں پاتی

بدعت کی اصنافی آفات میں یہ آفت سب سے بڑی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے دوسرے نیک اعمال بھی اللہ کے ہاں قبولیت نہیں پاتے۔ ایک بدعت کی وجہ سے زندگی کے سارے سرمایہ اعمال کو ضائع کر لینا اس سے زیادہ نقصان کا اور کیا تصور ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض اور نفل قبول نہیں فرماتے۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :-

لَا يَقْبَلُ اللَّهُ لِمَا حَبَّ بَدْعَةً صَوْمًا وَلَا صَلَوةً وَلَا صَدَقَةً وَلَا حَجًّا وَلَا

عَمْرَةً وَلَا جِهَادًا وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا. ۱

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتے ہیں نہ نماز نہ زکوٰۃ نہ حج نہ عمرہ

اور نہ جہاد اور نہ اس کی کوئی فرضی عبادت اور نہ کوئی نفعی عبادت۔

بدعتی تو ایک طرف رہا اس سے دوستی رکھنے والے کے بھی نیک اعمال ضائع کر دیئے

جاتے ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ) فرماتے ہیں :-

## ③ بدعتی کے اکرام سے توہین اسلام کا جرم بنتا ہے

ایک شخص بدعتی نہیں لیکن جب اس کے بدعتی دوست اس کے پاس آتے ہیں وہ ان کا اکرام کرتا ہے انہیں عزت سے اپنے پاس بٹھاتا ہے اب یہ خود توہین اسلام کا مرتکب ہو گیا اس نے اسلام کی کھڑی دیوار گرانے میں اس بدعتی کی مدد کی اور اعانت جرم میں وہ بھی مجرم ہو گیا۔ حضرت ابراہیم بن میسرؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام  
ترجمہ جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی۔

علامہ طیبی (۷۴۳ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں :-

وذلك لان المبتدع متخالف للسنة ومائل عن الاستقامة لان  
معاونة نقیض الشئ معاونة لدفع ذلك الشئ وكان من حق  
الظاهر ان يقال من وقر المبتدع فقد استخف السنة  
..... فاذا كان حال الموقر هذا فما بال حال المبتدع  
علامہ شاطبی (۷۹۰ھ) بھی لکھتے ہیں :-

ان استرع یا مبرزجره واهانتہ واذلالہ بما هو اشد من هذا كالضرب  
والقتل فصار توقیرہ صدودا عن العمل بشرع الاسلام واقبالا علی  
ما یضاده ویناحیه

ترجمہ بیشک شریعت اسے جھڑکنے کا حکم دیتی ہے اس کی توہین اور تذلیل اس سے زیادہ  
چاہتی ہے اس کی پٹائی ہو یا اسے جان سے مارا جائے پس اس کی توقیر شرع اسلام پر  
عمل کرنے میں رکاوٹ بنے گی یہ وہ کام ہے جو شریعت کی ضد ہو گا اور اسکے خلاف ہو گا۔

## ۵) بدعتی کے سور خاتمہ کا اندیشہ

انسان پر موت کے وقت عجیب و غریب واردات ہوتی ہیں ابھی روح قبض نہیں ہوتی کہ اگلے جہان کے کچھ پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ بدعتی اپنے جن نظریات و عقائد کو سرمایہ نجات سمجھتا رہا پردہ اُٹھنے سے وہ اسے اپنے سیاہ اعمال دکھائی دیتے اتنے میں شیطان نے اپنی واردات کی کہ آگے تجھے پتہ چلے گا کہ تو حمید و رسالت کے اقرار میں بھی غلطی پر رہی رہا۔ ذہن پہلے شکست خوردہ تھا اب اسے اپنی قطعیات میں بھی شک ہو گیا۔ بدعات کے سیاہ سارے اس کے عقائد اسلام کو بھی لے ڈوبے۔ اتنے میں ملک الموت نے روح قبض کر لی۔ یہ اس بدعتی کا سور خاتمہ کیوں ہوا۔ بدعات میں زندگی گزارنے کے باعث بدعات اسے خاتمہ بالآخر سے بھی محروم کر گئیں۔

وائے ناکامی متابع کارواں جاتا رہا

علامہ شاطبی (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں :-

واما انہ یخاف علی صاحبہا سوء الخاتمة والعیاذ باللہ فلان صاحبہا  
مترکب اثماً وعاصی للہ تعالیٰ حقاً..... ومن مات مصرّاً علی المعصیة  
فیخاف علیہ فرماً اذا کشف الغطاء وعاین علامات الاخرة استقر  
الشیطان وغلبہ علی قلبہ حتی یموت علی التخییر والتبذیل۔<sup>۱</sup>

ترجمہ۔ بدعتی کے سور خاتمہ کا کھٹکا لگا رہتا ہے اللہ اس سے بچائے بدعتی بیشک بدعت  
سے گناہ کا مترکب ہوتا ہے اور حقیقی طور پر اللہ کا نافرمان ہے..... اور جو شخص گناہ پر مصر رہتا  
مرا سو اس پر سور خاتمہ کا ڈر ہے کیا دفع ہو سکتا ہے کہ جب آخرت کا پردہ اُٹھے  
اور وہ آخرت کی علامات دیکھے شیطان اسے آلے اور اس کے دل پر غلبہ پالے  
یہاں تک کہ وہ اسی تغیر اور تبدیل (عقائد) پر دم دے

معتقدانی المعصية انما طاعة حيث حسن ما تبعة الشارع... فهو قد قبح ما حسنه الشارع ومن كان هكذا الخفيين بالقرب من سوء الخاتمة الاما شاء الله وقد قال الله تعالى في جملة من ذم افانوا مكر الله فلا يامن مكر الله الا القوم الخاسرون. (پہ، الاعراف، ۹۹)

ترجمہ۔ وہ شخص گناہ کو سمجھ رہا ہے کہ یہ نیک ہے وہ اس چیز میں حزن دیکھ رہا ہے جسکو شارع علیہ السلام نے قبیح جانا سو اس سے قبیح جانا جسے شارع نے اچھا کہا تھا پس جس شخص کا یہ حال ہو وہ سور خاتمہ (بڑے انجام) کے بہت قریب آگیا مگر وہ جسے خدا بچالے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں جن کی مذمت کی گئی فرمایا کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہو چکے ہیں اس کے دوا سے وہی بے خوف ہو گئے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں۔

## ⑤ بدعات پر جو عالم خاموشی اختیار کرے اس کا انجام

حضرت سہاذ بن جبیل (۱۸۷ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اذا حدث في امتي البدع وشتموا اصحابي فليظهم العالم علمه فمن لم يفعل فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين۔

ترجمہ جب میری امت میں بدعتیں اٹھیں اور میرے صحابہ کو بُرا کہا جانے لگے تو عالم کو اپنا علم سامنے لانا چاہیے جو ایسا نہ کرے گا اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔

اس حدیث میں صحابہؓ کا ذکر بتلواتا ہے کہ یہ انجام بدعت فی العقائد کے مجرموں کا بتایا جا رہا ہے لیکن حضورؐ کی دوسری حدیث میں احداث فی امرنا ہذا عام ہے جو بدعت فی العقائد اور بدعت فی الاعمال دونوں طرح کی بدعات کو شامل ہے اور اس روایت کا پہلا جزو اذا حدث فی امتی البدع بھی ہر دو طرح کی بدعات کو شامل ہے۔

یہاں بدعات کو سب صحابہؓ سے جوڑ کر بیان کیا گیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ اہل بدعت اپنے اعمال بدعت میں صحابہؓ سے مفرد منحرف ہوں گے۔ اگر وہ صحابہؓ کو اپنے لیے معیار سمجھتے تو کبھی بدعات کے گڑھے میں نہ گر تے۔ خارجی ہوں یا رافضی یا عام بدعتی کسی کو حوض کوثر پر پہنچنا نصیب نہ ہو گا۔ حافظ ابن عبد البر (۴۴۶ھ) لکھتے ہیں :-

کل من احدث فی الدین فهو من المحدثین عن المحدثین عن الخوارج والرافض  
وسائر اهل الاہواء۔

## ⑦ بدعتی حوض کوثر سے محروم واپس جائیں گے

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :-

اتدرون ما الکونثۃ قلنا اللہ ورسولہ اعلم قال فانه منہ وعدنیہ ربی عز  
وجل علیہ خیر کثیر وہو حوض ترد علیہ امتی یوم القیمۃ انیتہ  
عددا النجوم فیختلج العبد منہم فاتزل رب انہ من امتی فیقال ماتدری  
ما احدثوا بعدک۔

ترجمہ: تم جاننے ہو کہ کونسی ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ آپؐ  
فرمایا یہ ایک نہر ہے جس کا سر کب بزمِ جلال نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے  
(اس لیے اسے کوثر کہا گیا) اور وہ ایک حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن وارد ہوگی اس  
میں جوئے ستاروں کی گنتی کے ہوں گے ان لوگوں میں کچھ رنگ پیچھے دھکیلے جائیں گے میں کہوں  
گلیہ ثمیرے امتی ہیں مجھے کہا جائے گا آپؐ نہیں جانتے انہوں نے آپؐ کے بعد کیا کیا۔

نوٹ: جن روایات میں امتی کی بجائے اصحابی کا لفظ آتا ہے وہاں بھی مراد امتی ہی ہوں گے نہ کہ  
حضورؐ کے عہد کے لوگ۔ یہ روایت اس روایت کی وضاحت کر دیتی ہے۔

## ⑤ بدعتیوں کا آخرت میں مسخ اشکال

بدعتی جس طرح دین کا علیہ بگاڑتے ہیں کہ دین کی وہ شکل باقی نہیں رہتی جو صحابہؓ اور ائمہؓ کے دور میں اس کی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کی سزائیں ان کی شکلیں آخرت میں بدل دیں گے ان کا مسخ اشکال جانوروں کی صورت میں ہو گا جہنم کی سزا تو ان کو ان کی بدعت پر ملے گی لیکن ان کی شکلیں دین کی شکل کو بگاڑنے کا وجہ سے بچیں گی۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

بد مذہب کتا ہے یا نہیں؟ ہاں ضرور ہے بلکہ کتے سے بھی بدتر اور ناپاک تر ہے کتا فاسق نہیں ہے اور یہ اہل دین و مذہب میں فاسق ہے کتے پر عذاب نہیں اور یہ عذاب شدید کا مستحق ہے۔ میری نہ مانوسید المرسلین کی حدیث مانو۔ ابو حاتم خزاعی حضرت ابو امامہ باہلی سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اصحاب البدع کلاب اهل النار۔ بدعتی دوزخیوں کے کتے ہیں بلکہ

## ⑥ ایک بدعت اور کئی بدعتوں کو کھینچتی ہے

مٹھائی پر ایک کھی کا ۲ نا ایک کھی کا ۲ نا نہیں بس سمجھ لیجئے کہ اب اور بھی کھیاں ۲ میں گی۔ جس طرح ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے ایک بدی دوسری بدی کو کھینچتی ہے نیکی صرف نیکی ہی کے لیے نہیں کی جاتی کبھی استقامت قائم رکھنے کے لیے بھی جاتی ہے یہ ایک اپنی غرض ہے کہ میری نیکیاں اپنی جگہ قائم رہیں کہیں ضائع نہ ہو جائیں اور اس میں اللہ کی رضا کی بھی طلب ہوتی ہے۔

ومثل الذين ينفقون اموالهم ابتغاء مرضات الله وتثبيتا من انفسهم کمثل جنۃ برجۃ اصابها وابل۔ (پ البقرہ ۲۶۵)

① جو اپنے اموال اللہ کی رضا کے لیے اور ⑤ اپنے دلوں کو مضبوط کیے خرچ کرتے ہیں۔

بدعتی کو بدعت کا یہ وبال ملتا ہے کہ اسے استقامت نصیب نہیں ہوتی وہ تثبیت سمجھ رہا ہے۔

لہذا قرآن افریۃ مکہ یہ حدیث جامع صغیر جلد ۱ ص ۱۸۱ میں موجود ہے۔

## ① ہر بدعت اپنے ساتھ کچھ سنتوں کو مٹاتی ہے

بدعتی پر بدعت کا یہ وبال آتا ہے کہ وہ سنتیں جن پر وہ پہلے عمل پیرا تھا وہ بھی ایک ایک کر کے اس سے جھین لی جاتی ہیں۔

اعلیٰ اور ادنیٰ کے اختلاط میں نتیجہ ہمیشہ ادنیٰ کے تابع ہوتا ہے۔ ایک شربت پورا میٹھا ہو اور دوسرا کم میٹھا (چھیکے کے قریب قریب) تو جب دونوں کو ملا دیں تو مجموعہ چھیکے پن کی طرف جانے لگا۔ جو شخص اپنے آپ کو سُنی کہے اور پھر بدعات میں پڑے تو اس اختلاط سے نورِ سنت اٹھتا جائے گا اور سنتیں ایک ایک کر کے اس سے چھٹی جائیں گی۔

## ② دین سرایا اتباع ہے بدعت اس کے خلاف ایک بغاوت ہے

دین سرایا اتباع اور پیروی کا نام ہے بدعت اسی فکر کے خلاف ایک بغاوت ہے جو بریلویوں نے محبت کے عنوان سے بپا کر رکھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا بغاوت محبت کے عنوان سے بھی بپا ہو سکتی ہے؟ کہتے ہیں کیوں نہیں کیا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی عقیدت اور وافر محبت میں ان کے اہل دین سے عداوت نہیں کر رکھی؟ اور کیا اشاعہ شریوں نے اہل بیت کی عقیدت اور محبت کے گمان میں حضرت علی المرتضیٰ حسن مجتبیٰ سے عملی بغاوت نہیں کی؟ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں کہ جس طرح کبھی عداوت کی راہ ملے آتا ہے کبھی محبت کی راہ سے بھی آتا ہے۔ بریلویوں کی بدعات کچھ اسی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں جنہوں نے بریلویوں کو راہِ سنت سے بہت دور کفر کی سرحد کے قریب لاکھڑا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو شرک کی دلدل سے نکالے گا ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہیں اس دلدل سے کبھی سلامتی سے ناصیب ہوا۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:-

نصرانی اور یہودی کافروں میں کہ ایک محبوبانِ خدا کی محبت میں اور دوسرے عداوت میں، قرآنِ عظیم میں یہودیوں کو مغضوب علیہم اور نصاریٰ کو ضالین فرمایا۔

یہی وجہ ہے کہ آج دوسرے زمین پر کوئی یہودی ایک گاؤں کا بھی حاکم نہیں بخلاف نصاریٰ کے کہ ان کی سلطنت ظاہر ہے اور بعینہ یہی مثال روافض و وہابیہ کی ہے کہ روافض مثل نصاریٰ کے محبت میں کافر ہوئے اور وہابیہ مثل یہود کے عداوت میں چنانچہ روافض کی حکومت ایران کا تخت موجود ہے اور وہابیہ کی کہیں ایک ٹپریہ بھی نہیں

بریلوی عام لوگوں میں یہی تاثر دیتے ہیں کہ انہیں محبوبانِ خدا سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس محبت سے یہ ضروری نہیں کہ وہ کفار و مشرکین سے کچھ زیادہ فاصلے پر ہوں۔ حق کی میزان کتاب و سنت میں بریلویوں کی اولیاء کرام سے کتنی محبت کیوں نہ ہو قرآن کریم قطعی بیان ہے کہ مشرک کبھی بخشتا نہ جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی لائق تسلیم ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی محبت دل و دماغ میں پیوست ہو اور بدعات سے اس طرح نفرت ہو جیسے نفیس طبائع کے لوگ کھانے پینے سے طبعاً نفور ہوتے ہیں ان کے لیے شریعت طبعیت بنی ہوئی ہے۔

بدعت کے یہ نقصانات جو ہم نے عرض کئے اُن نقصانات کے علاوہ میں جو بدعتی کو آخرت میں دیکھنے پڑیں گے۔ بدعتی کا خاتمہ ایمان پر ہونا خطرے سے خالی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی یہ دوسری بدفعیہ ہے۔ جس سے بدعتی آخرت میں دوچار ہوگا اور حوض کوثر سے اے پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔

رہی یہ بات کہ مولانا احمد رضا خاں کی پیشگوئی کہ وہابیہ کی کہیں ایک ٹپریہ بھی نہیں ہو سکتی یہ غلط نکلی۔ یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ مرزا غلام احمد کی پیشگوئیاں تو اس سے بھی زیادہ جھوٹی نکلیں۔ وہ مدعی نبوت تھا اور یہ تو ابھی مجدد ہی بنے تھے۔

د کھ حسرات فی بطون المقابر



برصغیر پاک و ہند میں آپ دیکھیں گے جہاں جہاں ملت کے سوائے زیادہ ہیں وہاں بہت سی بدعتیں آپ کو راہ پائے ملیں گی اور دیہات اور پسماندہ سبٹیوں میں جہاں جہاں ملت کے دین پر دے پڑے ہیں وہاں ٹنگوں اور بریلویوں کی عبیر زیادہ نظر آئے گی۔ افراد اصولوں پر جمیں تو میک ایک قوم ہیں۔ مگر بریلوی جہاں بھی ہیں گے ایک قوم نہیں ایک بھیڑیوں ہیں گے اور اگر کبھی مقابلے کی ذمت اٹھائے تو بھیڑیوں گے۔ چونکہ دیہات کی آبادی شہروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس پر انہوں نے عوامی اکثریت کا دعوئے کر رکھا ہے۔ ورنہ علمی پیرایہ میں یہ ایسی اقلیت میں ہیں کہ شاید ہی جہاں میں کبھی کسی کا گراف آتا بچا ہوا ہو۔

## بدعت سے بچنے کے لیے علماء حق کی کوششیں

جب کسی علاقے میں بدعت کے اندھیرے پھیلے علمائے حق نے وہاں پوری تہذیب سے سختی کے چراغ جلائے اور بدعت کی ظلمت کو کہیں بڑھنے نہیں دیا۔ قرون وسطیٰ میں امام ابن تیمیہ حنبلی (۷۲۸ھ) علامہ شاطبی مالکی (۷۹۰ھ) نے تحفظ سنت اور رد بدعت پر بنیادی کام کیا ہے۔ مغنیہ کرام میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۲۵ھ) اور حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۶۶ھ) کے بعد اس میدان کے بطل علیل حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ہوئے ہیں۔ آپ کے بعد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تحفظ سنت پر بڑی محنت فرمائی ہے۔ تاہم حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے براہین قاطعہ لکھ کر اہل بدعت پر وہ حجت تمام کی کہ اب تک اس کے اثر سے اہل بدعت کی جنہیں خاموش ہیں اور حضرت مولانا مرحوم پراندام تراشی کے سوا اب تک ان سے ان کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

پھر اس لائن میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الغنی شامیؒ بنامہ پوریؒ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے بنیادی کام کیا۔ پھر ان کے بعد استاد المکرم حضرت مولانا سید فردوس شاہ صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر نے اقامت سنت اور اہانت بدعت پر قلم اٹھایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب چراغ سنت اور مولانا سرفراز خاں کی کتاب راہ سنت اس ظلمت کو میں سنت کے واقعی دور روشن چراغ ہیں۔

## بدعت کے وہال سے نکلنے کی ایک راہ

کسی شخص کو کسی درجے میں بدعت میں گھرا دیکھیں تو سوال اُبھرتا ہے کہ اب اس کی کسی طرح بخشش ہو سکے گی؟ اس کے جواب میں آپ کو اس بدعت کی تاریخ معلوم کرنی چاہیئے۔ اس کا قائل اگر مجتہد درجے کا ہے تو اس کے اجتہاد کو امت نے قبول نہ کیا ہو اور اس شخص کسی تاویل سے اس بدعت کی راہ کھولی ہو تو ہو سکتا ہے ازراہ تاویل اس مجتہد کو آخرت میں معافی مل جائے اور اس طرح اس شخص کو بھی جو اس کی تقلید میں اس راہ پر چلا ہو — خطا۔ مجتہد اور تقلید کے سوا بدعت کے وہال سے بچ نکلنے کی اور کوئی راہ نہیں ہے۔ بدعت کے وہال سے نکلنے کی صرف ایک ہی راہ ہے — وہ یہ کہ بدعتی مجتہد درجے کا ہو اور کسی تاویل سے اس نے اس بدعت کو استناد مہیا کیا ہو یا وہ بدعتی کسی مجتہد کی تقلید سے بدعت میں مبتلا ہو۔

یہ راہ تقلید اسی نعمت ہے کہ شاید اس بدعتی کو بدعت کے وہال سے بچالے اور آخرت میں اس کی بخشش ہو جائے۔ حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں :-

ولا ريب ان من فعل البدع متاولاً مجتهداً او مقلداً كان له اجر على

حسن قصده وعلى عمله من حيث مادنيه من المشروع وكان مافيه من

المبتدع مغفورا له اذا كان في اجتهاده او تقليده من المذوومين۔

ترجمہ۔ اور اس میں شک نہیں کہ جس شخص نے بدعت پر تاویل کی راہ سے عمل کیا اور وہ

اس میں مجتہد کا مقام رکھتا ہو یا وہ (کسی ایسے مجتہد کا) مقلد ہو (جس نے بدعت کی

وہ راہ نکالی) تو اسے اپنی نیت اور عمل کے مطابق اپنے ان اعمال (بدعت) کے

حصہ مشروع پر اجر ملے گا اور حصہ بدعت پر اس کی مغفرت ہو سکے گی بشرطیکہ وہ

اپنے اجتہاد یا تقلید میں مذکورین میں سے ہو۔

10

6

یہ اسی طرح ہے جیسے دوسرے اجتہادی مسائل میں غلطی اور خطا کے وبال سے بچنے کی راہ صرف یہ ہے کہ کسی مجتہد کی پیروی میں اس نا درست فیصلے پر عمل پیرا ہو، ورنہ اس کے غلطی کے اس وبال سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں۔ آخرت میں یہ لوگ حسرت سے کہیں گے — لو کہنا ضعیف اور نفل ما کان فی اصحاب السعید۔ (پ ۲۹ : الملک آیت ۱۰)

بہتی اگر مجتہد متاثر یا مقتد ہونے کی راہ سے ان بدعات پر آیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان بدعات کو برائہ سمجھا جائے یا اس سے لوگوں کو روکا نہ جائے یا اسے امر مشروع سے نہ بدلا جائے — یہ زعایت جو حافظ ابن تیمیہؒ نے بیان کی ہے وہ بدعتی کے حق میں ہے بدعت کے حق میں نہیں اور بدعتی کے حق میں بھی صرف اس بحث میں کہ اس کی مغفرت ہو سکے گی یا نہ؟ یہ نہیں کہ اب اس کا شمار بدعتوں میں سے نہیں۔

پچھلے لوگوں میں سے کسی سے اگر کوئی بدعت صادر ہوئی تو اسے اس راہ میں معذور سمجھنا چاہیے یہ نہیں کہ اس کے اس عمل کو بہانہ بنا کر ان کی اس بدعت کو سند جواز مہیا کی جائے جو لوگ اپنے پیروں کے عمل کو سند بنا کر بدعات کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔ حضرت امام ربانیؒ مجد الف ثانیؒ نے ان پر سخت نکیر فرمائی ہے۔

آخر اس کہ ہمارے بریلوی عوام امام ابن تیمیہؒ کی بیان کردہ اس راہ سے بھی آخرت میں بدعت کے وبال سے نہ بچ سکیں گے کیونکہ وہ بقول خویش حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں کسی ملنگ یا بدعتی امام کے نہیں — اور وہ بریلوی جو امام ابو حنیفہؒ کی بجائے مولانا احمد رضا خاں کو امام مانتے ہیں انہیں بھی اس راہ سے جو حافظ ابن تیمیہؒ نے بتائی ہے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا کیونکہ مولانا احمد رضا خاں مجتہد کے درجے کے نہ تھے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسنؒ نے علم کے میدان میں انہیں بلکہ پچھاڑا تھا اور وہ کبھی ان کے سامنے ٹھہرنے کے تھے۔ مولانا معین الدین امجدیؒ نے ان کے خلاف القول الا زہر لکھ کر ان کی غیبت کو طشت از باہام کر دیا تھا۔

## بدعت سے نفرت پیدا کرنے کی راہ

بدعت سے نفرت پیدا کرنے کے لیے سنتوں سے محبت ضروری ہے اور سنت سے محبت کی راہ آپ کو بزرگوں کی محبت سے ملے گی نہ کہ گیارہویں کی مجالس سے۔  
 بندہ مومن کہ چاہیے کہ بزرگانِ دین نے بدعتوں کی آفتوں کا جو ذکر کیا ہے اسے بار بار پڑھئے اور ان بزرگوں کی نسبت سے اپنے دل میں سنت کا نور اتارے۔ یہ وہ راہ ہے جس سے ہر مومن کو معذور نا پڑا ہے۔ اور اس مجاہدے کے بغیر کوئی ساحلِ ولایت پر نہیں اترتا۔

## حضور کی محبت کو سنتوں کی محبت لازم ہے

محبت کی نظر میں محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے اپنی ادا و کرنا جس چیز نے بھی اس سے نسبت پائی ہو وہ محبت کی نظر میں محبوب ہوگی۔ اس حدیث کے لیے حضور کے صحابہؓ اور اہلبیتؑ سے محبت کیوں ضروری ہے؟ یہ اس لیے کہ وہ حضورؐ کی نسبت پائے ہوئے ہیں۔ اب ان کی ادائیں بھی محبوب کی ادائوں کے ساتھ محبت کے لیے جاذبِ نظر ہوں گی۔

اسلام میں حضورؐ کی محبت سب بنی نوع انسان کی محبت سے اقدم و ادلیٰ ہے۔ دل کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں ظاہر میں صرف وہ شخص آپؐ سے محبت کرنے والا سمجھا جاسکتا ہے جسے آپؐ کی سنتوں سے پیار ہو۔ اسے صحابہؓ اور اہلبیتؑ کی سنتوں سے پیار ہو اور ان کے علمائے حق کے ماسوا دین کے نام پر کیا جانے والا ہر عمل اسے بدعت نظر آئے۔ بدعت سے پیار کرنے والا کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محب نہیں ہو سکتا۔ جھوٹ اور دھوکا دوسری بات ہے۔

## انگلینڈ میں عام آنے والے دین سے بے خبر تھے

یہاں (انگلینڈ میں) جو مسلمان ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش سے آئے ہیں ان میں زیادہ تر

منزور و ضبطہ کے لوگ ہیں تو فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں اور جن لوگوں نے یہاں کاروبار اور تجارت کی راہیں اختیار کی ہیں ان میں بھی غالب اکثریت دین سے ناواقف لوگوں کی ہے۔ باہر ناخواندگی اور داناہنگی ان لوگوں کے پاس جو دولت ہے اس نے ان کو اپنے معاشرے میں بڑا بنا رکھا ہے ورنہ وہ جو ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں علم دین سے دلچسپی رکھنے والے لوگ یہاں بہت کم ہیں یہ لوگ اس لیے بڑے نہیں کہ وہ واقعی بڑے ہیں بلکہ صرف اس لیے کہ ان کے پاس دولت ہے۔ مگر انہوں نے آگ لگا کر بنائی ہو۔

ان لوگوں نے اپنی دینی ضرورت پوری کرنے کے لیے (جیسے امامت، نکاح خوانی، عجم خوانی اور جنازہ وغیرہ) زیادہ تر بریلوی علماء منگائے۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ مذہب کے نام پر ان کی یہ چند رسمیں باقی رہیں۔ دینی شعور نہ انہیں خود تھا اور نہ انہیں ایسے علماء کی ضرورت تھی جو انہیں یہ ذوق آگہی دے سکیں۔

## دعوت کی کامیاب دینی محنت

تجلی جہاں نے یہاں الحمد للہ کچھ دینی شعور قائم کیا ہے اور آج مسجدوں میں جہاں نمازی ملیں گے وہاں اس محنت کا بنیادی دخل ہوگا۔ تاہم یہاں بھی ایک دعوت عمل ہے۔ دین کو عملی راہ سے جاننے اور سنت و بدعت کے فرق کو پہچاننے میں ان حلقوں میں بھی عملی محنت کی ضرورت ہے یہاں تو دینی مدارس اور دارالعلوم کھلے ہیں ان میں بھی صرف اضافی کتابوں پر محنت کی جاتی ہے۔ ذہن سازی ان طلبہ کی بھی نہیں ہوتی۔ مگر امتحان میں پاس ہونے پر انہیں سند دے دی جاتی ہے۔

ان حالات میں انگلینڈ، سکاٹ لینڈ، آئر لینڈ اور ویلز کی ایٹائی آبادیاں پاکستان سے آنے والے بھتی پیروں اور پیشہ ور مولویوں کا لقمہ تر بنی ہوئی ہیں جن کی دولت پر شرعی غنڈے اس طرح پڑتے ہیں جس طرح گدھ مرڈار پر پڑتے ہیں۔ مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنا اور جہاں پہلے سے اختلاف ہے اسے بڑھانا۔ بے حیائی کے اس ماحول میں تعذبات کا کاروبار امد جہات نکلنے کے بہانے کمزور عقیدہ مریدوں کے گھروں پر واردات یہ وہ اسباب ہیں جنہوں نے ان مسلمانوں کو علم دین

کے گرد جمع ہونے کے بہت کم مواقع دیتے ہیں۔

ان حالات میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ بریلویت میں کچھ ان اہم بدعات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے جو بریلویت کے امتیازی خطوط سمجھی جاتی ہیں اور وہ انہی سے پہچانے جاتے ہیں اہمیت کو عملًا ان نئے اختیار کردہ اعمال نے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔

گجرات (ہند) کے اہلسنت علماء دیوبند نے اپنے حلقوں میں بے شک کچھ دینی محنتیں کیں اور ان کے ہاں تبلیغی نصاب بے شک پڑھا جاتا رہا لیکن پاکستان کے عام لوگ زیادہ تر بریلوی رسموں کا شکار رہے اور انہیں سنت اور بدعت میں فرق معلوم کرنے کے لیے مناسب وقت نہ مل سکا۔ اور نہ ان کے بریلوی علماء کو ان پر کچھ رحم آیا۔

عقائد کا اختلاف بے شک اب بہت سرد پڑ چکا ہے یہاں کے سخیہ طبقوں کا اب اب عام تاثر یہ ہے کہ یہ مولانا احمد رضا خاں کے مجملے الزامات تھے جو انہوں نے علمائے دیوبند پر لگائے تھے اور انہیں دوسرا دوسرا کام کرنا اور جہد گوں کا بے ادب کہنا تھا یہ لوگوں کو شبہات کے بادل بہت حد تک چھٹ چکے ہیں۔ اب یہ صرف چند معمولی بدعات ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے، عام جاہل لوگ بھی اب اتنا دینی شعور پا چکے ہیں کہ طابع سلیمہ ان شرکیہ عقائد کو قبول نہیں کرتیں جنہیں ہم جلد ختم میں شرکیہ عنوان سے آپ کے سامنے لا چکے ہیں۔ بہت کم بریلوی ہوں گے جو آج اپنی دنیوی حاجات قبروں سے مانگتے ہوں گے۔

ویسے تو ان لوگوں کے ہاں بدعات کی ایک لمبی فلم ہے جو سنیت کے نام سے بل رہی ہے تاہم وہ بدعات جنہیں ان لوگوں نے اپنے علیحدہ فرقہ ہونے کا سنگ میل ٹھہرا رکھا ہے دس کے قریب ہیں ہم یہاں ان پر علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے ان میں بھی ہمارا مقصد صرف مطالعہ بریلویت ہے رد بریلویت نہیں حقیقت حال خدا اور کھٹنے دیں پھر تپ چلے گا کہ یہ حضرات اس دور اختلاف میں کہاں سے کہاں پہنچ رہے ہیں۔ اعاذنا اللہ من هذه المخرافات۔

## مختصر نقشہ بدعات

جن کے تحت پچاس بدعات کی ایک لمبی فلم چل رہی ہے

- ① مکہ شریف کے گرد لائی گئیں بدعات
- ② اذان و اقامت کے گرد کی بدعات
- ③ نماز کے گرد لائی گئیں بدعات
- ④ صلوٰۃ و سلام کے گرد لائی گئیں بدعات
- ⑤ قبروں کے گرد لائی گئیں بدعات
- ⑥ ایصالِ ثواب کے گرد لائی گئیں بدعات
- ⑦ گیارہویں کے لیے تاریخ اور کھانوں کے التزامات
- ⑧ بارہویں کے سالانہ جلوس کے انتظامات
- ⑨ دو عیدوں کے ساتھ تیسری عید کا اضافہ۔ عید میلاد النبی
- ⑩ مساجد میں محافل نعت اور عورتوں کی آمد اور خوشامد

ان دس اصول بدعات کے گرد ان کی متعدد فروغ ہیں۔ پچاس بدعات کی ایک لمبی فلم

دیکھنے سے مطالعہ بریلویت کا یہ باب مکمل ہو جائے گا۔ واللہ هو الخوف لما یحبہ ویرضی بہ۔



## بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد :-

بدعات سنن نبوت کے گرد کانٹوں کی ایک بانڈ ہے اور دین محمدی میں ایک اضافہ — اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے کلمہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج۔ شیطان بخلیت دین کے لیے زیادہ انہی کے گرد گھومتا ہے۔ ایک بڑھنہ ایک بڑی عبادت ہے کچھ بدعات اس کے گرد جمع کر دیں ۲۰ نماز دین کا ستون ہے کچھ بدعات اذان اور نماز میں ڈال دیں ۳۔ صدقات و خیرات کو تیجے دسویں اور چالیسویں سے داغدار کیا گیا۔ ماہ نہ گیا رہیں اور سالانہ بڑی گیارہویں کو عوام میں زکوٰۃ سے زیادہ اہم بنا دیا گیا ۴۔ رمضان کے آخری عشرہ میں ضرورت سے زیادہ چراغاں کرنا اور نفل نمازیں تداوی سے بڑھنا اعمال اسلام قرار دیئے گئے۔ ۵۔ حج کے موقع پر ائمہ حرمین کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور حجب کے دن ظہر پڑھنا اپنا نشان بنادیا۔

عید میلاد کے نام سے ایک تیسری عید کا اضافہ — عرسوں کے نام سے قبروں کے میلے — یہی سنتی دروازوں سے گزرنے کے ریلے اور امام جعفر صادقؑ کے نام سے ۱۲ رجب کے کوئٹے اور ان جیسی اور کئی بدعات ان کے علاوہ ہیں جنہیں جاہلی مسلمان نیکی اور عبادت سمجھ کر بجا لاتے ہیں۔

اہل سنت مسلمانوں کو چاہیے کہ ان اعمال کو فقہ حنفی کی روشنی میں دیکھیں۔ علمائے اہل بدعت اپنے اس نئے مذہب کو فقہ حنفی سے کبھی پیش نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں وہ صرف مومات قرآن اور تفسیر بالراۃ سے کام لیتے ہیں۔ احادیث و پیش کرتے ہیں جو سرے سے موجود نہیں ہوتیں یا ضعیف ہوتی ہیں جو عقائد کے باب میں قابل قبول نہیں ہوتیں۔ اگر یہ لوگ فقہ حنفی کی روشنی میں کتاب و سنت میں اترتے تو یہاں انہیں کسی بدعت کی گنجائش نہ ملتی۔

اے مالک جی! ان بے علم مسلمانوں کی ان ظالم علماء سے حفاظت فرما۔ انہیں ہدایت دے یہ جانتے نہیں اور

مترجم: عفا اللہ عنہ

وہ دائماً ان کے درپے ایمان میں۔



## اقتسامیہ

## بحر الظلمات من امواج البدعات

الحمد لله وسلام عباده الذين اصطفى اما بعد فقد قال الله تعالى او كظلمات  
 فی بحر لحي يفضله موج من فوقه موج من فوقه سحاب وظلمات بعضها فوق بعض اذا  
 اخرج يده لم يكديها وامن لم يحبل الله له نوراً فما له من نور وقال رسول الله صلى  
 الله عليه وسلم من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد او كما قال النبي صلى الله عليه  
 وسلم رواه البخاري جلد ۱ ص ۳

بدعات کا محکمہ بے علم مسلمانوں پر زیادہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی بے علمی کے باعث اندھیروں میں  
 ہیں پڑے علماء سے دور رہنے کی انہیں کئی طریقوں سے ترغیب دی جاتی ہے۔ مجال ہے کہ کتاب و  
 سنت کی کوئی خوشبو تک انہیں نصیب ہو۔ ان کے مولوی تو شاید اپنے لیے کوئی تاویل کر لیتے ہوں  
 گے کہ وہ ان اعمال کو صرف ایک عمل مباح ہی جانتے ہیں نہ کہ کوئی عمل خیر۔ وہ اسے سنت یا واجب  
 نہیں سمجھتے۔ لیکن ان کے عوام بدعات کے بحر ظلمات میں ایسے گھرے ہیں کہ جب کوئی شخص اس سے  
 ذرا بھی کھینچنے کی کوشش کرے تو ان کے مولوی پھر اسے واپس گھسیٹ لاتے ہیں۔ عوام کا کوئی علمی  
 پس منظر نہیں ہوتا۔ نہ وہ اپنے مولویوں کی کچھ جانچ پڑتال کر سکتے ہیں نہ ان کی عورتیں گھروں میں بیٹھی  
 کبھی ان مسائل کو جاننے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان حالات میں دنیا پرست شکم پرور مولویوں پر  
 یہ بات بہت آسان ہو جاتی ہے کہ جب چاہیں کسی عمل کو جذبات کا رنگ دے دیں اور اپنے  
 پیروؤں کو ہمیشہ کے لیے طرح طرح کے کھانوں پر لٹکا دیں۔ کبھی کوئی کھانا کچے اور کبھی کوئی بزرگوں  
 کے نام پر مختلف ذائقوں کو شہرت دے کر انہوں نے اپنے لیے ہر روز نئی بہار پیدا کر رکھی ہے  
 ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی مسجد ایسی نہ رہے جس میں سالانہ بڑی گیارہویں نہ ہوتی ہو۔

عوام بے چارے ان عملی بدعات میں اتنے گہرے جا ڈوبے ہیں کہ ان کو کسی طرح ان ذائقوں سے نکلتا نصیب نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ پھر ان میں اور ان رسموں کے نہ ماننے والوں میں اتنا مذہبی فاصلہ قائم ہو جاتا ہے کہ یہ بے چارے عوام اپنا کلمہ اپنی اذان اپنی نماز اور اپنی مسجدوں تک گد دوزوں سے جدا کر لیتے ہیں۔ انگریزوں کی ہندوستان میں سیاسی پالیسی تھی کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں میں تقسیم عمل میں لاء اور اپنی حکومت کے دن بڑھانے چلے جاؤ۔ اسی پالیسی سے وہ سو اسو سال تک حکومت کر گئے۔

انگریزوں کی اس سیاسی پالیسی کے نتیجے میں ہندوستان کے سوادِ اعظم اہل سنت و دھرموں میں تقسیم ہوئے۔ ان کی اجتماعی حیثیت جاتی رہی، شیعہ اپنی جگہ خوش ہونے کے حوالہ اہل سنت میں بھی چکر کچھ ساتھی پیدا ہو گئے۔ یہاں تک روز نامہ زمیندار نے نہروئی

شیعہ بریلوی سے گلے مل رہا ہے آج لکھنؤ میں بچے دونوں کا قارورہ مل گیا  
کندھا دیا جنازہ ملت کو ایک نے اور ایک جا کے قبر پہ پتھر کی سل گیا

سمجھ دار مسلمان اور تعلیم یافتہ لوگ ان مولویوں پر فرقہ بندی کا الزام دھرتے رہے اور یہ مولوی اندر ہی اندر خوش ہوتے رہے کہ حلو کچھ بھی ہو عوام کے گھروں سے ان کی پورے سال کی روٹیوں کا سامان ہو گیا ہے اور اس دوران میں کچھ اور لوگ بھی تو مر گئے ان کے تیجے دسویں اور چالیسویں جب اپنی باری میں آئیں گے اور پھر کوئی اور بھی تو مرے گا تو یہ کھانوں اور ختموں کا تسلسل کبھی نہ ٹوٹے گا۔

جو لوگ ان کے ساتھ شامل نہ ہوں ان کی کیا گت بنتی ہے یہ ان لوگوں سے پوچھو جو اہل عبت کی مسجدوں کے قریب بستے ہیں اور ان کے مولویوں سے شب و روز سنتے ہیں کہ یہ ایوانِ نعمت اور علود کے جلوے ان بد نصیبوں کی قسمت میں کہاں — یہ گیارہویں کو نہیں مانتے — پھر ان کی مسجدوں میں نماز بغیر اللہ کے نعرے گونجتے ہیں اور پولیس رپورٹر انگریز وپٹی کشنر کو اطلاع دیتا ہے کہ مولانا فضل رسول کو گیارہ روپے یومیہ کا دیا گیا وظیفہ ضائع نہیں گیا۔

محیطی نے ڈھیل پائی ہے نعتیہ یہ شاد ہے  
صیاد مطمئن ہے کہ کاٹا نکل گئی

باقی مذہب مولانا احمد رضا خاں نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے نہایت عمدہ اور لذیذ کھانوں کی ایک طویل فہرست مرتب فرمائی۔ یہ اعلیٰ حضرت کا زندگی کا آخری زمانہ تھا۔ اس کی رو سے ان کے مولویوں کے لیے سال بھر کے کھانوں کی ایک لائن لگ گئی۔ مولانا احمد رضا خاں نے تو ہفتے میں صرف دو تین بار ان کھانوں کی طلب کی تھی لیکن اہل بدعت کے یہ مولوی صاحبان ہیں کہ ان کا تسلسل کہیں نہیں ٹوٹتا۔

ہمارے معاشرے کے مسلمان بدعات کے اتنے رسیا ہو چکے ہیں کہ کھانے پینے کی غفلت اور ختموں کی مجلسوں کے سوا انہیں کہیں رونق نظر نہیں آتی۔ اور مسجد میں بھی وہی بارونق سمجھی جاتی ہیں جہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ علماء بدعت کو آپ جہاں دیکھ پائیں آپ کو دور سے ہی علماء حق اور علماء بدعت میں واضح فرق معلوم ہو جائے گا۔ سنت کا نور بدعت کی ظلمت میں کہیں گم نہیں ہوتا۔

ان حالات میں ہم نے ضروری سمجھا کہ اس گروہ کی کچھ اہم بدعات بطور تقابلی مطالعہ علوم کے سامنے لائی جائیں، ہو سکتا ہے کہ ان اہل بدعت میں ہماری اس کوشش اور خلوص سے کچھ لوگوں پر سنت کا نور پھر سے آچکے اور وہ اس مختصر علمی شعور سے پھر سے اہل سنت کے دائرہ میں آجائیں جس کی دعوت برصغیر پاک و ہند میں علماء دیوبند ایک مدت سے دیتے چلے آ رہے ہیں۔

بدعت پر تقابلی علمی بحث اور اس کے خطرناک نتائج آپ نیچے مقدمہ میں پڑھ آتے ہیں۔ اب ایک نظر مطالعہ بدعات پر بھی کر لیجئے۔ یہ ایک گہرا تجربہ ظلمات ہے جس کا مطالعہ کرنا بھی نفیس طبائع پر ایک بزرگراں ہے لیکن مرض کی تشخیص کے لیے معالج کو بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے کتاب و سنت سے صرف نسخہ شفا ملتا ہے لیکن آیات شفا کو کہاں منطین کرنا ہے اس میں قارئین کرام کو خود عزم و بہمت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

ظلمات بعضہا فوری بعض کی یہ دوسوز داستان یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ دنیا کے مختلف ممالک

میں اہل بدعت کی اپنی بدعت ہیں ہم یہاں صرف ان بدعات پر گفتگو کریں گے جو بڑے صغیر پاک و ہند میں انگریزی عملداری کے دوران میں عمل میں آئیں۔ بدعت ہمیشہ علاقائی رہتی ہے۔ یہ صرف سنت ہے جو آفاقی ہے۔ اللہ تعالیٰ بدعت کو کبھی آفاقی درجہ میں آنے نہیں دیتے۔ اس کی لہر جہاں اٹھتی ہے وہیں مٹھتی ہے۔ جب یہ ہاتھ نکالے تو نہیں لگتا کہ وہ اسے خود دیکھ پائے اور جسے اللہ ہی روشنی نہ دے کون ہے اسے روشنی دینے والا۔

اوکظلمات فی بحر لّٰحِیّ یغشّٰہ موج من فوقہ سحاب ۛ ظلمات بعضها فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یجد یراھا ومن لم یجعل اللہ لہ نورًا فمالہ من نور۔ (پہلا نور ۴۰)

ترجمہ۔ یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں۔ چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر۔ اس پر ایک اور لہر۔ اس کے اوپر بادل۔ اندھیرے ہیں ایک پر ایک جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ وہ اسے سوچھے۔ اور جسے اللہ نے ہی نہ دی روشنی اس کے واسطے کہیں روشنی نہیں ہے۔

بدعات سنن نبوت کے گرد کانٹوں کی ایک باڑ ہے اور دین محمدی میں ایک اضافہ — اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے کلمہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج۔ شیطان تحریف دین کھیلے زیادہ انہی کے گرد گھومتا ہے

- ۱۔ کلمہ پڑھنا ایک بڑی نعمت ہے۔ بریلویوں نے کچھ بدعات اس کے گرد جمع کر دیں
- ۲۔ نماز دین کا ستون ہے۔ انہوں نے کچھ بدعات اذان اور نماز میں ڈال دیں۔ ۳۔ زکوٰۃ صدقہ وغیرات کو حجے دسویں اور چالیسویں سے داغدار کیا گیا۔ ماہ نامہ گیارہویں اور سالانہ بڑی گیارہویں کو اپنے جلوس میں زکوٰۃ سے زیادہ اہم بنا دیا۔ ۴۔ رمضان کے آخری عشرہ میں ضرورت سے زیادہ چراغاں کیا اور نفل نمازیں تداعی سے زیادہ پڑھنا شروع کر دیں اور انہیں اعمال اسلام بنا دیا
- ۵۔ حج کے موقع پر ائمہ حرمین کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور جمعہ کے دن ظہر پڑھنا اپنا جماعتی نشان بنادیا

عید میلاد کے نام سے دو عیدوں میں ایک تیسری عید کا اضافہ کیا۔ عرسوں کے نام سے قبروں پر میسے لگائے۔ بہشتی دروازوں سے گزرنے کے لیے نکالے۔ اور امام جعفر صادقؑ کے نام سے ۲۲ رجب کے کوٹھڑے آسمان کے فرشتوں سے پنج پنج کر ڈھونڈے۔ ان جیسی اور کئی بدعت ان کے علاوہ ہیں جنہیں جاہلی مسلمان نیکی اور عبادت سمجھ کر سجالاتے ہیں اور انہیں اپنے ہاں کار خیر کہتے ہیں۔

اہل سنت مسلمانوں کو چاہیے کہ ان اعمال کو فقہ حنفی کی روشنی میں دیکھیں۔ علمائے اہل بدعت اپنے اس نئے مذہب کو فقہ حنفی سے کبھی پیش نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں۔ وہ صرف صحاح قرآن اور تفسیر الرازی سے کام لیتے ہوئے وہ ان پر وہ احادیث پیش کرتے ہیں جو سرے سے موجود نہیں ہوتیں یا ضعیف ہوتی ہیں جو عقائد کے باب میں قابل قبول نہیں ہوتیں۔ اگر یہ لوگ فقہ حنفی کی روشنی میں کتاب و سنت میں اترتے تو یہاں انہیں کسی بدعت کی گنجائش نہ ملتی۔

برصغیر پاک و ہند کا شجرہ بدعت کلمہ کے گرد چند اندھیرے چھوڑتا ہے اور پھر ہر بدعت کو چھوتے ہوئے ایصال ثواب کے گرد چند گہرے اندھیرے چھوڑ کر گم ہو جاتا ہے۔ اسی ترتیب سے عو کو کر لیا گئے۔

- |                                     |   |
|-------------------------------------|---|
| ۱۔ کلمہ پڑھنے میں بدعت کی راہیں     | ۶۔ اہل میت کے ہاں کھانوں کی دعوتیں        |
| ۲۔ اذان و اقامت میں لائی گئیں بدعات | ۷۔ نذر لغیر اللہ برائے طلب حاجات          |
| ۳۔ نمازوں میں لائی گئیں بدعات       | ۸۔ ایصال ثواب میں تاریخوں کا التزام       |
| ۴۔ درود شریف کے گرد لائی گئی بدعات  | ۹۔ غیر مسلموں کے تہواروں کا کھانا اگلے دن |
| ۵۔ قبروں پر کی جانے والی بدعات      | ۱۰۔ میلاد النبی کی تقریب بصورت عید        |

وہ کون سی عبادت ہے جہاں بدعات کا اندھیرا نہیں پہنچا۔ آپ اسے عنوان بہ عنوان دیکھتے جائیں اور اس قوم کی قسمت پر آنسو بہاتے جائیں جس نے نہ صرف تقسیم امت کا جرم کیا ہے بلکہ درمیان میں تکفیر کی بہت اونچی دیوار کھڑی کر دی ہے اور یہ لوگ بحر ظلمات میں اس قدر کھو کر رہ گئے کہ کوئی کنارے پر آتا دکھائی نہیں دیتا۔

ان كنت لا تدري فتلک مصيبة

وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

یہ بدعات چونکہ آپس میں مربوط ہیں اس لیے بسا اوقات آپ کو ایک بدعت کی ظلمت دوسری میں بھی دکھائی دے گی وہاں ہم پھر علم کی روشنی لائیں گے جسے ہم پہلے اندھیروں میں کھلا چکے۔ اس لیے بعض مقامات پر تحکماء و حوالجات ضروری معلوم ہوا۔ محدثین کے مسلک پر ایک حدیث بعض اوقات کئی کئی ابواب میں لائی پڑتی ہے۔ ہم اس پر اپنے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

اب آپ اس شجرہ بدعات پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ایک ایک بدعت کے سونے آگے کہاں کہاں جا کر پھوٹتے ہیں۔ نیکی نیکی کو جنم دیتی ہے۔ جیسے فرمایا۔ ان الصلوة تمنی عن الفضاء والمنکر اور بدی اپنے گرد چاروں طرف سے اندھیروں کی باڑ بنتی ہے جس پر بریلوی مولویوں کے سوا کوئی بھی مسکوتا نہیں دیکھا گیا آئیے اس بحر ظلمات میں اتریں اور بدعات کی ان پچاس موجوں پر بریلوی مولویوں کی تلاطم خیز موجیں ملاحظہ فرمائیں۔

## شجرہ بدعات

## شجرہ بدعات

## 1- کلمے میں بدعت کی راہیں

پیروں کے پیچھے مریدوں کا کلمہ پڑھتے چلنا  
فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنا  
کاج کے کلمے پڑھانے کی رسم  
جنازہ کے ساتھ کلمہ پڑھتے جانا  
اپنی طرف توجہ دلانے کیلئے کلمے کا استعمال

## 2- اذان و اقامت میں لائی گئی بدعتیں

اذان میں صلوٰۃ و سلام کا اضافہ  
اذان میں حضور ﷺ کے نام پراگٹوٹھے چومنا  
جمعہ میں اذان ثانی مسجد میں نہ ہونے کی تجویز  
تہامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے پر اصرار کرنا  
دبا اور قحط دور کرنے کیلئے اذان دینا

## 3- نماز میں لائی گئی بدعتیں

حرارات پر نمازیں پڑھنے میں فضیلت کا اعتقاد  
تشمید میں حضور ﷺ کی طرف صرف ہمت کرنا  
آخر حرمین کے پیچھے نماز نہ پڑھنا  
نماز جنازہ کے فوراً بعد اجتماعی دعا کرنا  
نمازوں میں نماز غوثیہ کا اضافہ کرنا  
4- درود شریف کے گرد لائی گئی بدعات

درود و سلام بآواز بلند پڑھنا  
درود سے حضرت ابراہیم کا نام نکالنا  
درود و سلام میں افراد کو مکروہ کہنا  
درود و سلام کھڑے ہو کر پڑھنا  
لوگوں کو متوجہ کرنے کیلئے درود پڑھنا  
5- قبروں پر کی جانے والی بدعات

مزاروں کی سالانہ عید (عید بقر)

مزاروں کا سالانہ غسل

قبروں پر پھولوں کے گلہستے

قبروں پر نذریں ماننا

قبروں کی نذر مرغے اور بکرے

قبروں پر لڑکیوں کے چڑھاوے

قبروں پر غورتوں کی حاضری

قبروں کا طواف اور دیوار بوسی

قبروں پر اذان دینے کی بدعت

قبروں کو پختہ بنانا اور وہاں کھانے لانا

قبروں پر سجادہ نشینوں کے اڑے

قبروں پر غلط قسم کے کاروبار

مرید غورٹیں پیروں کی باندیاں

جنازہ دیکھتے کھڑے ہو جانا

قبروں پر چراغاں کرنا

## 6- قسم پڑھنے کی رسم

ایصال ثواب کے لئے تارنجوں کا التزام

ایصال ثواب کیلئے کھانوں کا تعین

اہل میت کے ہاں دعوتیں اڑانا

ایصال ثواب کا کھانا امیروں کو کھلانا

ہندو کا کھانا اگلے دن کھانا

## 7- گیارہویں شریف

گیارہ روپے روزانہ سرکاری وظیفہ

گیارہویں میں عوام و خواص کے دو مسلک

جرمنی میں پاگلوں کی عید کا ایک منظر

پاکستان میں میلے سارا سال

سرکار بغداد کی نظریں

## 8- میلاد النبی بصورت عید منانا

حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کی تصویری یاد

ولادت منانے کی رسم پہلے سے دوتو موں میں

عیدیں صرف دو ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ

مساجد میں محافل نعت

قیام تعظیم

بدعات بظاہر چھوٹے چھوٹے اعمال ہیں اور بظاہر یہ ایک معمولی جرأت معلوم ہوتی ہے لیکن اس حقیقت سے کبھی صرف غفلت کی جائے کہ بدعت مصیبت سے اتنی قریب نہیں جتنی یہ کفر کے قریب ہے۔ بدعات کا یہ طوفان اگر اکٹھا کسی قوم پر اُٹھ اُٹھ آئے تو اس گروہ کے ایک ایک فرد کا ایمان پر خاتمہ ہونا نہایت خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

سواہل بدعت کا یہ طبقہ لائق نفرت نہیں لائق خیر خواہی ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے نفرت مرض سے کی جائے مریض سے نہیں اس سے جتنی سہمدردی کی جائے کم ہے ہم ان لوگوں کو نہیں جو مریض سے نفرت کرتے ہیں اور اختلاف کو اور بڑھاتے ہیں۔ باہمی اختلاف میں نفرتیں بڑھانے والے نادان عوام کو اور زیادہ اندھیروں میں دھکیلے ہیں۔

اے مالک حقیقی ان بے علم مسلمانوں کی ان ظالم علماء سے حفاظت فرما۔ انہیں ہدایت دے یہ نہیں جانتے اور یہ علماء میں جو دامن ان کے دپے ایمان ہیں اور ان پر ذرا رحم نہیں کھاتے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے ائمہ دین دوست (باصطلاح جدید) شرک و بدعت کے اس طوفان میں ہمارا ساتھ نہیں دے رہے۔ ان کی ساری توانائیاں اس پر لگ رہی ہیں کہ فردعی مسائل جو صحابہ نہیں بھی اختلافی رہے ان میں حق و باطل کے فاصلے کھڑے کر دیں محدثین نے تو ایسا نہیں کیا تھا۔ اہل سنت کے ہاں ائمہ دین کی یہ کوشش ایک دینی شیعیت ہے۔ اہل سنت صحابہ کے کسی طبقے کو باطل پر نہیں کہہ سکتے۔ گو وہ اس میں ان کی پیروی نہ کریں۔

ساتھ دینا تو درکنار یہ لوگ اُنّا شیخ محمد بن عبدالوہاب اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کو کوستے ہیں کہ انہوں نے شرک و بدعت کے خلاف کیوں یہ عہد ساز کام کیا مشہور ائمہ دین عالم علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:-

ہمارے بعض متاخرین نے شرک کے معاملہ میں بڑا تشدد اختیار کر رکھا ہے اور اسلام کا دارہ بہت تنگ کر دیا ہے کہ امر کو دہ یا محرمہ کو بھی شرک قرار دے دیا ہے۔ بلکہ



اسلام کے دائرے کو اس طرح وسیع کرنا کہ اس میں کسی درجہ کا مشرک بھی سمو جائے اس کی ہمیں کتاب و سنت سے کوئی راہ نہیں ملتی کاش کہ ہمارے ائمہ حدیث و سنت شیخ محمد بن عبد الوہابؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی اس طرح مخالفت نہ کرتے اور انہیں متشدد قرار نہ دیتے اہل بدعت کی یہ ظلمتیں آپ کو ان کے کلمہ پڑھنے کے گو دھبی ہر طرف چھائی ملیں گی ان کی نمازوں پر بھی آپ کو ہر طرف بدعتوں کے اندھیرے نظر آئیں گے۔ حرمین شریفین میں داخل ہو کر بھی ان کے دروں کی ظلمتیں نہیں دھلتیں اور وہ دھلیں بھی کیونکہ جب یہ وہاں جا کر بھی جمعہ نہیں پڑھتے اور بر ملا کہتے ہیں کہ ائمہ حرمین کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔

ہم ان کی کل بدعات کا احاطہ تو نہیں کر سکیں گے۔ تاہم ان کی عام اختیار کردہ چالیس کے قریب بدعات کا ہم تنقیدی جائزہ لیں گے۔ امید ہے مطالعہ بریلویت کی چھٹی جلد بریلویوں کی ان بدعات کو کسی حد تک ضرور بے نقاب کرے گی جس طرح اس کی پانچویں جلد نے ان کے عقائد خمسہ کو ضروری حد تک خوب کھول دیا ہے۔

مطالعہ بدعات میں ہم نے ان کی کتابوں کو جو انہوں نے اپنے نظریات کی حمایت میں لکھی ہیں بہ نظر غائر دیکھا ہے اور ان کے دلائل کو بھی بغیر جانبدارانہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے مگر افسوس کہ ہمیں ان کتابوں میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں ملا۔ تاہم بعض کتابوں کے نام یہاں بھی لکھ دیتے ہیں۔ قارئین کرام کی نظر میں بدعات کی حمایت میں ان سے بہتر کوئی کتاب گزری ہو تو ہمیں اس سے مطلع کر کے ممنون فرمائیں تاکہ ہم اسے بھی دیکھ پائیں۔

## بدعات کی حمایت میں جو کتابیں بریلویوں نے تفریق امت کے لیے لکھیں

- ۱۔ سیف الجبار علی اعداء الما بار
- ۲۔ بوارق المحدث علی الطائفۃ الشیطانیۃ النجدیہ
- ۳۔ تصحیح المسائل۔ یہ حضرت شیخ محمد اسحق محدث دہلوی رحمہ کے رد میں لکھی گئی۔
- ۴۔ نصر المسلمین
- ۵۔ حق الیقین

۶. سیف الاسلام  
۸. اشباع الکلام  
۱۰. الانوار الساطعہ  
۱۲. الکتبۃ الشہابیہ  
۱۳. خالص الاعتقاد  
۱۶. عرفان شریعت  
۱۸. الحروف الحسن علی الکتابۃ علی الکفن  
۲۰. بذل الجواز علی الدعاء بعد الجنائز  
۲۲. ازوار الانوار من صلوۃ الاسراء  
۲۳. ازالۃ العار  
۲۶. ابناء المصطفیٰ  
۲۸. شان حبیب الرحمن  
۳۰. مقیاس حقیقت  
۳۲. سلطنت مصطفیٰ  
۳۳. انوار الرضا  
۳۶. فتاویٰ مظہری  
۳۸. فتاویٰ افریقیہ  
۴۰. ملفوظات احمد رضا  
۴۲. الحجۃ الواہرہ  
۴۴. بجانب اہل السنۃ
۷. غایت المہرم  
۹. امانۃ الازلی  
۱۱. سبحان السبح  
۱۳. حسام المحرمین  
۱۵. احکام شریعت  
۱۷. تمہید ایمان  
۱۹. الدولۃ المملکیۃ  
۲۱. ایدان الاجرن فی اذان العبر  
۲۳. الحجۃ الفاتحۃ بطیب التعمین والفتوح  
۲۵. اجلی انوار الرضا  
۲۷. نور العرفان حاشیہ قرآن  
۲۹. جاء الحق ہر دو حقتہ  
۳۱. مقیاس النور  
۳۳. المیزان (احمد رضا نمبر)  
۳۵. انوار شریعت  
۳۷. فتاویٰ رضویہ  
۳۹. مواظبہ نعیمیہ  
۴۱. دوام العیش  
۴۳. قہر القادر علی الکفار الیاد

## علمائے اہلسنت کی کارروائی

علمائے اہل بدعت کی کتاب وسنت کی اس تحریف کے خلاف اکابر علمائے اہلسنت اٹھے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانا رفیع حسن چاند پوریؒ اور شیخ الحدیث مولانا عبد الغنی شاہ جہا پوریؒ مولف المجلۃ لاہل السنۃ۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ (مولف سیف یمانی برمکاء فرقہ رضا فانی اور فتح بریلی کا وکس نظارہ) مولانا سید فردوس شاہ قصوری مولف چراغ سنت اور شیخ الحدیث مولانا سر فراز احمد خاں صفدر مولف راہ سنت نے توحید سنت کی حمایت میں اتنا کام کیا کہ علماء اہل بدعت کا کہیں کوئی علمی وزن محسوس نہ کیا گیا اور نہ یہ اس قابل تھے۔ ہم اہل بدعت کی انگریزی حکومت کی سیاسی خدمات۔ ان کے علمائے حق اہل سنت و جماعت پر افراکت۔ ان پر ہندو مذہب اور شیعت کے اثرات پر پہلے بہت کچھ لکھ آئے ہیں یہاں ہم صرف ان کی عملی بدعات پر کچھ تنقیدی تبصرہ کریں گے۔ یہ مطالعہ بریلویت ہے رد بریلویت نہیں۔ تاہم یہ حقیقت از خود واضح ہو جائے گی کہ یہ لوگ کس طرح اہل سنت سے نکل کر مذاہب کی دنیا میں اپنا ایک علیحدہ شیمہ لگا چکے ہیں۔

اہل بدعت کے علمائے میں ۱۔ مولانا فضل رسول بدایونی (ہ) ۲۔ مولانا عبد السمیع رامپوری

(ہ) ۳۔ قاضی فضل احمد گورداسپوری (ہ) اور ۴۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی

(ہ) ان کے ائمہ اربعہ ہیں۔ بدعات کو علمی استشہاد مہیا کرنے اور علمائے دیوبند سے فاصلہ بخیر

اختیار کرنے ہیں مولانا احمد رضا خاں نے تاریخی کردار ادا کیا ہے اور وہی اس نئے مذہب کے

بانی سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی وصیت میں اپنے مذہب پر علینے کی تلقین کی ہے اور اسی

جہت سے انہیں بریلویوں کا اعلیٰ حضرت کہا جاتا ہے۔ مولانا عبد السمیع رامپوری شریک عقائد کی حمایت

میں اتنے آگے نہیں گئے جتنے وہ بدعات میں آگے بڑھے ہیں۔ انوارِ ساطعہ انہی کی تالیف ہے۔

مولانا احمد رضا خاں انہیں اپنا بڑا سہمائی لکھتے ہیں۔ ان کا علمائے دیوبند سے بکھر کی حد تک اختلاف

نہ تھا۔ ان کے دوسرے دور کے ائمہ اربعہ میں پہلے مولانا نعیم الدین مراد آبادی ہیں۔ دوسرے مولانا  
حسنت علی لکھنوی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں مولانا احمد رضا خاں کی روح عود کر آئی تھی  
انہیں یہ لوگ منظرِ اعلیٰ حضرت کہتے ہیں۔ ان کے تیسرے اہم مفتی احمد یار خاں گجراتی رہے اور چوتھے مولانا محمد عمر  
اچھروی ہوئے۔ ان کے ان دو آخری اماموں نے بدعات کی حمایت میں جہاں الحق اور معیاسِ حنفیت  
جیسی کتابیں لکھ کر بدعات کی گنتی ہوئی دیواروں کو سہارا دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اندوس کہ یہ  
سارا سمندر کا جھاگ اسی طرح سہہ گیا جس طرح یہ انگریز کے دور میں اٹھا تھا۔ اما الذبد فی ذہب جفاہ۔  
ان لوگوں کی تابلیغات میں ان کے غصے کا لیوں الزامات علمی تحریفات اور عقائد کے اختلافات  
کو چھوڑ کر ہم یہاں صرف ان کی انہی علمی بدعات کی نشاندہی کریں گے جن کو انہوں نے اپنا جماعتی نشان بنا  
رکھا ہے۔ آپ انہیں کسی علمی میزان میں رکھیں تو ان میں آپ کو ایک اور پروا پر کی جھاگ کے سوا اور کچھ نظر نہ  
آئے گا۔ پھر بھی ہم نے ان کی کتابوں پر ایک تنقیدی نظر کی ہے اور صحیح ہے کہ ہم ان سے مطالعہ بریلویت  
میں کافی مدد ملی ہے۔

بدعات کی ان سیاہ گٹھاؤں کے باوجود ہمیں ان کے عوام سے پوری ہمدردی ہے وہ بچائے  
جاتے نہیں اور ان کے یہ ائمہ ان پر کسی طرح کا رحم نہیں کھاتے۔ ان کی پوری تحریک ان کو شرک و بدعت  
میں دھکیلنے میں چل رہی ہے۔

اے مالکِ حقیقی ان بے علم مسلمانوں کی ان ظالم علماء سے حفاظت فرما اور اپنی طرف سے ان کے دلوں  
میں توحید و سنت کا نور اتار دے تاکہ ہم سب ایک ہو کر یہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے عنوان سے  
دنیا میں ایک باوقار قومی سطح پر جمع ہو سکیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے نیل کے ساحل سے لے کر تاجناک کا شہر

ان ارید الا الاصلاح و ما حقیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

مؤلف عفا اللہ عنہ

# بدعات کا بحر ظلمات سنت سے بھٹکے کہاں جا آئے

الحمد لله وسلامٌ على عباده الذين اصطفى اما بعد :

اسلام کے ارکان پنجگانہ میں کلمہ پہلا رکن ہے اہل بدعت نے اسے بھی مصفیٰ اور شفاف نہیں رہنے دیا نہ اسے وہ کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ دور جا چکا جب دنیا میں کلمہ گو ایک اسلامی اصطلاح تھی اور کلمے کا ہر حلقہ اسلامی میں ایک احترام تھا۔ اختلافات کے اس نئے دور میں اہل بدعت نے اپنے ماحول میں کلمے کی یہ اہمیت بھی رہنے نہیں دی کلمہ گو مسلمانوں پر بھی کفر کے تیرا س بے درد دی سے پھینکے کہ شرافت اور دیانت سرخ کر دہ گئیں یہاں پہلے ہم کلمہ کے مضمون اور حقوق پر چند سطور لکھتے ہیں۔ ازاں بعد ہم ان کانٹوں کی نشاندہی کریں گے جو اہل بدعت نے کلمہ کے گرد بھیلار کھے ہیں۔

کلمہ شریف پاک کلمہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور صرف اس ایک کے لائق عبادت ہونے کا اظہار ہے۔ مکہ میں قریش میں پیدا ہونے والے۔ عبدالمطلب کے پوتے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار اور اس دور میں آپ کی ہی رسالت کے کافی اور ذاتی ہونے کا عقیدہ لپٹا ہوا ہے۔ جس مسلمان کا آخری کلام یہ کلمہ ہوا وہ خوش نصیب جنت میں جانے کے لائق ہو جاتا ہے۔

اس کلمے کے اقرار پر بشرطیکہ اس سے اس اقرار کے خلاف کوئی بات صادر نہ ہو۔ دنیا کے بھی بہت سے احکام مرتب ہوئے ہیں جیسے نکاح، داغہ حرم، وراثت اور نماز جنازہ کا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہونا وغیرہ اور آخرت میں بھی انسان اس کلمہ کی بدولت اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں داخلہ ہوتا ہے۔

اس کلمہ کو اقرار شہادتین بھی کہتے ہیں یہ عقیدہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے الفاظ سے بھی اور کلمہ شہادت کے الفاظ سے بھی بیان ہو جاتا ہے۔ اس اقرار میں آنے والے کو مومن اور

مسلم کسی نقطہ سے بھی ذکر کیا جاسکتا ہے۔ یہ دنیا ظاہر پر مبنی ہے۔ اس میں کسی کے اندر سے بحث نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے اندر کی بات اس اقرار کے خلاف اس سے خود ظاہر نہ ہو جائے۔ سو یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص مسلم تو ہے مگر مومن نہیں ہے یا مومن تو ہے مگر مسلم نہیں۔ دین کامل ہونے کے بعد اب ان میں کوئی فرق نہ کیا جائے گا۔ ہاں ایمان اور اسلام کی تعریف علیحدہ کی جائے تو ایمان میں عقائد اور اسلام میں اعمال کا پہلو غالب ہوگا۔ تاہم یہ بات صاف چلے گی کہ اعمال خیر کا مجموعہ بدوں ایمان تقرب نہیں پاتا۔

عربی میں جس طرح سبحان اللہ کہنے کو تسبیح کہتے ہیں لا الہ الا اللہ پڑھنے کو تہلیل کہتے ہیں اور اللہ اکبر کہنے کو تکبیر کہتے ہیں تسبیح ہو یا تہلیل یا تکبیر یہ سب اذکار ہیں اور اعمال ہیں اور ان کے پیچھے اللہ رب العزت کے پاک ہونے لائق عبادت ہونے اور ذات کبریا ہونے کا عقیدہ کار فرما رہتا ہے۔

کلمہ اسلام میں کتنی روشن اور شفاف سچائی ہے مگر افسوس کہ لوگوں نے اس میں بھی بہت سی بدعات کی راہیں نکال رکھی ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے بعض کی نشاندہی کیے دیتے ہیں یہ بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات ہیں اور ان کے پیچھے اہل بدعت کے وہ عقائد غمخس ہیں جنکی نشاندہی ہم جلد بیچم میں کرتے ہیں۔

### کلمہ میں بدعت کی راہیں

کلمہ میں اقرار شہادتین ہے :-

- ۱۔ ایک صرف ایک معبود کی شہادت ہے
- ۲۔ اور دوسری اس دور کے صرف ایک رسول کی بات ہے۔

اس میں کسی تیسری شہادت کا ذکر نہیں نہ اصول اسلام کی روشنی میں ہمیں کسی اور شہادت کی ضرورت ہے بدعت فی العقائد کے مجموعہ اٹھے اور انہوں نے کلمہ میں ایک تیسری شہادت اس

طرح داخل کر دی۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی دلی اللہ

ہماری اذان میں بھی دوہی شہادتیں ہیں :-

۱۔ اشہدان لا الہ الا اللہ

۲۔ اشہدان محمد رسول اللہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں یہ دوہی شہادتیں تھیں عراق میں کچھ لوگ اٹھے اور انہوں نے ایک تیسری شہادت بھی اذان میں داخل کر دی۔

۳۔ اشہدان علیاً ولحہ اللہ

آگے اذان کی بحث میں ہم اس پر ان شاء اللہ کچھ حوالے پیش کر سکیں گے۔

کلمہ ایک نہایت پاک کلمہ ہے اس میں اپنے عقیدے کا اظہار ہے ہم اسے کسی وقت بھی پڑھ سکتے ہیں یہ افضل ترین ذکر ہے کتاب و سنت میں اسے مطلق رکھا گیا ہے اسے اپنی طرف سے کسی خاص وقت، کسی خاص ہیئت، یا کسی دوسرے عمل کے ساتھ خاص کرنا یہ دین میں ایک زیادتی ہے اس زیادتی کو بدعت کہتے ہیں شرع کے احکام کی مدد و قیود بھی شرع سے ہی ملنی چاہیئے۔ ہمیں اپنی طرف سے کسی مطلق کو عقیدہ کرنے کا حق نہیں کلمہ پڑھنے کو چند اوقات اسے خاص کر لینا اس پر شرعی دلیل درکار ہے :-

۱۔ فرض نمازوں کے بعد سب نمازیوں کا بلند آواز سے کلمہ پڑھنا۔

۲۔ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمہ پڑھنا اور کلمہ شہادت کلمہ شہادت کی آوازیں لگانا۔

۳۔ نکاح کے وقت دلہن اور دولہا سے کلمے پڑھانا۔

۴۔ غسل کرنے کے بعد کلمہ پڑھنا۔

ان سب تخصیصات کے لیے دلیل درکار ہے۔

جب بریلوی علماء ان سب تخصیصات پر دلیل پیش کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو وہ

باحث عام کا سہارا لیتے ہیں کہ کتاب و سنت میں ہمیں کہیں اس سے منع نہیں کیا گیا اور وہ نہیں جانتے کہ وہ اس استدلال سے اہل سنت کی لائن سے نکل کر مقررہ کی صف میں جا چکے ہیں۔

کوئی عمل اپنی اصل میں مسنون ہی کیوں نہ ہو کتاب و سنت میں وہ برابر مزبور ہو لیکن اس کی بھی جب ہیئت بدلے اس میں تکلفات آشال ہوں تو وہ مسنون نہیں بدعت ہو جائے گا تو کلمہ گو اپنی ذات میں کتنا پاک اور طیب ہو اسے اپنی تخصیصات سے غاص کرنا کیوں اسے بدعت کے درجہ میں لے آئے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کشفاً اطلاع ہوئی کہ جعفر بن ابی طالب غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے ہیں تو آپ نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ جعفر بن گھر والوں کے لیے کھانا تیار کر دو۔ (وہ ایسے حال میں ہیں کہ ان میں پکانے کی ہمت نہیں) اب ظاہر ہے کہ اہل میت کے ہاں ایسے حال میں کھانا پہنچانا مسنون ہے لیکن لوگوں نے جب اس سنت کو بھی فخر و مباہات اور دکھلاوے میں ڈھال لیا اور لوگ اسے بطریق دعوت کھانے لگے نہ گھر والوں کی تخصیص رہی نہ احساس ضرورت باقی رہا تو پھر علماء نے اسے مسنون کہنے کی بجائے بدعت کا نام دیا۔ اس سے پتہ چلا کہ بدعت کسی نئی چیز کو ذاتاً پیدا کرنے میں محدود نہیں جو چیز ذاتاً پہلے موجود ہے اسے وصفاً نئی ہیئت دینی کسی وقت کی تخصیص دینی یا اسے اس کے درجہ سے اٹھانا مباح کو واجب تک لے جانا یہ اوصاف عمل بھی اسے مندوب و سنت سے نکال کر بدعات میں داخل کر دیتے ہیں۔

مذکورہ واقعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد تھا۔

ان ال جعفر قد شغلوا بشان میتهم فاصنعوا لهم طعاماً

محمد بن نے اسے اس وقت تک سنت جانا جب تک اس عمل کی پہلی ہیئت قائم رہی۔

جب لوگ اپنے رواج میں اسے ایک نئی ہیئت پر لے آئے محمد بن نے اسے بر ملا بدعت کہا کہ اب یہ عمل وصفاً ایک نئی ہیئت میں آگیا ہے۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربیع (۲۷۳ھ) سنن میں مندرجہ بالا حدیث روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-



قال ابو عبد الله فما زالت سنة حتى كان حديثاً فتركه۔

ترجمہ۔ یہ عمل برابر سنت سمجھا جاتا رہا یہاں تک کہ یہ ایک نئی شکل میں آگیا پس یہ

ترک کر دیا گیا۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ بدعت یہی نہیں کہ دین میں کوئی نیا عمل لایا جائے

پہلے سے جو عمل دین میں موجود تھا اسے بھی اگر وصفاً نئی صورت دی جائے تو وہ عمل اپنی اصل کی بنا پر باقی نہ رکھا جائے گا اسے بدعت کہہ دیا جائے گا۔ محدثین نے یہ قاعدہ اپنی طرف سے نہیں گھڑا صحابہؓ کی سوچ بھی یہی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا نماز ضحیٰ کو بدعت کہنا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے گھر میں پڑھنا ثابت ہے اسی قاعدہ سے تھا۔ امام نوویؒ کا درج ذیل بیان ہم پہلے درج کر آئے ہیں لکھتے ہیں :-

اما ما صح عن ابن عمر انه قال في الضحى هي بدعة فمحمول على ان صلواتها في المسجد والتظاهر بها كما كانوا يفعلونه بدعة لا ان

اصلها في البيوت ونحوها مذموم اذ يقال قوله بدعة اي المواظبة عليها لان النبي صلى الله عليه وسلم لم يواظب عليها خشية ان تغضب۔

ترجمہ۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نماز چاشت کے بارے میں جو صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ اسے بدعت کہتے تھے سو اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ اسے مسجد

میں پڑھا جائے اور کھیلے طور پر پڑھا جائے جیسا کہ لوگ اس زمانہ میں کرنے

لگے تھے یہ بدعت ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کا گھروں میں پڑھنا بھی مذموم

ٹھہرے یا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اسے بدعت کہنے کو اس کی مواظبت

(ہمیشہ کی پابندی) پر محمول کیا جائے اس کی مواظبت اس لیے نہ کی تھی کہ کہیں

یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔

کلمہ کے گرد کن راہوں سے بدعات کے کانٹے بکھرے گئے ہیں ان میں یہ چند اعمال بطور نمونہ

ہدیہ قارئین ہیں۔

- ① پیروں کے پیچھے مریدوں کا کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا
- ② فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے اتر آ کلمہ پڑھنا
- ③ نکاح کے وقت دو لہا اور دلہن کو گلے پڑھانا۔
- ④ جنازے کے پیچھے کلمے کا ورد کرتے ہوئے چلنا۔
- ⑤ اپنی طرف توجہ دلانے کے لیے کلمے کا استعمال۔

اب یہاں ہم ان کی کچھ تفصیل کیے دیتے ہیں اس کے ضمن میں اور بھی بہت سے مسائل سمجھ میں آجائیں گے۔

### کلمہ پڑھنے میں بدعت کی راہیں

کلمہ شریف نہایت پاک کلمہ ہے جس سلمان کا آخری کلام یہ کلمہ ہو۔ وہ یقیناً جنتی ہے۔ یہ وہ پاک اقرب ہے جس پر دنیا کے بھی بہت سے احکام مرتب ہوئے ہیں اور آخرت میں انسان اس سے خدا کی بادشاہی میں داخل ہوتا ہے۔

لیکن کلمہ پڑھنے کو کسی خاص وقت یا کسی خاص ہمت یا کسی خاص عمل سے خاص کر لینا یہ اپنی طرف سے ایجاد بندہ ہے۔ شرع کے احکام کی حدود و قیود بھی شرع سے ہی ملنی چاہئیں نہ کہ انسان ان اعمال میں سے کسی عمل کو اپنی مرضی سے کسی وقت کے ساتھ خاص کر لے۔ اس تخصیص وقت پر بھی شرعی دلیل درکار ہے۔

### ① پیروں کے پیچھے مریدوں کا کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا

بریلوی پیر بانہنکلیں گے یا بازار میں چلیں گے تو صاف پہچانے جاتے ہیں کہ یہ بریلوی ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کوئی اور مخلوق آسمان سے نکل آئی ہے۔ سر پر سفید دوپٹہ ہوتا ہے۔ راستہ چلتے حضرت کی دزدیدہ نگاہی ساتھ ساتھ چلنے والے مریدوں کی فدا یا نہ ادا اور کلمے کی دھیمی دھیمی صدا

مجال ہے کوئی کسی سے اپنی بات کہہ سکے۔ روزنامہ جنگ لندن میں ایک پیر صاحب جنہیں بعد میں گیارہ سال قید کی سزا ہوئی تھی۔ جج ان کے چلنے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

اپنی گرفتاری سے قبل ان کا شمار برطانیہ میں رہنے والے ان پیروں و مشائخ میں ہوتا تھا جو اپنے درجنوں مریدوں کے ساتھ چلتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور لوگ عقیدت و احترام کا اظہار ان کے ہاتھ چوم کر اور پاؤں کو چھو کر کرتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں یہ رسم سکھوں سے چلی تھی وہ اپنی مذہبی کتاب گوتمہ صاحب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں تو اس طرح کہ آگے لگے گوتمہ بردار چلتے ہیں اور ان کے پیچھے دوسرے سکھ اشوک پڑھتے چلتے ہیں۔ بریلویوں نے بھی اچھے خاصے پیر کو گوتمہ بنایا ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے کلمہ پڑھتے جاتے ہیں۔ یہ مقدس ہستی کہاں سے کہاں جا رہی ہے اور آج کن سرزمین کے ہاں واردات ہونے والی ہے یہ بات پیر صاحب کے ستری علوم میں داخل ہوتی ہے۔ تاجم مسلمان کی اسلامی عزت اسے کچھ اچھا نہیں سمجھتی کہ آگے آگے آوی ہو اور اس کے پیچھے پاک کلمات پڑھے جا رہے ہیں۔ قرآن کریم میں پاک کلمات کو پشت کے پیچھے رکھنا یہودیوں کا عمل بتایا گیا ہے۔

مبذوقین من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراعظہورہم کانعم لایعلمون

داتبعوا ماتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان۔ (پ البقرہ ۱۰۱)

ترجمہ۔ اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے رکھا گویا کہ انہیں کچھ پتہ نہیں۔ اور وہ ہو لیے اس چیز کے پیچھے (سفل کلمات کے) جو شیاطین حضرت سلیمان کی بادشاہی میں پڑھتے تھے۔

## بریلویوں کا ایک جواب

بریلوی اپنے اس عمل کی حمایت میں کہتے ہیں کہ نماز میں بھی تو مقتدی امام کے پس پشت تسبیحات اور درود پڑھتا ہے تو اگر ہم پیروں کے پیچھے کلمے کا درد کرنے چلتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

ہم جواباً کہیں گے کہ اس میں مقتدیوں کی نیت امام کی طرف منہ کرنے کی نہیں ہوتی کعبہ کی طرف منہ کرنے کی ہوتی ہے۔ صف لمبی ہو تو اس صف کے دائیں طرف اور بائیں طرف کے نمازی امام کے پس پشت نہیں ہوتے وہ سیدھے کعبہ کی طرف رخ کیے ہوتے ہیں بلکہ امام بھی کعبہ کی طرف رخ کیے ہوتا ہے اس میں اصل محل توجہ کعبہ ہے نہ کہ امام۔ مقتدی اگر صرف ایک ہو تو وہ امام کے برابر کھڑا ہوتا ہے۔ سو اس صورت حال میں یہ پاک کلمات کی بے ادبی نہیں کہ انہیں ایک انسان کے پیچھے جگہ دی گئی ہے بخلاف ایک بریلوی پیر کے کہ وہ سمت کعبہ کے الٹ بھی بازار میں چل رہا ہو تو مرید اس کے پیچھے کلمہ پڑھتے جاتے ہیں اور یہ پاک کلمات کو پیٹھ پیچھے رکھنے کا نہایت کریہہ منظر ہے۔ بریلوی پیروں کا ایسی چال سے مقصد جاہل مریدوں کے دلوں میں یہ بات ڈالنا ہے کہ گویا وہ کوئی اور مخلوق ہے جو ان کے لیے زمین پر اتاری گئی ہے عورتیں بھی ان کے پاس آتی ہیں تو یہ ان کے معافی معالج ہونے کے ناطے ان کو پردے سے باہر آنے کا اشارہ دے دیتے ہیں۔

کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم۔

### ② فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

بریلویوں نے فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنے یا درود پڑھنے کی بدعت اختیار کر رکھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صحابہ کرامؓ کبھی فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ نہ پڑھتے تھے نہ درود شریف۔ اس فاسد ہمت میں جس طرح آجکل بریلوی مسجدوں میں نماز کے ختم پر بلند آواز بلند کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ یہ عمل غیر القرون میں کہیں نہ تھا۔

البتہ اللہ اکبر کہنا اور وہ بھی بار بار نہیں۔ بعض روایات میں ثابت ہے مگر وہ روایات خفیفہ کے اصول کے مطابق پر لائق احتجاج نہیں۔ ان کے راوی عمرو بن دینار نے خود اس روایت کا بیجا کہ صحیح مسلم میں ہے اپنے استاد ابو معبد سے انکار نقل کیا ہے۔ حضرت ابو معبد نے عمرو سے کہا کہ میں نے تو اسے روایت نہیں کیا۔ وہ روایت یہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں ہم حضورؐ کی نماز ختم ہونا آپ کے بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے سے پہچانتے تھے۔ اس روایت کے بارے میں استاد نے شاگرد سے روایت کرنے کی نفی کی ہے صحیح مسلم میں ہے۔

قال عمرو فذكرت ذلك لابي معبد فانكره وقال لهما حدثك بهذا الله

ترجمہ عمرو بن دینار کہتے ہیں میں نے اپنے استاد ابو معبد سے اس روایت کا ذکر کیا اور کہا میں نے تو تمہارے پاس یہ روایت بیان نہیں کی۔

سوال : یہ روایت صحیح مسلم میں ہی نہیں صحیح بخاری میں بھی ہے بریلی اسے وہاں سے پیش کرتے ہیں؟

جواب : صحیح بخاری میں بھی اسے عمرو بن دینار ابو معبد سے روایت کرتے ہیں تو صحیح مسلم کی اس تفصیل سے صحیح بخاری کی یہ روایت بھی خفیفہ کے اصول پر لائق احتجاج نہیں رہتی۔

سوال : صحابہ کے عہد میں بعض مسجدوں میں یہ اجتماعی عورت میں کمر اور درود پڑھنے کا رواج ہو چکا تھا؟

جواب : صحابہؓ اس عمل میں ہرگز شریک نہ ہوتے تھے اور جہاں ان کا بس ملے وہاں وہ ان بدعتوں کو مسجد سے نکال دیتے تھے خفیفوں کی مستتر کتاب شامی میں ہے۔

صح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد يملون ويصلون  
على النبي صلى الله عليه وسلم جهرا وقال لهما اراكم الامتدعين؟

یہ عمل آئمہ اربعہ میں سے کسی کے ہاں بھی پسندیدہ نہیں چاروں مذاہب کے لوگ اس کے  
عدم استحباب پر متفق ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۴۴ھ) نقل کرتے ہیں:-

المذاہب الاربعہ علی عدم استحبابہ۔

امام نوویؒ بھی لکھتے ہیں:-

ان اصحاب المذاہب المتبوعۃ وغیرہم متفقون علی عدم رفع الصوت  
بالذکر والتکبیر۔

ترجمہ: جبکہ وہ تمام مذاہب جن کی اس امت میں پیروی جاری ہوئی اور ان کے علاوہ اور بھی سب  
اس پر متفق ہیں کہ ذکر اور تکبیر میں آواز اونچی نہ کرنی چاہیے۔

اور امام ابو حنیفہؒ تو کھل کر کہتے ہیں کہ اگر کما ذکر (مسجد میں) بلند آواز سے گزنا بدعت ہے اور

قرآن کے خلاف ہے۔

حنیفوں کے حلیل القدر عالم علامہ علیؒ لکھتے ہیں:-

ولا بی حنیفۃ ان رفع الصوت بالذکر بدعة مخالف للامری قولہ  
تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ کا مسئلہ یہ ہے کہ ذکر کے ساتھ آواز اونچی نہ کرنا بدعت ہے۔

اور قرآن کے اس حکم کے خلاف ہے کہ اپنے رب کو زاری اور آہستہ آواز سے یاد کرو۔

جو لوگ جماعت میں بعد میں شامل ہوئے اور انہیں سبق کی حیثیت سے اپنی نماز پڑھنی  
کرنی ہے۔ ان کے لیے بریلویوں کا یہ عمل کس قدر تشویشناک ہوتا ہے اس کا احساس انہی لوگوں کو  
ہو سکتا ہے جن کو یہ شوز بار بار نماز بھلا دیتا ہے لیکن یہ بدعتی ہیں کہ لوگوں کو مسجدوں میں پُر امن طرد  
پر نماز پڑھنے ہی نہیں دیتے۔

اگر کوئی شخص کسی سبب سے دیر سے مسجد میں پہنچا اور اب وہ اپنی باقی نماز بطور سبق

کامل کرنا چاہتا ہے تو یہ کیا اس کا حق نہیں کہ وہ اپنی نماز مسجد میں مکمل کر سکے بریلویں اس پر یوں جو سنا کہ تو یہ سے کیوں آیا ہے۔ اس پورے نظام کو بدلنا ہے جس کے لیے مسجدیں بنائی گئی ہیں

## مشائخ علی پور کا بریلویوں سے اختلاف

علی پور ضلع سیالکوٹ میں دو بزرگ پیر جماعت علی شاہ نام کے ہوئے ہیں بڑے پیر صاحب کے بائشین مولانا محمد حسین علی پوری ہوئے جنہوں نے دورہ حدیث حضرت مولانا مفتی کنایت اللہ محدث پوری سے پڑھا تھا اور علی پور کے دوسرے پیر جماعت علی شاہ ثانی صاحب کے ہم سے معروف ہوئے اب اول و ثانی دونوں بزرگوں کے حلقے بریلوی سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں بزرگوں نے جو حضرت بابا فقیر محمد نقشبندی کے خلیفہ تھے کبھی مولانا احمد رضا خاں کو اپنا امام یا مجدد مانتے چہار دہم نہ مانا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں ذہبی طور پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کو اپنا بزرگ نہ مانتے تھے اور یہ حضرات حضرت مجدد الف ثانی پر جان دیتے تھے۔ بڑے پیر جماعت علی شاہ صاحب نے اپنے آخری دنوں میں علمائے دیوبند سے مصالحت کر لی تھی۔ یہ مصالحت لاہور میں ہوئی۔ علمائے دیوبند کی طرف سے اس میں سرنیل شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی تھے۔ اس صلح کی شہادت تاریخ میں محفوظ ہے۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب مولانا احمد رضا خاں کی طرح مکفّر المسلمین نہ تھے۔ نہ وہ اس بات کے حامی تھے کہ ہندوستان میں اہل السنۃ و الجماعۃ کو دو دھڑوں میں تقسیم کر کے شیعوں کو قوت فراہم کی جائے۔ ان کا یہ فترے نہ تھا کہ دیوبندیوں سے السلام علیکم کہنا اور ان سے ہاتھ ملانا حرام ہے۔ اور ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی تعزیت میں جانا بھی حرام ہے۔ آپ مشترکہ امور میں علمائے دیوبند کے ساتھ عام اُٹھتے بیٹھتے تھے۔

امرتسر کے مشہور علمائے دیوبند میں حضرت مولانا بہاؤ الحق قاسمی (ہ) کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ پاکستان کے مشہور صحافی جناب عطاء الحق قاسمی کے والد مرحوم تھے بڑا نبیہا الحق

قاسمی کے والد مولانا علامہ غلام مصطفیٰ علماء کشمیر میں نہایت جلیل القدر اور عمیق العلم فاضل گزرے ہیں۔ آپ مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسن بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاد تھے۔

ایک صدی پہلے کی بات ہے حضرت مولانا غلام مصطفیٰ نے ۱۳۱۴ھ میں سکندریہ پر عربی میں ایک رسالہ لکھا۔ اس کا اردو ترجمہ امرتسر کے مطبع چشمہ نور نے ۱۹۰۱ء میں شائع کیا۔ اس کے انہیں جہاں فاضل علیل حضرت مولانا نور احمد پسروری کے دستخط ہیں پیر جماعت علی شاہ کے دستخط بھی ساتھ ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیر جماعت علی شاہ صاحب نے کبھی اپنے آپ کو مولانا احمد رضا خاں کے درجہ میں آنے نہ دیا تھا۔ آپ پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرح تفریق بین المسلمین کے قائل نہ تھے۔

علی پور کے پیر جماعت علی شاہ ثانی ان سے بھی زیادہ اعتدال پسند تھے۔ علی پور سیدیاں کے ان حضرات نے جب بریلویوں کی اس روش کو دیکھا کہ مسجدوں میں فرض نمازوں کے بعد باوجودیکہ مسبوق حضرات اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر رہے ہوتے تھے بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں تو انہوں نے اس پر بریلویوں سے کھلے بندوں اختلاف فرمایا۔ مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیدیاں کے صدر مدرس مولانا غلام رسول نے ۳۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کو اس پر فتوے صادر فرمایا۔ بلکہ آپ نے یہ بھی کہا کہ یہ اس اختراع پر عمل کرنے والے اس میں مولانا احمد رضا خاں کے موقف پر بھی نہیں ہیں۔ مولانا غلام رسول صاحب نے فتاویٰ رضویہ ۵۹۶ سے مولانا احمد رضا خاں کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے۔

بے شک ایسی صورت میں اس کو تہر سے منع کرنا فقط جائز نہیں بلکہ واجب ہے۔

پھر ۵۹۷ سے نقل کرتے ہیں:-

جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ آواز پڑھنے سے اس کی نیند میں خلل آئے گا وہاں

۱۔ آپ مولانا محمد سلیمان (مالک نوکپنی انارکلی لاہور) سابق خلیفہ جامع مسجد مدینہ پرانی انارکلی لاہور کے والد مرحوم تھے۔ آپ نے امرتسر میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے محکوبات شریف پر بہت محنت کی اور انہیں نوٹھوں میں بڑی آب و تاب سے شائع فرمایا۔ آپ بھی بانی مدرسہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ کے استاد تھے۔



قرآن مجید اور فطیہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے۔

اور آخیں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۳ طبع قدیم سے یہ عبارت پیش کی ہے۔

وفیه نظر من وجہ منہا نسبۃ نفی مطلق الکراہۃ الی الامام الاعظم  
وهو اختراع علیہ اذ مذهبہ کراہۃ رفع الصوت فی المسجد ولولہ بالذکر  
حیث لم یشوش علی المصلین اولم یکن هناك مصلون۔

ترجمہ۔ اور اس میں کئی وجہ سے اعتراض ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مطلق کراہت  
کی نفی کی نسبت امام اعظم کی طرف ہے وہ آپ پر بہتان ہے کیونکہ آپ کا مذہب  
ہے کہ بلند آواز مسجد میں مکروہ ہے اگرچہ ذکر ہی کیوں نہ ہو خواہ وہاں نمازیوں  
کو تشویش ہو یا نہ ہو یا نمازی ہوں ہی نہ

مولانا غلام رسول صاحب صدر مدرس مدرسہ نقشبندیہ علی پور ستیال پھر اپنے سارے فتویٰ  
کی تخفیف ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔

تخفیف کلام یہ ہے کہ اکثر احناف بلکہ جمیع فقہاء کرام بلند آواز سے ذکر کرنے کو منع  
کرتے ہیں جب کہ نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کی نیند وغیرہ میں خلل پیدا  
کرے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کراہت کی نفی کی جو نسبت کی گئی ہے اس  
کے متعلق رئیس الحنفیہ ملا علی قاریؒ تردید کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ یہ امام اعظمؒ  
پر اقرار اور بہتان ہے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہی یہ ہے کہ مسجد میں  
بلند آواز سے ذکر ممنوع اور مکروہ ہے اگرچہ وہاں نمازی نہ ہوں۔ صاحب ہدایہ  
جو کہ احناف کے عظیم فقیہ ہونے کے علاوہ فقہائے کرام کے پانچویں طبقہ اصحاب  
ترجیح سے ہیں۔ اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ذکر جہراً بدعت ہے پھر جہاں  
پر صرف ذکر جہراً مکروہ کہا گیا ہے وہاں مکروہ تحریمی مراد ہے کیونکہ ضابطہ یہ ہے  
کہ جہاں پر مطلق کراہت ہو وہاں کراہت تحریمی مراد ہے۔ صاحب کبریٰ نے کراہت

تحریمی پر نص کر دی ہے اور کہلے ہے کہ یہ ائمہ کرام کا مختار اور مفتی یہ قول ہے۔ پھر اس طرح کا ذکر کہ صورتِ مسئلہ میں استفسار کیا ہے ایک اختراعی اور وضعی اور جعلی صورت ہے جس کا ثبوت دور تک نہیں ملتا جب کہ طریقہ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اور تشریحی صورت اور سلفِ صالحین کے خلاف ہے پھر فقہاء کرام کا مسئلہ ذکر بالجہر کو مکروہاتِ صلوٰۃ کے عنوان کے تحت ذکر کرنا ہیئت کذائیہ کی ناپسندیدگی کی واضح دلیل ہے کہ ایسا ذکر مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ نے تو ایسے ذکر (صورتِ مسئلہ) کو بھی عن المنکر کا فرد اور جزئی قرار دے کر ممنوع قرار دیا ہے تاکہ ایسے ذکر کی صورت ہوا تو باقی نہ رہے۔ کیونکہ ایسے ذکر سے منع نہی عن المنکر ہے اور ذکر کی ہیئت کذائیہ مذکورہ مسئلہ منکر ہے اور اس سے مانع امر بالمعروف کا مصداق ہے۔

حررہ : غلام رسول

صدر مدرس مدرسہ نقشبندیہ علی پور شریف ضلع سیالکوٹ

علامہ غلام رسول نے اس میں مزید طور پر اس عمل کو جو آج کل بریلویوں کی مسجد میں رائج ہے بدعت کہلے ہے اب یہ تو مولانا محمود احمد رضوی ان سے پوچھیں کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے تم منع کی دلیل لاؤ قرآن و حدیث نے کہاں اس سے منع کیا ہے۔ ہم اس وقت اس اختلاف میں نہیں الجھتے کہ علی پر سیدال داولوں نے اسے کیوں بدعت قرار دیا اور مولانا احمد رضا خاں نے اس سے منع کیا۔ نوٹ: مولانا غلام رسول صاحب نے پھر فتاویٰ نظامیہ جلد ۲ ص ۳۳ کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے ہم یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بے علم مسلمانوں میں جو بدعت راہ پا چکی ہیں، ان میں یہ عمل بھی ایک بدعت ہے اور مکروہ تحریمی ہے۔

اب مولانا غلام رسول کے اس فتوے پر سجادہ نشین علی پور سیدال جناب سید اختر حسین شاہ صاحب کی یہ تقریظ بھی ملاحظہ فرمائیں :-

فحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

مفتی غلام رسول صاحب صدر مدرس مدرسہ فقہیہ مدنیہ علی پرستیدار نے نہایت محققانہ عالمانہ تحقیق کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ فرض نماز پڑھنے والوں کے پاس کسی قسم کا کوئی درد و طبیعت تلاوت قرآن مجید یا ذکر اذکار جو نماز کی کسی فرض نماز میں خلل انداز ہوں اور اس کو بھلا دیں اور اس کے خیال کو بہکا دیں یا کسی بیمار یا دنیادار کام کاج میں مشغول یا نا نام یعنی سونے والا ہو تو اس کو بیزار کر دیں اور وہ اس کے سننے کے لیے فارغ نہ ہوں۔ ایسے مواقع میں قرآن پاک کا پڑھنا منع ہے بلکہ نہ سننے والے کا گناہ بھی پڑھنے والے کے ذمہ ہے میں نے دیکھا ہے مفتی صاحب مذکور نے نہایت عمدہ طریقہ سے فقہ کے جزئیات بمعہ حوالہ جات نقل کئے ہیں۔

حنفی المذہب ان کا انکار کس طرح کر سکتا ہے فقہ کے تمام دلائل دیکھنے اور سننے کے باوجود اگر کوئی حنفی المذہب انکار کرے تو یہ اس کی دیدہ دلیری ہے اور مجہد ہی رٹ لگائے اور اس پر عمل کرے تو وہ حنفی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ البتہ اہل حدیث یا دہلوی کہلانے کا مستحق ہے کیونکہ وہ تمام فقہ کا انکار کر رہا ہے اور امام کے فرمان اور فقہائے کرام کے جزئیات کو ٹھکرا رہا ہے بلکہ اپنی ضد اور سہٹ دھرمی پراڈا ہوا ہے اور اپنے پوچھ دلائل کو اور من گھڑت باتوں بلکہ قصہ کہانیوں سے اپنے مدعا کو ثابت کر رہا ہے مقلدین کے پاس اپنے امام کے اقوال سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

اندریں حالات تمام احناف سے ادب کے ساتھ گزارش ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال پر عمل پیر ہو جائیں یا پھر حنفی کہنا نا جہر دیں۔ خاص طور پر تانا سوز کر کے کہ خالص حنفی المذہب صحیح مقلدین پر بہتان طرازی سے باز آجائیں۔ ماعلینا الا البلاغ  
سید اختر حسین جماعتی علی پوری ضلع سیالکوٹ

پھر اس پر مولانا محمد اسماعیل صاحب جماعتی علی پوری اور جناب سید افضل حسین شاہ جماعتی علی پوری اور حافظ نواب دین صاحب علی پوری کے بھی تصدیقی دستخط ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے علی پوری کے رسالہ انوار صوفیہ کے ۱۵۷۹ء کا جنوری فروری کا شمارہ ص ۲۸ سے ص ۳۲ تک ملاحظہ فرمائیں۔

بریلوی علمائے احناف کے مقابلہ میں حضرت ابن عباسؓ کی جس حدیث کو لیے پھرتے ہیں کہ ہم آنحضرتؐ کی نماز کا اتمام ذکر بالجہر سے پہچانتے تھے وہ حنفیہ کے اصول پر لائق استدلال نہیں ہے معلوم نہیں بریلوی ضرورت کے موقع پر کیوں اہل حدیث ہو جاتے ہیں۔

استاد جب انکار کر دے کہ میں نے یہ حدیث روایت نہیں کی تو شاید کتنا ہی ثقہ کیوں نہ ہو اس کی روایت کمزور پڑ جائے گی اور یہی حال حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا ہے۔ گو اسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے روایت کیا ہے۔ امام نوویؒ (۷۶۷ھ) اس حدیث پر لکھتے ہیں:-

في احتجاج مسلم بهذا الحديث دليل على ذهابه الى صحة الحديث الذي يروى على هذا الوجه مع انكار المحدث له اذا حدث به عنه ثقة.....

وخالههم الكرخي من اصحاب ابي حنيفة رضي الله عنهما فقال لا يحتج به۔

ترجمہ۔ امام مسلم کا اس حدیث سے حجت پکڑنا بتلا ما ہے کہ آپ اس حدیث کی صحت کے

قائل تھے جو اس طرح مروی ہو کہ استاد انکار کرے اور اس سے کوئی ثقہ روایت

کر رہا ہو..... اور امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں امام کرخی نے ائمان دونوں کو راضی

ہو اس کی مخالفت کی ہے اور کہتا ہے کہ اس حدیث سے احتجاج نہ کیا جائے۔

نوٹ: اصولی حنفیہ پر یہ پچھلا راوی صرف اسی روایت میں ساقط الاعتبار ہو گا نہ کہ ان

تمام روایات میں بھی جن میں شیخ روایت کا کہیں انکار نہ ہو۔

لا يفتح ذلك في باقي احاديث الراوي كما صرح به المحدثون۔

## حدیث ابن عباسؓ کی سند میں راوی کا اختلاف

یہ بات آپ پڑھ آئے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں استاد اپنے شاگرد پر انکار کرنا ہے کہ میں نے یہ حدیث کچھ سے بیان نہیں کی۔

امام نوویؒ اس صورت پیش آمدہ پر کہ استاد شاگرد سے اپنی روایت کا انکار کرے احناف کا یہ موقف لکھتے ہیں اس صورت میں حنفیہ کے اصول پر یہ حدیث قابل استدلال نہیں رہتی اس حدیث کا سند میں ہی انکار ہو چکا ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں:-

خالفهم الکوفی من اصحاب ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہما فقال لا یجیح بہ۔

ترجمہ۔ امام کوفی (۲۴۰ھ) جو امام ابو حنیفہ کے مکتب فکر کے ہیں انہوں نے ان

کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث سے احتجاج نہ کیا جائے۔

اب آئیے شافعیہ کے طریق پر بھی اس حدیث پر غور کریں، حافظ ابن حجر اشفی لکھتے ہیں:-

حمل الشافعی هذا الحديث على انه جهد وابه وقتا يسيرا لاجل تعليم

منه الذكر لا انهم داوموا على الجہس به والمختاران الامام والمأمور

بمغفیان الذکر لان احتیج الی التعلیم۔

ترجمہ۔ امام شافعی نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ ان کا یہ جہر تعلیم ذکر

کے لیے تھوڑا سا عرصہ رہا یہ نہیں کہ وہ جہر پر دائماً عمل پیرا رہے فیصلہ یہی

ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ ذکر کریں تعلیم کے لیے جہر کی ضرورت

ہو سکتی ہے۔

محدث جلیل ملا علی قلیؒ نے امام شافعیؒ کے اس فیصلے کی اصل قرآن کریم سے دریافت

کر لی اور امام بیہقی جسے جو شافعیہ میں بڑا مقام رکھتے ہیں اس حدیث کا معارضہ صحیحین کی ہی ایک دوسری حدیث سے کیلے ہے۔

وَحَلَّ الشَّافِعِيُّ جَهَنَّمَ هَذَا أَعْلَىٰ أَنَّهُ كَانَ لِأَجْلِ تَعْلِيمِ الْمَآمُورِينَ لِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ  
وَلَا تَجْهَرُوا بِصَلَاتِكُمْ وَلَا تَخَافُوهَا..... الْآيَةُ. نَزَلَتْ فِي الدَّعَاءِ كَمَا فِي  
الصَّحِيحَيْنِ وَاسْتِدْلَالِ الْبِهَقِيِّ وَغَايَةِ لَطْفِ الْأَسْرَارِ بِخَبَرِ الصَّحِيحَيْنِ  
أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَهُمْ بِتَرْكِ مَا كَانَ أَعْلَىٰ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالْهَتْفِ لِيلِ  
التَّكْبِيرِ وَقَالَ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَحَدًا وَلَا غَايَةَ أَنَّهُ مَعَكُمْ أَنَّهُ سَمِعَ قُرَيْبٌ  
تَرْجِمَهُ. اور امام شافعی نے اس جہر کو اس پر محمول کیا ہے کہ یہ مقتدیوں کی تعلیم کے  
لیے تھا۔ یہ قرآن کریم کے اس حکم کی رو سے ہے کہ آپ اپنی نماز نہ جہر سے پڑھیں  
نہ بالکل آہستگی سے بلکہ اس کے درمیان چلیں۔ یہ آیت جیسا کہ صحیحین میں ہے  
دعا کے بارے میں اُتری تھی۔ امام بیہقی اور دوسرے ائمہ نے ذکر کے آہستہ  
ہونے پر صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے انہیں بلند  
آواز سے کلمہ پڑھنے اور ائمہ اکبر کہنے سے روکا اور فرمایا کہ تم کسی بہرے اور غائب  
کو نہنیں پکار رہے جس کو تم پکارتے ہو وہ سميع قريب ہے

حنفیوں اور شافعیوں کا موقف تو کھل کر آپ کے سامنے آچکا اور اس پر کتاب و سنت  
کی شہادت بھی ہو چکی۔ اب حضرت امام مالکؒ کا فیصلہ بھی سن لیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسے طبری  
کے حوالے سے نقل کیلے ہے۔

قَالَ ابْنُ بَطَالٍ وَفِي الْعَتِيدَةِ عَنْ مَالِكٍ أَنَّ ذَلِكَ مُخَدَّثٌ.

ترجمہ۔ امام مالک سے مروی ہے آپ نے فرمایا نمازوں کے بعد یہ ذکر بالجہر  
بدعت ہے۔

## چاروں مذاہب فقہی کا اجماعی فتویٰ

ابن بطال کہتے ہیں چاروں مذاہب میں یہی ہے کہ یہ ذکر بالجبر جائز نہیں صرف ابن حزم ظاہر نے اس سے اختلاف کیا ہے اور وہ صرف حدیث ابن عباسؓ کے ظاہر پر نمازوں کے بعد بند آواز سے ذکر کی اجازت دیتے ہیں تاہم واجب اسے وہ بھی نہیں ٹھہراتے جیسا کہ بریلویوں نے اسے آج اپنے ہاں واجب کیا ہوا ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں:-

اصحاب المذاهب المتبوعۃ وغیرہم متفقون علی عدم استحباب  
رفع الصوت والتکبیر والذکر حاشا ابن حزم۔<sup>۱</sup>

ترجمہ جن مذاہب کی پیروی مسلمانوں میں جاری ہوئی اس پر حسب متفق ہیں کہ اللہ اکبر کہنے اور بلند آواز سے ذکر کرنا ہرگز مستحب نہیں ابن حزم اس سے مختلف رہے۔

پس بریلوی اپنے اس عمل کے اصرار سے خفی کہلانے کے کسی طرح مستحق نہیں وہ ظاہری اور غیر متقلد ہو چکے علی پوسیداں کے پیر اختر حسین جماعتی کے یہ الفاظ بھی یہاں یاد رکھیں۔  
مداول دیکھنے اور سننے کے باوجود اگر کوئی حنفی المذہب انکار کرے تو یہ اس کی دیدہ دلیری ہے اور پھر وہی رٹ لگائے اور اسی پر عمل کرے تو وہ حنفی کہلانے کا مستحق نہیں ہے البتہ الحمد للہ یاد دہانی کہلانے کا مستحق ہے۔

حافظ ابن بطال نے یہاں یہ حدیث ابن عباسؓ کے بارے میں، ایک لطیف نکتہ یہ بھی اٹھایا ہے کہ جب آپ (حضرت ابن عباسؓ) یہ حدیث اس طرح بیان کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ لوگ نماز کا پورا ہونا اس ذکر بالجبر سے پہچانتے تھے اس سے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ میں آ رہا ہے کہ اس وقت جب حضرت ابن عباسؓ یہ حدیث روایت کر رہے تھے ایسا ہوتا تھا

اور حضرت ابن عباسؓ ایک پہلے دور کی یہ بات نقل کر رہے تھے اگر یہ عمل خلفائے راشدین کے دور میں بھی قائم ہوتا تو آپؐ اسے ماضی کی ایک خبر کے طور پر بیان کرتے۔ علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ بات اس طرح نقل کی ہے :-

وقول ابن عباس كان علي عهد النبي صلى الله عليه وسلم.... الحديث فيه دلالة على انه لم يكن يفعل حين حدث به لانه لو كان يفعل لم يكن لقوله معنى فكان التكبير في اثر الصلوات لم يواظب الرسول عليه الصلوة والسلام عليه طول حياته وفهم اصحابه ان ذلك ليس بواجب فتركوه خشية ان يظن انه مما لا يتم الصلوة الا به فلذلك تركوه من كراهه من الفقهاء۔

ترجمہ۔ اور حضرت ابن عباسؓ کا یہ کہنا کہ حضورؐ کے عہد میں ایسا ہوتا تھا بتا رہے ہیں کہ اس وقت جب ابن عباسؓ یہ حدیث روایت کر رہے ہیں ایسا نہ ہوتا تھا اگر اس وقت بھی ایسا ہوتا ہو تو پھر اس حدیث کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ سو نماز و رکعت بعد اس طرح تکبیر کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسا نہیں کیا اور صحابہؓ نے بھی اسے ایسا نہ سمجھا انہوں نے اسے اس لیے بھی ترک کیا یہ گمان نہ کیا جائے کہ نماز اس کے بغیر نہیں ہوتی اس لیے فقہاء نے اسے مکروہ جان لیا ہے۔

**کیا یہ ذکر باکجہر صرف ناجائز ہے یا اس پر منع اس سے بڑھ کر ہے**

اس پر منع اس سے بڑھ کر ہے امام دارالہجرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کا اسے بدعت قرار دینا کوئی معمولی بات نہیں حافظ عبداللہ بن عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں عبیدہ نے بھی اسے بدعت کہا ہے :-

وعن عبدة انه بدعة۔



## حدیث ابن عباسؓ کے بارے میں ابن حبیب کی رائے

حافظ ابن حجر نے ابن حبیب سے اس حدیث کی ایک یہ توجیہ بھی نقل کی ہے کہ یہ ذکر بالجہر جس کا حضرت ابن عباسؓ ذکر کر رہے ہیں صرف ایک فوجی کارروائی تھی دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لیے یہ مسلمانوں کی ایک اجتماعی آواز تھی۔ آپ لکھتے ہیں:-

انهم كانوا يستحبون التكبير في العساكر عقب صلوة الصبح والشاء متكبراً  
عالياً ثلاثاً قال هو القديم من شان الناس۔<sup>۱</sup>

ترجمہ صحابہؓ فوجوں میں نماز صبح اور نماز عشا کے بعد تین دفعہ بلند آواز سے  
اللہ اکبر کہنا پسند کرتے تھے۔ لوگوں میں جنگ کے موقع پر یہ طریق قدیم سے چلا  
آ رہا ہے۔

پھر صحابہؓ جنگ سے واپس لوٹتے جب ذکر بالجہر کرنے لگتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
نے انہیں منع کر دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن حبیب کی شرح حدیث جو انہوں نے الواضحہ میں  
بیان کی ہے اپنی جگہ وزن رکھتی ہے جب حضورؐ نے فرمایا اپنے اوپر نرمی کرو تم کسی بہرے اور غائب  
کو نہیں پکار رہے تو اس وقت صحابہؓ جنگ سے واپس لوٹ کر مدینہ جا رہے تھے۔  
بیان کرتے ہیں :-

اودنچی آواز سے بحکیم کہنا بدعت ہے بہت مختصر کہنے میں اختلاف منہیں جہاں یقینی طور پر  
ثبوت موجود ہے وہاں زیادہ کھڑی اختلاف ہے اس کے جواز کا یقین نہ کیا جائے

سورہ یوں کی یہ تاویلی کہ حضورؐ نے صحابہؓ کو جو ذکر بالجہر سے روکا تھا اس لیے تھا کہ دشمن  
کو یہاں مسلمان فوج کی موجودگی کا پتہ نہ چل جائے بالکل غلط نکلا یہ جنگ پر جانے کا موقع نہ تھا واپس  
لو ٹھنکی بات تھی۔

پھر حدیث ابن عباسؓ کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ایام تشریق کی بات ہو۔ اگر یہ عام دنوں کی بات ہوتی تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ فقہ کے چاروں مذاہب بالاتفاق فرض نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کا کھلا انکار کرتے۔

## رفع صوت بالذکر حافظ ابو بکر الرازی کی رائے

حافظ ابو بکر جصاص رازی حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں:-

نمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یرفع الرجل صوته بالقراۃ قبل النساء  
وبعدہا یغلط اصحابہ فی الصلوۃ۔ ۱۷

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا کہ کوئی شخص عشاء سے پہلے یا بعد  
قرآن پڑھتے اپنی آواز بلند کرے اور دوسرے مسلمانوں کو نماز میں مغالطہ دے۔

جب کسی مسلمان کو سونے پر بھی ذکر بالجہر سے پریشان نہیں کیا جاسکتا تو جو مسبوق ابھی  
نماز مکمل کر رہے ہیں انہیں نماز میں کیسے کسی مغالطے میں ڈالا جاسکتا ہے۔ یہ حکم صرف قرأت قرآن  
کے لیے نہیں عام ہے اور تمام اذکار کو شامل ہے۔

(واذکوروبک فی نفسك) ہو عام فی الاذکار من قراۃ القرآن والدعاء  
والتسبیح والتہلیل وغیر ذلک۔ ۱۸

ترجمہ۔ (اور یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں) یہ حکم عام ہے تمام اذکار میں۔  
قرأت قرآن ہو یا دعا۔ تسبیح ہو یا لا الہ الا اللہ یا اس کے علاوہ کوئی اور ذکر۔

حافظ بدر الدین العینی البدایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:-

قال مشائخنا المتكبرين هكوا في غير ايام التشريق والاضحى لا يسين الا بازاء  
العدد والصوص وكذا في الحريق والمخاوف كلها۔<sup>۱</sup>

ترجمہ: ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ ایام تشریق اور عید الاضحیٰ کے سوا کہیں جہراً  
بجیر نہیں سوائے دشمن اور چوروں کے مقابلہ میں۔ ہاں کہیں آگ لگ جائے  
یا کوئی خطرناک موقع پیدا ہو جائے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کی آوازیں دی جا  
سکتی ہیں۔

ان مختلف توجیہات کو اگر اس حدیث میں جگہ نہ دی جائے تو پھر کھلے لفظوں میں  
اس حدیث کو منسوخ قرار دیا جائے گا۔ یہ حدیث اگر باقی رکھی جا سکتی ہے تو اسی صورت میں  
کہ چاروں فقہی مذاہب سے اس کا کوئی ٹکراؤ نہ رہے۔

## علمائے ذکر بالجہر کی حدیث کو منسوخ قرار دیا ہے

امداد الاحکام میں ہے:-

صحیحین میں دوسری حدیث ابن عباسؓ کی اس حدیث کے لیے ناسخ موجود  
ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ ذکر اور تکبیر میں آواز بلند کرتے تھے اور  
حضورؐ نے ان کو اس سے منع فرمایا پس صورت موجودہ پر حدیث ابن عباسؓ  
سے استدلال پر گڑبگڑ صحیح نہیں۔<sup>۲</sup>

## ذکر بالجہر کے عدم جواز پر چار سوالات

۱۔ جب ذکر بالجہر مطلقاً منع ہے تو جہاد کے موقع پر دشمنوں کے مقابل اللہ اکبر کے نعرہ  
لگانا کیوں جائز ہے؟

۲. ایام تشریق میں مسجدوں میں تکبیرات تشریق کیوں جہر سے کہی جاتی ہیں؟
۳. حج اور عمرہ کے احرام پر تلبیہ (لبیک پکارنا) باوانہ بند کیوں کہا جاتا ہے؟
۴. تراویح میں چار رکعت کے بعد تسبیح بذکر بالجہر کیا یہ جائز ہے؟

## الجواب

① ذکر بالجہر مطلقاً منع نہیں کہ کہیں جائز نہ ہو۔ جہاد میں دشمن کے مقابلہ میں تکبیر بلند آواز سے کہنا شرع میں ثابت ہے۔ اس لیے جہاد میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے ذکر بالجہر جائز ہو گا۔ نمازوں کے بعد بلا تعلیم اور بلا تشریق اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ قرآن کریم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کی تیاری کریں اپنی دھاک بٹھادیں اور اس سے مرعوب کر دیں اور یہ بھی حکم ہوا کہ مقابلے کے وقت کثرت سے ذکر کریں۔

۱. اعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو

اللہ وعد ذکرہ۔ (پٹ الانفال ۲۰)

ترجمہ۔ اور تم ان کے مقابل تیار کرو جو قوت تم تیار کر سکتے ہو اور جتنے گھڑے باندھ سکتے ہو ان کے دلوں میں دھاک بٹھا دو جو اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں۔  
۲. اذا القتية فتنة فاشبثوا واذكروا الله كثيرا۔ (پٹ الانفال ۴۵)

ترجمہ۔ جب کسی فرج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو یاد کرو بہت۔  
لڑائی ایک چال ہے۔ الحروب خدعة۔ اگر جنگ میں بلند آواز سے نعرے لگیں اور اللہ کا ذکر پورے رعب سے ہو تو دشمنوں کے دل دہل جائیں گے۔ اس سے یہ جائز نہیں کیا جاسکتا کہ نمازوں کے بعد بھی بلند آواز سے ذکر کریں پہلے زمانہ میں شکر و بے صبح اور عشاء کے بعد زور سے تین بار اللہ اکبر کہتے تھے۔ امام مالک نے اسے بھی بہرہیت کہہ دیا جائز قرار نہیں۔

حافظ جصاص رازی (۵۷) کہتے ہیں بہادری مشائخ نے کہا ہے کہ امام تشریق اور علیہ الصلوٰۃ

کے سوا کہیں جبراً تکبیر نہیں سوائے دشمن اور چوروں کے مقابلہ میں اور آگ لگنے اور دوسرے خطرناک مواقع کے

① تکبیرات تشریق کے لیے کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں یہ خلاف قیاس نفس سے ثابت ہیں اور خلاف قیاس پر کسی دوسری وحدت کو قیاس کرنا صحیح نہیں حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے عید الفطر کی رستے کی تکبیرات کو عید الاضحیٰ کی تکبیرات پر قیاس کیا ہے اور عید الاضحیٰ پر یہ جہراً (بالتکبیرات) نفس سے ثابت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ یہاں بھی جہر کے قائل نہیں۔

امام ابن ہمام لکھتے ہیں :-

لَا يَنْبَغِي بِالْجَهْرِ بِالتَّكْبِيرِ بَدْعٌ وَلَا خِلَافٌ فِي الْأَقْلِ فَيَجْهَرُ بِهِ فِيمَا ثَبَتَ يَقِينًا وَ  
الْأَكْثَرُ مُخْتَلَفٌ فِيهِ فَلَا يَتَّقِنُ مِجَازَهُ وَكُنَ الْجَهْرُ بِالتَّكْبِيرِ بَدْعًا مَتَّقِنٌ وَ  
الْإِخْفَافُ بِالْمُتَّقِنِ أَوَّلَى وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَادْكُورُكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا دُخِيفَةً  
وَدُونَ الْجَهْرِ دَرَايَ النَّبِيِّ أَقْوَامًا يَرَفْعُونَ أَصْوَاهُمْ عِنْدَ الدَّعَاءِ فَقَالَ إِنَّكُمْ  
لَنْ تَدْعُوا أَعْمً وَلَا غَائِبًا ۝

ترجمہ

اپنی آواز سے تکبیر کہنا بدعت، بہت مختصر کہنے میں اختلاف نہیں جہاں یقینی طور پر ثبوت ہے وہاں جہر کیا جاسکتا ہے زیادہ کہنے میں اختلاف ہے اس کے جواز کا یقین نہ کیا جائے تکبیر کا بلند آواز سے کہنا یقینی طور پر بدعت ہے اور متیقن چیز کو اختیار کرنا بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے کہا ہے تو یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں عاجز ہو کر اور آہستہ سے نہ کہ بلند آواز سے اور حضور نے کچھ لوگوں کو دُعا اپنی آواز سے کرتے سنا تو آپؐ کو ہانپ کر کہا تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے نہ کسی غائب کو جو اتنا اونچا بول رہے ہوا

② حج اور عمرہ کا احرام باندھ کر انسان تبلیہ پکار کر محرم ہوتا ہے اور اس کے لیے حدیث میں نفس

موجود ہے سوائے اس عام حکم پر کہ ذکر آہستہ آواز سے ہی ہونا چاہیے قیاس نہیں کیا جاسکتا تبلیہ میں دوسرے کو اس کے محرم ہونے کی خبر ملتی ہے اور یہ بدون جبر نہیں ہو سکتا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :-

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یهل ملجاً یقول لیسک اللہم لیسک .

ترجمہ :-

میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونچی آواز سے تبلیہ کہتے سنا آپ کہہ رہے تھے لیسک اللہم لیسک . اس پر امام نووی لکھتے ہیں :-

قال العلماء الالہال رفع الصوت بالتبلیة عند الدخول فی الاحرام واصل الالہال فی اللغة رفع الصوت ای صاح ومنه قوله تعالی وما اهل به لغير الله ای رفع الصوت عند ذبحہ بغیر ذکر الله وسمى الہلال هلاً لا لرفعہم الصوت عند رؤیتہ .

ترجمہ :-

علماء کہتے ہیں الہال احرام میں داخل ہوتے وقت اونچی آواز سے تبلیہ کہنے کا نام ہے کثرت میں اونچی آواز نکالنے کو کہتے ہیں یوں بھی کہتے ہیں اس نے چیخ لگائی اس سے ارشاد باری ہے ما اهل به لغيرہ (اور جس بغیر اللہ کا نام پکارا گیا) یعنی اس پر چیخ کے لیے اونچی آواز سے اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا اور ہلال پہلے چاند کو بھی ہلال اس لیے کہتے ہیں کہ اسے دیکھتے ہی لوگ اونچی آواز سے اس کا اعلان کرتے ہیں۔

⑤ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد بلند آواز سے تسبیحات کا ثبوت نہیں ملتا یہاں آواز جہر سے

کچھ نیچے ہونی چاہیے۔

تسبیح مذکور باختیار پڑھنا بہتر ہے جہر کرنا خصوصاً جہر مغرط کرنا نہ چاہیے امام بھی اختار

پڑھے اور مقتدی بھی باختیار پڑھیں۔

## اہل سنت کے لیے فیصلہ کن بات

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی (م. ۱۳۰ھ) ہندوستان کے اس وقت کے بزرگ ہیں جب دیوبندی بریلوی اختلافات ابھرے نہ تھے۔ علماء فرنگی محل اپنی جگہ ایک اپنا مقام رکھتے تھے۔ ابو الحسنات مولانا عبدالحی کے فتاویٰ میں ذکر بالجہر کی بحث میں مدخل لابن امیر الحاج کی یہ عبارت ایک فیصلہ کن درجے میں مرقوم ہے۔

ولیحذروا جميعاً من الجهر بالذكر والدعاء عند الفراغ من الصلوة ان كان

في جماعة فانه ذلك من البدع. ۱

ترجمہ۔ نماز باجماعت سے فارغ ہونے کے بعد ذکر اور دعا میں جہر کرنے سے

سب کو بچنا چاہیے کیونکہ یہ بدعت ہے۔

اور مولانا نے لُصَابِ الاحْتِسَاب سے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔

اذا كبروا على اثر الصلوة جهرًا يكره وانه بدعة يعني سوى الايام

النحر والتشريق. ۲

ترجمہ۔ نماز باجماعت کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا مکروہ ہے اور بدعت ہے،

ماسوا کے ایامِ نحر اور ایامِ تشریق کے۔

افسوس کہ بریلویوں نے فقر حنفی کے ان کھلے فیصلوں کے خلاف یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے نام سے وضع کی اور کچھ بھی خوفِ خدا انہیں مانع نہ آیا۔

تذکرہ غوثیہ ص ۴۴ پر دیکھیں :-

قال النبي صلى الله عليه وسلم من يجهر بالكلمة الطيبة بعد اداء الصلوة

المكتوبة متصلاً ثلاثاً..... الخ

ہاں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھنا اور تسبیح و تہلیل میں رہنا یہ بے شک مستحب ہے فقہاء لکھتے ہیں :-

ہر ایک تسبیح و تہلیل وغیرہ پڑھنا ہے مل کر پڑھنا اور آواز ملا کر پڑھنا ضروری نہیں بلکہ یہ اچھا نہیں ہے۔

چار رکعت کے بعد ترویج ہوتا ہے (اس میں ذرا راحت لی جاتی ہے) صرف اس قدر بیٹھنے کا حکم ہے کہ نمازیوں پر بار نہ گزرے اور اس میں اجتماعی ذکر اور دعا نہیں ہے لوگ انفرادی طور پر جو چاہیں پڑھیں .... ایک چیز کاسب کو پابند بنا دینا شریعت کی دی ہوئی آزادی پر پابندی لگانا ہے۔

ہاں صحیح یہ ہے کہ تراویح وتر اور تہجد عینوں متقارب عمل ہیں۔ وتروں کے بعد حضور تسبیح سبحان الملك القدوس تین مرتبہ پڑھتے اور تیسری دفعہ آواز بلند کر لیتے اس سے تراویح میں بھی ہر چار رکعت کے بعد تسبیح پڑھی جانے لگی ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی روائت کرتے ہیں :-

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الوتر تسبیح اسم ربك الاعلى و قل يا ايها النكافرون و قل هو الله احد ثم يقول اذا سلم سبحان الملك القدوس ويرفع سبحان الملك القدوس صوته بالتلاوة۔

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور و تر عام طور پر تین ہی پڑھتے تھے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے آخر میں تسبیح بھی پڑھی جاتی تھی تن پر نیند غالب آرہی ہوتی وہ جاگ پڑتے تاہم یہ ضروری ہے کہ اس میں ریا کا دخل نہ ہو۔

قال المظهر هذا يدل على جواز الذكر برفع الصوت بل على الاستحباب اذا اجتنب الربا اظهرا للدين وتعلما للسامعين وايضا لا لهم رقة الغفلة۔





پس ذکر بالجہر اس حد تک جائز ہے کہ کوئی دوسرے کے لیے تکلیف کا سبب نہ بنے اور کوئی دوسرے سے اپنی آواز نہ بڑھائے نہ قرأت میں نہ نماز میں۔ اس میں یہ سب باتیں آئیں۔  
۱۔ اگر کوئی مستکف مسجد میں سویا ہوا ہے تو مہتار جبر (آواز اونچی رکھنا) اسے پریشان نہ کرے اس کی نیند بھی عبادت ہے مہتار ذکر اس میں مغل نہ ہو۔

۲۔ اگر کوئی دوسرا شخص مسجد میں پاس بیٹھا قرآن کریم پڑھ رہا ہے تو مہتاری آواز اس کے پڑھنے میں رکاوٹ نہ ڈالے۔

۳۔ اگر کوئی شخص مسجد میں دیر میں آیا اور جماعت ہو گئی تھی تو بھی اس کا حق ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھ سکے کوئی ایسی آواز مسجد میں نہ نکالی جائے جو اس کے سکون کو خراب کرے یا اسے نماز میں مہول لگے۔ آواز اگر ذکر کی ہو اس کا نکالنا بھی جائز نہیں۔

۴۔ مسجد میں اذان دینی ہو تو آواز چیننے کی حد تک اونچی نہ ہو۔ اتنی ہو جتنی اقامت میں ہو۔  
۵۔ اس انداز میں مسجد میں ذکر بالجہر نہ کرے کہ دیکھنے والے سمجھیں وہ ہوش میں نہیں گو وہ ہوش میں ہو۔ صرف اتنی اونچی ہو کہ اسے برداشت کیا جاسکے۔

مسجدیں اصلاً نمازوں کے لیے ہیں یہاں کوئی عمل جو مسبوق کی نماز کو خراب کرے ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ افسوس کہ بریلویوں نے اس بدعت ظلماء سے اپنی مسجدوں کو وحشت کے مورچے

بناد رکھا ہے۔

### ۳ نکاح میں کلمہ پڑھانے کی رسم

نکاح مسلمان گواہوں کے سامنے عورت اور مرد کے ایجاب و قبول کا نام ہے۔ نکاح میں خطبہ پڑھنا سنت ہے۔ بریلویوں نے نکاح میں ایک تیسرے جزو کا بھی اضافہ کیا ہے اور وہ کلمہ پڑھانا ہے۔ صحابہ و تابعین کے دور میں یہ نہ تھا۔ بریلویوں نے اسے خواہ مخواہ سنت ٹھہرا رکھا ہے ان کے بڑے مولوی اسے صرف مباح کہتے ہیں کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

ہم جواباً کہتے ہیں کہ آپ نے اس مباح کو جو نکاح کے وقت کے ساتھ جوڑا ہے اور لوگوں نے اسے ایک نیکی اور کارِ بخیر سمجھا تو اب یہ کیسے مباح رہا۔ آپ نے اسے ایک ایسی ہیئت دی جو کہ کتاب و سنت میں کہیں نہیں پائی گئی۔ اب اس ہیئت کے ساتھ یہ عمل مطلق مباح نہ رہا۔ یہ وقت اور ہیئت کی تخصیص اسے دین کی صورت میں لے آئی اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ دین کا نہیں ہے اور نہ کتاب و سنت میں اس کی کوئی شہادت موجود ہے سو اسے بدعت تسلیم کرنے سے چارہ نہیں۔

بریلوی کہتے ہیں ہمارے اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے نکاح باہمن بھی پڑھا سکتا ہے کیوں کہ قرآن و حدیث میں کہیں اس سے منع نہیں کیا گیا۔ سو ہم ایسا کریں تو ہم پر کوئی گناہ لازم نہ آئے گا۔ ہم انہیں کہتے ہیں تم پاکستان میں باہمن کہاں سے لاؤ گے اور اگر وہ آگیا تو تمہاری ضرورت کیا رہے گی؟ اس پر انہیں سمجھ آئی کہ باہمن کلمے نہ پڑھا سکے گا۔ سو ہماری ضرورت پھر بھی رہی۔

بریلوی علماء اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے برات والوں کو مولوی صاحب کی اچھی خاصی محنت کا پتہ چلتا ہے اور وہ دل کھول کر خدمت کرتے ہیں۔ علماء کو اپنی اہمیت بڑھانے کے لیے نکاح کے وقت کلمے ضرور پڑھانے چاہئیں۔

جس طرح بدی بدی کو کھینچتی ہے بدعت بدعت کو کھینچتی ہے۔ اب ایک دوسرا مسئلہ سامنے آگیا کہ کیا نکاح خراں اس بہانے اپنی نکاح پڑھنے کی اجرت بڑھا سکتا ہے؟ کلمے پڑھانے میں آخر اس نے کتنی محنت کی ہوتی ہے تاہم اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں۔

## ② جنازہ کے ساتھ کلمہ پڑھتے جانا

وینبغي لمن تبع المنيارة ان يطيل الصمت وفيه من الظاهرية خان  
اراد ان يذكر الله تعالى يذكر في نسله لقوله تعالى انه لا يجب  
المعتدين اي الجاهرين بالدعاء وعن ابراهيم انه كان يكره ان يقول  
الرجل وهو ميثي معها استغفر والہ غفر الله لکم ۛ

ترجمہ جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے اسے چاہیے کہ مسلسل خاموشی اختیار کرے ..... اور اگر وہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو وہ اپنے جی میں اس کا ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زیادتی کرنے والے کون ہیں؟ جہر سے دعا کرنے والے امام ابراہیم بخاری سے مروی ہے، آپ اس بات کو بھی ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص جنازہ کے ساتھ جارہا ہو اور وہ دوسروں سے کہے اس کے لیے استغفار کر۔ اللہ تعالیٰ بہتیں بھی بخش دیں گے۔

مولانا احمد رضا خاں کے غلیفہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے جانشین مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں:-  
عن ابن عمر قال لو یکن ینمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو  
یمشی خلف الجنائزۃ الا قول لا الہ الا اللہ مبدیاً وراجعاً۔ اگر یہ حدیث  
ضعیف بھی ہو پھر بھی فضائل اعمال میں مجتبر ہے۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے اسے حضرت علیؓ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازہ کے پیچھے چل رہے ہوتے تو جاتے اور آتے کبھی لا الہ الا اللہ کے سوا کچھ نہ پڑتے۔

جواب: بریلویوں نے فقہ کی کتاب میں چھوڑ کر حدیث سے براہ راست استدلال کرنے کی غیر معتاد روش تو اپنائی لیکن یہ سمجھ نہ پائے کہ حدیث جاننے کے لیے اس کے راویوں کا علم ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی کہ اس کی اپنے موضوع پر دلالت واضح ہے یا نہ۔

یہ حدیث صرف ضعیف نہیں اس کی سند میں ابراہیم بن ابی حمید ہے جو جعلی حدیث وضع کرتا تھا۔ امام ابو نعیم کہتے ہیں:-

کان یضع الحدیث۔ وہ حدیث وضع کیا کرتا تھا۔

ثانیاً۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ آپؐ کو اپنی آواز سے پڑتے تھے۔ بہت قریب کا آدمی اس

لے تو اس سے جہر کا ثبوت کیسے ہو گیا۔

حضرت امام محمدؒ لکھتے ہیں صحابہ کرامؓ تین موقعوں پر آواز اونچی کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے جنازہ کے ساتھ۔ جنگ کے وقت اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے۔

كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون الصوت عند ثلث  
الجنائز والقتال والذكر

حضرت زید بن ارقمؓ (۶۲۲ھ) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نقل کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا :-

ان الله يحب الصمت عند ثلث عند تلاوة القرآن وعند الزحف و  
عند الجنائز

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر خاموشی کو پسند کرتے ہیں۔ ذکر و تلاوت کے وقت۔ جنگ کے وقت اور جنازہ کے موقع پر۔

فہمائے اشخاص کا فرقہ بھی یہی ہے علامہ ابن نجیمؒ (۹۶۹ھ) لکھتے ہیں :-

ويكره رفع الصوت بالذكر وقرأة القرآن وغيرهما في الجنائز والكره  
فيها كراهة تحريم

ترجمہ۔ جنازہ کے ساتھ آواز بلند کرنا ذکر کے ساتھ ہو یا تلاوت قرآن کے ساتھ یا کسی اور کلمہ کے ساتھ یہ سب مکروہ ہے۔ اور مکروہ تحریمی ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص جنازہ کے ساتھ آہستہ آواز سے اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس میں حرج

نہیں۔ فہمائے کرام نے اس کی اجازت دی ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

ويكره رفع الصوت بالذكر فان اراد ان يذكر الله يذكر في نفسه

ترجمہ۔ اونچی آواز سے (جنازہ کے ساتھ) اللہ کا ذکر کرنا مکروہ ہے اگر کوئی ذکر کرے

تو اپنے جی میں ذکر کرے۔

بریلوی علماء کو بھی معلوم ہے کہ مطلق ذکر سے ذکر بالجہر ثابت نہیں ہوتا۔ جنازہ کے ساتھ باتیں کرتے جانا درست نہیں ذکر میں مشغول رہنا بہتر ہے۔ لیکن ان کے پاس ذکر بالجہر کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

عبودنا مولوی محمد عمر صاحب اچھروی نے یہ دلیل وضع کی ہے۔

ذکر جہری بالمیت کرنا اہل سنت کے لیے مندری ہے کیونکہ مسلمانوں کو درہابی اور خفی کے جنازے کا علم ہو جائے۔

کسی مرحوم کے لیے کوئی شخص مرثیہ کہے اور اس میں اپنے غم کا اظہار کرے یا اس کی منقبت بیان کرے تو اس کی فقہانہ اجازت دی ہے مگر اس کا جنازہ سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا محمد عمر نے اس اجازت کو بھی جنازہ کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

تم اپنے جنازہ کے ساتھ فقہانہ کی اتباع میں مرثیہ خوانی کر لیا کرو۔

اس سے آپ اس بے چارگی کا اندازہ کریں جس میں یہ بریلوی علماء مبتلا ہیں کہ دلیل بنے نہ بنے یہ بہر حال کچھ نہ کچھ کہے جاتے ہیں اور یہی بریلویت کی حقیقت ہے۔

## ⑤ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کلمہ پڑھنا

کلمہ شریف ہو یا اللہ تعالیٰ کا ذکر یا قرآن خوانی۔ ان پاک اور طیب کلمات کا تقدس اجازت نہیں دیتا کہ انہیں کسی دنیوی غرض کے لیے پڑھا جائے بہت سے سائلین ریل اور بسوں میں آپ کو ایسے ملیں گے جو واردات کرنے سے پہلے تھوڑی سی قرآن خوانی کرتے ہیں۔ اس قرآن پڑھنے کا مقصد انہیں ان کی باتوں سے چھڑانا اور اپنی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ کلمہ شریف کو یا اللہ کے کلام کو گد اگری کے لیے استعمال کرنا ہرگز روا نہیں صحابہؓ اور تابعینؒ کو ام نے کلمہ اسلام کو کبھی ان دنیوی اغراض کے لیے استعمال نہیں کیا۔

پہرے دار اگر رات پہرہ دیتے بلند آواز سے کلمہ پڑھتا ہے تو اس سے اس کی فرض اپنے آپ کو جگائے رکھنے یا لوگوں کو باخبر رکھنے کے لیے کہ میں اپنی ڈیوٹی کر رہا ہوں کے سرا کیا ہو سکتی ہے۔ ایک چھوٹے کام کے لیے یہ ایک اعلیٰ کلام کا استعمال ہے جو ناجائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے :-

ایک چوکیدار لا الہ الا اللہ کہتا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے وہ گنہگار ہو گا اس واسطے کہ وہ اس کام (چوکیداری) کے دام لیتا ہے (یعنی دام کمانے کی خاطر کلمے کا استعمال کیے جائز ہو سکتا ہے۔)

اب آگے کلمہ کے بعد اذان کے گرد پھیلے بدعات کے کانٹے ملاحظہ فرمائیں۔

## اذان اور اقامت میں لائی گئیں بدعات

- ۱۔ اذان میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ
- ۲۔ اذان میں حضور کے نام پر اپنے انگوٹھے چرمانا
- ۳۔ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر نہ ہو۔
- ۴۔ قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو رد کنا
- ۵۔ وبا اور قحط کے دنوں میں عام اذانیں دینا۔

### ① اذان میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ

اسلام میں عبادات سب تو یقینی ہیں جن کا صحابہ کرامؓ سے منقول و ماثور ہو نامزدوری ہے۔  
 راہ حق کی تعیین حضرت خاتم النبیینؐ نے ما انا علیہ واصحابی سے کر دی ہوئی ہے اور یہ بات  
 اپنی جگہ پختہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں صلوٰۃ وسلام بہرگز نہ تھا۔ نہ شریع اذان میں  
 نہ آخر اذان میں نہ درمیان میں۔ اذان میں اگر کچھ بھی اضافے کی گنجائش ہوئی تو اذان کے آخری جملے  
 لا اِلهَ اِلا اللہ کے ساتھ تکرارِ رسالت محمد رسول اللہ ضرور ملایا جاتا۔ جب یہ نہیں تو کوئی اور  
 کلمہ یا صلوٰۃ وسلام اس حکم میں نہیں کہ اسے اذان میں داخل کیا جاسکے۔

### بریلوی مولویوں کا طریق واردات

بریلوی مولویوں میں جب دین میں کوئی نئی چیز داخل کرتی ہو تو وہ عام طور پر اسے تخصیص کی  
 راہ سے لاتے ہیں ان کا دعوئے خاص ہوتا ہے لیکن اس پر دلیل وہ عام لاتے ہیں کسی عمل کو کسی  
 خاص وقت سے یا کسی خاص ہیئت سے مخصوص کرنے کا حق صرف شریعت کلمہ ہے اگر اس نے اسے



کسی خاص وقت یا کسی خاص ہئیت سے خاص نہیں کیا تو بریلوی اسے کسی خاص وقت سے خاص کر کے ایک بدعت کیوں کھڑی کر دیتے ہیں اور جب ان سے اس کی دلیل پوچھی جائے تو وہ دلیل میں لاتے ہیں ان عموماً کہ جن کا اس خاص وقت یا خاص ہئیت سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بات چل رہی ہوتی ہے اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی اور وہ آیت پڑھنی شروع کر دیتے ہیں جس میں مطلق درود وسلام پڑھنے کا حکم ہے۔ اب یہ لوگوں کو مغالطہ دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ دعویٰ خاص اور دلیل عام۔

عوام کو چاہیے کہ وہ ان کے اس طریقِ واردات سے آگاہ رہیں جب وہ اس طرح مغالطہ دیں تو انہیں صاف کہیں آپ کا دعویٰ خاص ہے۔ آپ اذان کے ساتھ درود وسلام پڑھتے ہیں اور آپ جو دلیل پیش کر رہے ہیں یہ عام ہے اس میں اذان کا کوئی ذکر نہیں۔ سو آپ کے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔

افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں بھی اسی راہ پر چلے ہیں۔ بات اذان کی ہو رہی محض آپ مطلق درود کو لے بیٹھے۔ دیکھئے کیسی ڈھٹائی سے لکھتے ہیں :-

جس امر کا الشرع و جل قرآن عظیم میں مطلق حکم دیتا ہو اور خود اپنا اور اپنے ملائکہ کا کافضل بتاتا ہو اسے (اذان کے ساتھ پڑھنے کو) بدعت کہہ کر منع کرنا انہیں مہمیں کا کام ہے اور وہ مہمیں گمراہ نہ ہوں گے تو ابلیس بھی گمراہ نہ ہو گا اس کی گمراہی ان سے ملکی ہے۔

دیکھئے اعلیٰ حضرت کس دے انداز میں شیطان کی خیر خواہی کر گئے ہیں۔ بریلویوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ شیطان نماز پڑھتا ہے اور وہ بھی دکھانے کے لیے نہیں۔ بلکہ اس لیے کہ شاید اس کی منفعت ہو جائے۔

## شیعوں کی اذان کا بہانہ

بعض نادان بریلوی کہتے ہیں کہ چونکہ اشاعری شیعوں نے اپنی اذان میں خلافت علی بلا فضل کا اضافہ کر رکھا ہے۔ اس لیے ہم اپنی اذان میں اضافہ کیلئے نہ کریں مصر میں فاطمیوں نے جو اسماعیلی عقیدہ رکھتے تھے۔ اذان میں السلام علی الملک الظاہر کا اضافہ کر رکھا تھا۔ سلطان صلاح الدین الیوبیؒ نے اسے بدل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام شروع کر دیا تو ہمارا یہ اضافہ اب صرف شیعوں کے مقابل میں ہیں۔

جو تابع مزہب ہے کیا متہارے لیے شیعوں ہی مشعل راہ رہ گئے ہیں۔ تم کہاں تک ان کے پیچھے چلو گے ہمارے لیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا علیہ و احبابی کو سنگ میل بنایا تھا تم شیعوں کو اپنا پیشوا بنا بیٹھے شیعوں میں ایک فرقہ مفوضہ گزرا ہے جس نے اذان میں اضافہ کیا تھا۔ اثنا عشری شیعہ محدث شیخ صدوق ابن بابویہ العمی (۵۳۸) نے من لا یخضرہ الفقیہ میں اس کی پرزور تردید کی ہے اور لکھا کہ حضرت علیؑ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حق ولایت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ جملہ اذان میں سے نہیں اسے اذان میں کیوں داخل کر دیا گیا ہے۔ ابن بابویہ قتی نے اس پر صریح لفظوں میں مفوضہ پر لعنت کی ہے۔

سلطان صلاح الدین الیوبیؒ نے جب اسماعیلیوں پر فتح پائی تو اسے پھر سے ان کی بغاوت کا اندیشہ تھا۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ دیہات اور صحرائے آبادیوں میں یہ بات چلے کہ سلطان نے اذان میں صلوٰۃ و سلام بند کر دیا ہے۔ اس نے اس سیاسی مصیبت سے اس بدعت کا کچھ امانہ کر دیا کہ اب سبجائے اسماعیلیوں کے امام ظاہر کے صلوٰۃ و سلام حضرت خاتم النبیینؐ پر پڑھا جانے لگا اور پھر جب حالات درست ہو گئے تو یہ صلوٰۃ و سلام بھی صحرائے اذانوں سے جاتا رہا۔ اور آج مصر میں یہ کسی مسجد میں اذان کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ محض ایک وقتی مصیبت تھی۔

اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام کہنا یہ آٹھویں صدی کی یاد ہے۔ اس سے پہلے یہ کہیں نہ تھا خود مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:-

در مختار میں ہے۔ والتسلیم بعد الاذان حدث فی ربيع الآخر ۸۱۰ سبغ مائۃ واحدی وثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنين ۱۰

اب آپ ہی خود فرمائیں جو چیز اسلام کی پہلی سات صدیوں میں کہیں نہ پائی گئی نہ کہیں سنی گئی۔ وہ اسلام میں کیسے مستحسن ہو گئی۔ استحسان اور استقباب شرعی حکم میں۔ ان کے لیے دلیل شریعت سے ہونی چاہیے کسی بادشاہ کافر مان اس کے لیے کافی نہیں ہو سکتا ہے اس نے کس مجبوری میں فیصلہ کیا تھا اسے کون جانے پاکستان میں پیر جماعت علی شاہ صاحب دہلی پر ضلع سیالکوٹ کے پیروؤں نے اس مسئلہ پر بریلویوں کی کھل کر مخالفت کی ہے۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب مولانا احمد رضا خاں کی زندگی میں کبھی ان کے ہم خیال نہ ہوئے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی پر کبھی تعرض بھی کر دیتے ان کی پوزیشن کمزور کرنے کی کوشش کرتے اور پیر جماعت علی شاہ صاحب مشائخ نقشبندیہ پر جان دیتے تھے۔ اب کوئی نقشبندی کیسے مولانا احمد رضا خاں کا متفقہ ہو سکتا ہے۔ احمد رضا خاں لکھتے ہیں:-

کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ جانے۔

مجددی ہونا کیا کوئی عیب ہے؟ مولانا احمد رضا خاں اسے اس طرح ذکر کر رہے ہیں گویا ان کی مجددیوں سے کوئی نسبت عقیدت نہیں۔ پھر تعجب ان مجددیوں پر ہے جو مولانا احمد رضا خاں کو اعلیٰ حضرت کہتے ہیں۔

## اذان کے ساتھ درود ملانے کی ایک بریلوی دلیل

سہیل ال منیع سرگرمی کے علاوہ میں ایک بریلوی شیخ الحدیث بزرگوار سے ہمیشہ اپنی مضمونہ اذان ثابت کرتے سنائی دے رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۶ھ) کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علی فانه من صلی علی صلوة

صلی اللہ علیہ بہا عشر ایل

ترجمہ: جب تم مؤذن کو (اذان دیتے) سنو تو تم بھی وہ کلمات کہو جو وہ مؤذن کہہ رہا ہے پھر تم مجھ پر درود پڑھو جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔

## بریلوی استدلال

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اذان کو درود شریف سے ایک بڑی مناسبت ہے۔ اذان کے ساتھ اے پڑھنا بڑا ہی مناسب ہے۔ اذان کے بعد ہم اس لیے درود پڑھتے ہیں کہ سب سننے والوں کو اس طرف توجہ ہو جائے اور وہ بھی پڑھیں سو یہ ہمارا پڑھنا تعلیم ہے۔

## اجواب

یہ درود شریف پڑھنے کا کلمہ اذان سننے والوں کو ہے اذان دینے والے کو نہیں۔ اذان ایک دعوت اور اعلان ہے۔ دعوت اور اعلان کی اصل یہ ہے کہ وہ جہرا ہو تاکہ دوسروں کو پتہ چلے اور درود شریف پڑھنا ان بنی وادو جلدی کے لئے حضورؐ نے فرمایا۔ المؤذن یفعلہ صدی صوتہ۔ مؤذن کی اس حد تک مغفرت ہے کہ جہاں تک اس کی آواز پہنچے۔ (رواہ ابوداؤد)

ایک دعا ہے اور دُعا کا مزاج یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو۔ اذان سننے والے جس طرح آہستہ آواز سے کلمات اذان ساتھ ساتھ دہراتے ہیں اسی آواز سے وہ آگے درود شریف پڑھ لیں گے۔ مؤذن با آواز بلند درود شریف اذان کے ساتھ تلائے۔ یہ بات کہاں سے نکل آئی۔ اس پر غور کیجئے۔

② جو بات تعلیماً با آواز بلند کہی جائے وہ کچھ دنوں بعد جھوڑ دی جاتی ہے تاکہ عبادت اپنی اصل پر آجائے۔ آنحضرتؐ نے آئین بھی با آواز بلند کہی تاکہ مقتدیوں کو آئین کے محل اور تلفظ کا پتہ چل جائے پھر جو آئین سنت قائم قرار پائی۔ وہ اب تک اصناف کے ہاں آہستہ آواز سے کہی جاتی ہے۔

اذا دعا بالداء الماثور جہرا ومعه القوم ليتعلموا الدعاء لا يأس به واذا تعلموا  
حينئذ يكون جہرا القوم بدعہ ۛ

ترجمہ جب امام ایسی دعا میں جو آثار میں ملتی ہیں بلند آواز سے مانگے اور قوم بھی اس کے ساتھ اسی طرح کریں تاکہ دعا سیکھ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں جب وہ سیکھ لیں تو اس وقت ان کا بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہوگا۔

③ اب بریلویوں کی مسجدوں میں آج کل جو اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام تلائے ہیں وہ اذان سے پہلے پڑھتے ہیں اذان کی باری بعد میں آتی ہے اسے شہر صلوٰۃ اعلیٰ کا تمیز مکہ بتانا کی صاحب علم کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے اس ارشاد پر کبھی عمل کیا یا نہیں۔ اس ارشاد کے اولین مخاطب وہی تھے کیا کبھی انہوں نے اپنی اذان میں کلمات اذان کے ساتھ کبھی درود وسلام بلند آواز سے تلا یا تھا؟ فاعتبرا یا اولی الابصار۔

## ذکر اور درود میں فرق

اصل ذکر اور دعا دونوں میں یہ ہے کہ آہستہ آواز سے ہو۔ البتہ بعض حالات میں فکر بلند آواز سے بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے مسجد میں کسی قرآن پڑھنے والے کو کسی نماز پڑھنے والے کو اور

کسی سونے والے مشکف کو کئی تکلیف نہ ہو۔ لیکن درود شریف کہیں پاؤں بند پڑنے کی اجازت نہیں۔ اسے ہمیشہ آہستہ ہی پڑھنا ہوگا۔ فقہ حنفی میں یہ مسئلہ صراحت سے موجود ہے۔

والسنة ان يخفی صوته بالدعاء

ترجمہ۔ اور سنت طریقہ یہ ہے کہ دعا کے لیے اپنی آواز کو آہستہ رکھے اور روضہ

اقدس پر جب صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو ادب ملحوظ رکھے۔

ولا یرفع صوته ولا یقتصد

ترجمہ۔ اور صلوٰۃ وسلام میں اپنی آواز اونچی نہ کرے نہ درمیانی آواز نکالے۔

یعنی بالکل آہستہ بالکل دبی آواز سے صلوٰۃ وسلام عرض کرے۔ یہ گلے پھاڑ پھاڑ کر درود

سلام کہنا اور اسے اذان کی طرح جہر کہنا اس سے زیادہ آداب و رد و کی بے حاشی کیا ہوگی۔

ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں ہے۔

ویستحب ان یدعی علی النبی المعلم للخیار صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ

من تلبیة و یخفض صوته بذلك

ترجمہ۔ اور مستحب ہے کہ تلبیہ سے فارغ ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو خیر کھانے

والے ہیں ان پر درود پڑھے اور درود پڑھتے آواز آہستہ رکھے۔

علماء احناف تو یہ کہیں کہ درود شریف کا (برجہ دعا ہونے کے) مزاج یہ ہے کہ اسے نہایت

دبی آواز سے پڑھا جائے اور یہ نام کے حنفی اذان کے ساتھ درود وسلام اتنی بلند آواز سے گلا پھاڑ

پھاڑ کر پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن قیم (۷۹۹ھ) البیہقہ ثانی بھی کہا جاتا ہے وہ بھی لکھتے ہیں۔

ثم اذا احرم صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عقب احرامہ سراً و

هكذا یفعل عقب التلبیة

لہ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲۳ ص ۱۷۱ ایضاً کتاب المناسک جلد ۲ ص ۲۷۱ فتح القدیر جلد ۱ ص ۱۴۱

لہ البحر الرائق جلد ۲ ص ۲۲۳

ترجمہ پھر جب احرام باندھ لے اور محرم ہو جائے تو اس کے متصلاً بعد (نہایت  
آہستہ سے) جیسے کئی راز کی بات ہو درود شریف پڑھے اور اسی طرح آہستہ آواز  
سے لبیک کے بعد بھی درود شریف پڑھے۔

کشتی بچکے کمانے لگے اور مسافر گہرا جا میں تو ذکر آہستہ آواز سے کریں۔ لڑائی کے وقت  
بھی ذکر الہی نہایت آہستہ آواز سے ہو اور درود شریف میں تو فضیلت اسی میں ہے کہ آہستہ ہو  
گلا بچاڑ بچاڑ کر نہ ہو۔ نہ یہ لاؤ ڈسپیکر پر پڑھا جائے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

والا خفاء افضل عند الفزع فی السفینۃ وملاعبتہم بالسیوف وکذا  
المصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ کشتی میں گہرا ہٹ کے وقت بھی آہستہ اللہ کا ذکر کرے۔ تلواروں سے  
کھیلتے وقت بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے وقت بھی  
آواز کو آہستہ رکھے۔

درود شریف بلند آواز سے پڑھنا پھر اسی آواز میں جس میں اذان کہتے ہیں اس کا فقہ حنفی  
میں رائی کے دانے کے برابر جواز نہیں ملتا۔ چہ جائیکہ اسے حنفی مذہب کا نشان سمجھا جائے۔ ہاں کئی  
جہلی حنفی ہی طرح کہنے پر مذکر لے تو ہم اس کا کیا کر سکتے ہیں۔

تبلیغ تو اس آواز سے نہیں کہا جاتا جس میں اذان کہتے ہیں۔ یہ ایسی آواز سے کہتے ہیں کہ  
ساتھ والے سنتے ہیں درود والے نہیں اور درود شریف کے بارے میں حکم ہے کہ اسے تبلیغ کی آواز  
سے بھی آہستہ آواز میں پڑھا جائے۔ دسویں صدی کے مجدد و ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری بھی  
کہتے ہیں۔

وعی الدارقطنی والبیہقی انه علیہ السلام کان یصلی علی نفسه بعد التلبیۃ

و یستحب ان یکون صوتہ بہ اخفض من التلبیۃ

ترجمہ دارقطنی اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لبیک پکارنے کے بعد اپنے اوپر خود بھی درود پڑھتے تھے اور مستحب یہ ہے کہ درود پڑھنے کی آواز تبلیغ کی آواز سے بھی دینی اور نیچی ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کچھ لوگوں کو مسجد میں بلند آواز سے درود پڑھتے دیکھا تو علی الاعلان فرمایا۔ ما اراکم الا مبتدعین۔ تم سب بدعتی ہو۔ یہ کہا اور انہیں مسجد سے نکال دیا۔ ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر آپ کے سامنے آگئی ہوگی کہ یہ موقوف صرف اذان میں صلوٰۃ وسلام کے اضافے کا نہیں۔ درود وسلام کو جہر سے پڑھنے کا بھی ہے اور یہ وہ صورتِ عمل ہے جس کی فقہ حنفی میں خدا گنجائش نہیں ہے۔

سو بریلوی مساجد کا طویل کو نودن اذان کی آواز کے ساتھ درود وسلام پڑھتا ہے۔ ایسی بدعت ہے کہ اہل السنۃ والجماعہ کی منہوں میں اس کے لیے کوئی مقام نہیں۔ اہل السنۃ والجماعہ اور بریلویوں کا یہ اختلاف ایک اصولی اختلاف ہے یہ کوئی برسرِ راہ کا اختلاف نہیں۔

هَذَا مَا عِنْدِي وَهَذَا النَّاسُ مَا عِنْدَهُمْ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا قَوْلٍ شَهِيدٌ۔

جس سال سب سے پہلے اذان میں صلوٰۃ وسلام تلا یا گیا اور یہ سنتِ اسلام پہلی دفعہ مجروح ہوئی تو امام سیوطیؒ کے بیان کے مطابق بنی نوع انسان میں پہلی جنسی تبدیلی اسی سال واقع ہوئی۔ لڑکیاں لڑکے بنتے لگے اور لڑکے لڑکیاں اور آج کل کی یہ مخلوط قضا اذان کو مخلوط ملط کرنے کی واقعی ایک قومی منرا ہے۔ غائب ہوا یا اولیٰ الا بصر۔ یہ سن ۸۱ھ تھا۔ جب اہل سنت کی اذان پہلی دفعہ کسی اضافے سے مخلوط کی گئی۔



## ⑦ اذان میں حضورؐ کے نام پر انگوٹھے چومنا

بریلویوں میں ایک یہ بدعت بھی پائی جاتی ہے کہ اذان سنتے وقت وہ اپنے انگوٹھوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھے قرار دے کر نہایت محبت اور عقیدت میں ان انگوٹھوں کو چومتے ہیں۔ اب اپنے انگوٹھوں کو حضورؐ کے انگوٹھے قرار دینے کی اس گستاخی پر ان کی ایک دلیل ملاحظہ

ہو:-

سید الکائنات نے کیا بیعت رضوان کے موقع پر کیا اپنے بائیں ہاتھ کو سیدی حضرت عثمانؓ کا ہاتھ نہ ٹھہرایا؟ کیا سید الکائنات نے پھر اپنے دائیں ہاتھ سے سیدی حضرت عثمانؓ کی بیعت نہ لی؟ اگر ہم اپنے انگوٹھوں کو اذان میں حضور سید الکائنات کے انگوٹھے سمجھ کر انہیں بدعت عتیدت دیں تو یہ ناجائز کیسے ہو گیا کیا صحیح بخاری میں اس کی اصل نہیں ملتی کہ سید الکائنات نے اپنے ہاتھ کو سیدی حضرت عثمانؓ کا ہاتھ نہ ٹھہرایا اور پندرہ سو صحابہؓ نے اس پر سکوت کیا کسی نے نکیر نہ کی۔ کیا صحابہؓ کا اجماع حجت نہیں ہے؟

غیر مجتہد جب اجتہاد پر آجائے تو ایسے ہی گمگھلاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اللہ کے پیغمبر کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور عصمت کے سائے میں ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان میں جو حضرت عثمانؓ کی بیعت لی یہ وحی الہی سے ممتی گویہ وحی غیر متشوہی اور اس طرح حضرت عثمانؓ کے مثالی ہاتھ پر اللہ رب العزت کا ہاتھ تھا اس کا ذکر وحی متشوہ (قرآن کریم) میں موجود ہے۔

پھر حضرت عثمانؓ کا حضور رسالت مآبؐ کا احترام ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں:-

میں نے جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے اس کے بعد اس کا ہاتھ سے شرمگاہ کو نہیں چھوئے گا۔

لے اشتہار واجب الاعتبار (مولانا) مختار احمد مطبوعہ کانپور لے رواہ ابن ماجہ ص ۲

اب کئی ان اہل بدعت سے پوچھے کہ جب تم اذان میں اپنے انگوٹھوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھے قرار دیتے ہو تو پھر کیا تم اپنے ان ہاتھوں سے استنجاء نہیں کرتے؟ کیا تمہارا یہی احترام مصطفیٰ ہے؟ اور کیا تمہارے پاس بھی کوئی وحی آئی ہے کہ تمہارے انگوٹھے حضور سر کائنات کے انگوٹھوں کے درجہ کو پہنچ گئے ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف کرو اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گستاخی سے بچو۔

پھر اپنی اس گستاخی پر بریلویوں نے ایک موضوع روایت کا سہارا لے رکھا ہے اس پر عمل کرنے سے پہلے بریلویوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر پوری نظر رکھنی چاہیے تھی۔

من کذب علی متعمداً فلیتوبواً مقعدہ من النار

مخبر جس نے جانتے بوجہ مجھ پر جھوٹ باندھا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حضرت ابو بکر صدیق اپنی تمام زندگی میں حضور کے ساتھ اس طرح چلے ہیں جیسے سایہ اپنی اصل کے ساتھ چلتا ہے سو حضرت ابو بکرؓ پر جھوٹ باندھنا بھی جہنمی ہونے کا ہی ایک نشان ہے۔ وہ موضوع روایت یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مؤذن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے سنا تو آپ نے اپنی انگلیوں کے باطنی حصے کو چوما اور آنکھوں سے لگایا — یہ روایت علامہ دہلویؒ کی کتاب منہ الفردوس کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے۔

فن حدیث میں جو کتابیں موضوعات (گھڑی ہوئی احادیث) پر لکھی گئی ہیں ان میں علامہ طبرانی کی تذکرۃ الموضوعات اور علامہ علی قاریؒ کی موضوعات کبیر بہت معروف ہیں۔ ان دونوں میں علی الترتیب ص ۳۱ اور ص ۳۲ پر یہ روایت لایا ہے کہ کہہ کر نقل کی گئی ہے۔ اس کا ان موضوعات کی کتابوں میں اس طرح نقل ہونا بتاتا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ موضوعات کی بحث میں جب کسی حدیث کے متعلق کہا جائے لایا ہے اور آگے اس کے حسن یا ضعیف ہونے کا کوئی ذکر نہ ہو تو اس سے مراد اس

حدیث کا سرے سے نہ ثابت ہونا ہی ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس سے حسن یا ضعیف ہونے کی نفی نہ ہو اور ان کتابوں کا اسلوب سمجھنے والوں پر یہ بات غنی نہیں ہے۔ یہاں لایصح کا مطلب یہی ہے کہ یہ روایت سرے سے ثابت نہیں — علامہ سخاویؒ نے اسے متعارضہ میں بھی نقل کیا ہے مگر مامعلی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں اسے علامہ سخاویؒ کے حوالے سے ہی لایصح کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔

جب کسی ضعیف حدیث کو مجروح کیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ موضوع ہے۔ ورنہ ضعیف کے نیچے اور کون سا درجہ ہے کہ ضعیف پر جرح کر کے اسے اس درجہ تک لایا جائے۔ مولانا احمد رضا خاں نے انگوٹھوں کے چومنے کی روایات کو صرف ضعیف نہیں کہا ضعیفہ مجروحہ کہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :-

اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرذوع سے ثابت نہیں نہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی ہے جو اس کے لیے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون جانیں یا نفض ترک کو باعث زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے ہاں بعض اہل حدیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد ہے۔

یہاں مولانا احمد رضا خاں نے صریح طور پر ان روایات کو اس درجے میں ضعیف مانا ہے کہ ان پر ضعف سے آگے بھی جرح ہے۔ اب ضعف سے آگے وضع کے سوا اور کیا درجہ باقی رہ جاتا ہے اس پر آپ خود غور فرمائیں۔

ضعیف حدیث پر عمل بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ اس کا ثبوت حدیث میں موجود ہے۔

لا یعتقد عند العمل بہ ثبوتہ۔

ترجمہ۔ اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ یہ عمل شرعاً ثابت ہے۔

اب آپ ہی بتائیں اذان میں یہ انگٹھٹھے چومنے والے اپنے اس عمل پر کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

بریلوی حضرات کو اگر واقعی یہ یقین ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں تو انہیں چاہیئے کہ اس کی کوئی ایسی سند پیش کریں جس میں کوئی راوی متہم بالوضع نہ ہو۔ سنذیں ایک راوی بھی وضاع ہو تو حدیث ضعیف نہ رہے گی۔ ضعیف حدیث پر عمل بھی صرف اس صورت میں جائز ہے کہ وہ موضوع درجے تک نہ پہنچی ہو۔ علامہ سخاویؒ (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:-

يجوز وليستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً۔

ترجمہ۔ فضائل اور ترغیب و ترویج میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا اسی وقت تک جائز اور تحسن ہے کہ وہ موضوع ہونے کے درجے تک نہ پہنچی ہو۔

علامہ ملال الدین سیوطیؒ نے تیسرے مقال میں ان احادیث کے بارے میں مفصل یہ دیا ہے:-

الحديث التي رويت في تقبيل الاقدام وجعلها على العينين عنه سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المودن نأكلمة التهاداة كلہا موضوعات۔

ترجمہ۔ وہ احادیث جو حضورؐ کا نام لینے کے وقت انگلیوں کے چومنے اور انہیں آنکھوں پر رکھنے کے بارے میں روایت کی گئی ہیں سب کی سب موضوع ہیں۔

## مولانا احمد رضا خاں اور مفتی احمد یار خاں میں اختلاف

مولانا احمد رضا خاں جس درجے میں بھی اس مسئلے کا اقرار کرتے ہیں وہ مسئلہ انگٹھٹھے چومنے کا ہے۔ انگلیاں چومنے کا نہیں اور مفتی احمد یار خاں صاحب انگٹھٹھے چومنے کی بجائے انگلیوں کے

چو بمنے کے قائل ہیں مولانا احمد رضا خاں انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھنے کا مسئلہ بیان کرتے ہیں مگر مفتی صاحب انگلیوں کے اندر کے حصوں کو چو بمنے کے قائل ہیں مولانا احمد رضا خاں کی یہ کتاب منیر العینین فی تقبیل الاسبہامین انگوٹھوں کے حق میں ہے۔ مگر مفتی صاحب کو انگلیوں کی عادت مفتی بریلویوں میں دونوں طرح یہ عمل جاری ہے۔

ایک دفعہ دونوں گروہوں کے کچھ لوگ بات کے تقصیف کے لیے بیٹھے کہ انگوٹھے چوے جائیں یا انگلیاں مسنے کا فیصلہ تو ان میں نہ ہو سکا۔ البتہ مولانا محمد عمر چھوڑی نے دونوں میں اس طرح صلح کرادی کہ سری نمازوں کی اذان میں انگلیاں اور جہری نمازوں کی اذان میں انگوٹھے چوے جائیں۔ سنہ ۱۳۵۱ھ میں دونوں فریق راضی ہو گئے۔

ہم کہتے ہیں جب اصل مسئلہ ہی کہیں موجود نہیں تو اس کی یہ تفصیل کہاں موجود ہوگی۔ ہم مولانا محمد عمر صاحب سے اس کی دلیل نہیں پوچھتے۔ وہ اپنی ان بدعات کا جواب دینے کے لیے خود اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں۔

اہل بدعت نے اپنے اس خود ساختہ مسئلے کے لیے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نام سے روایت گھڑی اور اس کی حقیقت آپؓ عنابر ابدال محدثین سے سن چکے ہیں۔ اس دور کے اہل بدعت نے کہا زین پر پہلے خلیفہ تو حضرت آدم علیہ السلام میں۔ اب ان کے نام سے بھی انہوں نے ایک روایت گھڑ لی مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں:-

حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوماد اور ان کو کھسک لگایا۔

مفتی صاحب کہتے ہیں یہاں روح القدس سے مراد نور مصطفیٰ ہے جو آدم علیہ السلام کے انگوٹھوں میں چمکایا گیا تھا کیا ہم مفتی صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے انگوٹھوں میں بھی کبھی نور مصطفیٰ چمکا ہے جو آپ انہیں بار بار چومتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آدم ثانی کا دھوئے کرنا

آپ کے پیش نظر ہو اور اس پر آپ اپنے انگوٹھوں میں نورِ مصطفویٰ چمکنے سے مدعی ہوں۔

پیچھے غنیۃ الشری فی الارض ہوں (جیسے آدم علیہ السلام) یا پیچھے غنیۃ راشد (حضرت ابو بکر صدیقؓ) بریلویوں نے ان کے نام سے اذان میں انگوٹھے چومنے کی روایت بنا رکھی ہیں۔

نوٹ: معنی صاحب نے یہ روایت کہاں سے لی ہے؟ اپنے استاد مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے انہوں نے اسے کہاں سے لیا ہے وہ ان کی زبان سے سنئے اور ان محققین کے اس اعتماد پر

سر دھینے۔

ولایت سے انہیں کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا..... اس میں لکھا ہے:

### بعض صوفیوں نے بطور علاج اس میں فائدہ دیکھا

بعض اعمال بطور علاج مفید پائے گئے تو علمائے ان کی اجازت دی بشرطیکہ کرنے والا اسے دینی تقاضا نہ سمجھے نہ اس کے شرعی ثبوت کا قائل ہو اسے درجہ علاج میں ہی رکھے حضرت خضرؑ کے اعمال شرعی درجہ میں سمجھ نہیں آ سکتے تھے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برداشت نہ ہو سکا۔ علماء شریعت نے لکھا ہے کہ صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں رکھتا۔

ایک درویش محمد بن بابا نے بیان کیا ایک باریز آندھی سے ان کی آنکھ میں کنکری پڑ گئی۔ وہ نکلتی نہ تھی اور سخت درد تھا۔ انہوں نے مؤذن کو اذان دیتے سنا جب اس نے اشدھ اتّ محمدؐ اور رسول اللہؐ کہا تو انہوں نے بھی یہ کلمہ دہرایا کنکری فوراً نکل گئی۔ اس طرح ایک درویش امجد نے اپنا تجربہ بیان کیا کہ جو شخص اذان میں حضورؐ کا نام سن کر اپنی انگشت شہادت اور انگوٹھے کا بوڑا انگوٹھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

یہ تجربے عملیات کی قبیل سے ہیں یہ شریعت کے مسائل نہیں تاہم ان کے اثرات دیکھے گئے علامہ شامی نے فتاویٰ صوفیہ سے اسے نقل کیا اور حرج ضعیف روایات ان کے ثبوت میں نہیں

ہیں ان کے پیش نظر اس عمل کو مستحب کہا اور آخر میں کہہ دیا کہ حضورؐ سے اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی۔ يستحب ان يقال عند سماع الاذی من الشهادة صلى الله عليه وسلم يا رسول الله وعند الثانية منها قرعة عيني بك يا رسول الله... كذا في كنز العباد للقهستاني ونحوه في الفتاوى الصوفية وفي كتاب الفردوس من قبل ظهري ابهاميه عند سماع... ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء ۱

ترجمہ: مستحب ہے کہ پہلی شہادت (اشہد ان محمدًا رسول اللہ) کے وقت صلی اللہ علیہ وسلم کہے اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بك یا رسول اللہ میری آنکھ کی ٹھنڈک آپ کے نام سے ہے، کہے کنز العباد میں اسی طرح دیا گیا ہے۔ فتاویٰ صوفیہ میں بھی اسی طرح دیا گیا ہے۔ فتاویٰ صوفیہ میں بھی اس طرح ہے اور منہ الفردوس میں ہے جس نے اپنے انگوٹھ کی پشت کو اس سننے پر بوسہ دیا..... الخ مرفوع روایات میں سے اس باب میں کوئی چیز صحیح طور پر ثابت نہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس عمل کو زیادہ سے زیادہ مستحب کا درجہ دیا جاسکتا ہے لیکن جب یہ عمل اہل بدعت میں کفر و اسلام کی نشانی بن چکا ہے تو اسے ناجائز قرار دیئے بغیر اور ترک کیے بغیر اہل حق کے لیے اور کوئی راہ نہیں۔ بریلویوں کے بڑے عالم مولانا محمود احمد رضوی مہتمم مدرسہ حزب الاحناف لکھتے ہیں :-

فہتاتۃ احناف بتقریح فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی امر مستحب کو فرض و واجب سمجھنے لگے یا کسی امر مستحب کو فرض اور واجب کا درجہ دے تو جان لو کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا..... جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا۔ ۲

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نماز چاشت کے بارے میں جو سند صحیح سے ثابت ہے

حضرت ابن عمرؓ کے اسے بدعت ٹھہرانے کے بارے میں لکھتے ہیں :-

جو لوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ لوگوں کے مجمع ہونے اور مسجد میں علی الاعلان پڑھنے کی بنا پر ہے یہ نماز (نماز چاشت) حد ذات میں تو مشروع ہے لیکن اس کا ایسا اجتماع اور اظہار کرنا جیسا کہ یہ عمل فرض میں سے ہو بدعت ہے بلکہ

گجرات کے جلیل القدر عالم حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاہوری بھی لکھتے ہیں :-  
نام مبارک لے کر، یا سن کر، انگوٹھے چومنے کو حدیث سے ثابت شدہ ماننا اور سنون سمجھنا اور اس کو آپ کی تعظیم ٹھہرانا غلط اور بے دلیل ہے یہ بدعتوں کی ایجاد ہے اور اس سے احتراز کرنا ضروری ہے بلکہ

اب صورت یہ ہے کہ لوگ اس کو آپ کی خاص تعظیم اور سنت مقصودہ سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو لعن طعن کرتے ہیں اور تحفیت کے خلاف اور اہل سنت سے خارج تصور کرتے ہیں یہ تمام باتیں غلط ہیں اور ان کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ ایسا نہ کیا جائے اور اس عمل کو ترک کر دیا جائے۔ فقہ کا سلمہ قاعدہ ہے کہ مستحب کو جب اپنے درجہ سے بڑھا دیا جاتا ہے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے واستنبط منه ان المندوب ینقلب مکروہا اذا خیف ان یرفع عن مرتبتہ۔ ترجمہ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مستحب چیز بھی مکروہ ہو جاتی ہے جب اُسے اپنے درجہ سے اونچا کیا جائے۔  
حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی لکھتے ہیں :-

ان المندوبات قد تنقلب مکروہات اذا رفعت عن مرتبتها لان التیام متعبد فی کل شیء من امور العبادۃ لکن لما خشی ابن مسعود ان یعتقدوا وجوبہ اشار الی کراہتہ۔ کہ



حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف جس حدیث کی نسبت کی جاتی ہے وہ موضوع ہے حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں :-

جب کہ حدیث کا ناقابل استدلال ہونا ثابت ہے تو پھر اس کو سنت یا مستحب سمجھنا بنے دلیل ہے اور اس کے تارک کو ملامت کرنا یا طعن کرنا مذموم زیادہ سے زیادہ اس کو بطور علاج رد کے ایک عمل سمجھ کر کوئی کر لے تو مثل دیگر عملیات مباح ہو سکتا ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

### ③ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر نہ ہو

مولانا احمد رضا خاں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف یہ آواز اٹھائی کہ آپ نے جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر امام کے سامنے دو آنے میں غلطی کی ہے۔ یہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہیے یہ موقف ائمہ دین حضرات کا تھا احناف کا نہیں۔ مشہور ائمہ دین عالم مولانا شمس الحق نے عون المجدود میں یہی موقف اختیار کیا تھا مولانا احمد رضا خاں جن مسائل میں ائمہ دین کے ساتھ چلے یہ مسئلہ بھی ان میں سے ہے۔ علماء بدایوں جو اکثر بدعات میں مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ تھے اس مسئلے میں ذہ بھی مولانا احمد رضا خاں کے خلاف ہو گئے۔ مولانا احمد رضا خاں نے علماء بدایوں جو عثمانی النسب تھے کے خلاف ایک رسالہ اجلی انوار الرضا لکھا۔ اس میں آپ نے انہیں پوری نسبت کا طعنہ دیا جو کسی سنی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا۔ مولانا احمد رضا خاں نے لکھا :-

جو در بارہ اذان سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اگر امام وقت ہے (اپنی ذات مراد مطلق) جاہل و نامہذب اور ہزاروں دشنام کا مستوجب

ہے اور جو پدر پرستی میں (حضرت عثمانؓ کی پیروی میں) سنت نبوی اور  
ارشاد اہل بیتؑ پس پشت پھینک دے وہ جاہل سے جاہل ہو امام زمان اور  
علامہ جنین و چناں ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے اس پر رسالہ تنبیض الاذان فی تحقیق محل الاذان  
لکھا۔ پھر خیر آبادی علماء بھی مولانا احمد رضا خاں کے خلاف ہو گئے۔ مولانا صمیم الدین اجیری نے بھی  
القول الاظہر احمد رضا خاں کے خلاف لکھا۔ احمد رضا خاں سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ وہ علمی پایہ میں  
مولانا اجیری کے پایہ کے نہ تھے۔ القول الاظہر کا نتیجہ یہ نکلا کہ بریلویوں نے اس مسئلہ میں مولانا  
احمد رضا خاں کی پیروی سے انکار کر دیا۔ آج ان کی مساجد میں بھی جمعہ کی اذان مسجد کے اندر ہی ہوتی  
ہے اگر باہر دی جائے تو پتہ نہیں رہتا کہ مؤذن امام کے عین سامنے اذان دے رہا ہے یا نہیں۔  
فقہ حنفی کی مشہور کتاب مراۃ المفلاح میں ہے۔

والاذان بین یدیه کا الاقامة تجزئ بہ التوارث لہ

ترجمہ۔ اور جمعہ کی اذان ثانی امام کے سامنے دی جائے جیسے اقامت ہوتی ہے

صحابہ کے دور سے یہ مسئلہ مسلسل چلا آ رہا ہے

بسو خاں صاحب کا یہ کہنا کہ یہ اذان بھی مسجد سے باہر دی جائے فقہ حنفی کے مطابق نہیں۔

اس مسئلہ کی تفصیل ان شاء اللہ ہم کہیں آگے جا کر کریں گے۔ واللہ هو الموفق لما یحبہ ویرضی بہ۔

### (۳) قدامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز سمجھنا

اس زمانے کی بدعات میں ایک بدعت جماعت کے لیے قدامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے  
کی لازمی پابندی ہے۔ اہل بدعت کی مسجدوں میں امام کے مصلے پر آنے کے بعد تکبیر کے شروع میں اگر  
لوگ صف میں کھڑے ہوئے لگیں تو انہیں روکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے قدامت الصلوٰۃ سے پہلے

کھڑا ہونا جائز نہیں۔

نمازی جماعت کے لیے کس وقت کھڑے ہوں؟ اس کے لیے شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی کہ اس کے خلاف کرنا مکروہ ہو۔ ہاں آخری مدد قیامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونا ہے اس سے زیادہ تاخیر مکروہ ہے۔

حضرت امام مالکؒ مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں درس دیتے تھے اور وہیں نماز پڑھتے تھے۔ ان کا زمانہ خلافت راشدہ سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ ان کے دور میں مسجد نبویؐ میں کیا عمل تھا اسے آپؐ کی زبان سے سنئے۔ آپؐ لکھتے ہیں:-

اما قیام الناس حين تقام الصلوة فاني لم اسمع في قيام الناس بعد محدود الا اني ارى ذلك على طاعة الناس<sup>۱</sup>۔

ترجمہ: نماز کھڑی ہر تو لوگ کب کھڑے ہوں؟ میں نے اس میں کوئی حد معین کی روایت نہیں سنی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگوں کی اپنی ہمت پر موقوف ہے۔

یعنی جو ہمدی کھڑا ہو سکے وہ ہمدی کھڑا ہو جائے۔ جو کمزور ہو وہ خدا پر سے کھڑا ہو لے سبب یہ ہے کہ اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن تکبیر کہنے لگے۔ مؤذن کے تکبیر شروع کرنے کے بعد بھی بیٹھا رہنا اور قد قیامت الصلوٰۃ کا انتظار کرنا اس سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز سمجھنا اس بدعت نے ان دنوں بعض مسجدوں میں عجیب حال پیدا کر رکھا ہے۔ حضرت امام مالکؒ خود تکبیر کے شروع میں کھڑے ہوتے تھے۔ حافظ ابن حزم اندلسیؒ (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:-

روى عن مالك انه يقوم في اول الاقامة<sup>۲</sup>۔

ترجمہ: امام مالکؒ سے مروی ہے کہ آپ شروع اقامت میں کھڑے ہوتے تھے۔

حضرت علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

قد اختلف الناس متى يقوم الناس الى الصلوة فذهب مالك وجهمور

لے موطا امام مالکؒ نے پہلی جلد ص ۱۷۱

العلماء الى انه ليس لقيامهم وحده ولكن استحب عامتهم القيام اذا  
اخذ المؤذن في اقامة له

ترجمہ سلف میں اس میں اختلاف رہا ہے کہ لوگ نماز کے لیے کب کھڑے ہوں۔ امام  
مالکؒ اور جمہور علماء کی رائے ہے کہ مقتدیوں کے کھڑا ہونے کے لیے شریعت نے کوئی  
مد مقرر نہیں کی۔ تاہم مستحب یہ ہے کہ مؤذن جب اقامت شروع کرے تو لوگ  
کھڑے ہو جائیں۔

مسجد نبویؐ کے علمی وادارت کی یہ شہادت آپ کے سامنے ہے اور جو اقامت کے شروع میں  
کھڑے ہونے کو کہتے ہیں وہ بھی مستحب سے آگے نہیں بڑھتے اور یہ بریلوی ہیں جو قد قامت الصلوۃ پر  
کھڑے ہونے کو واجب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور جو پہلے کھڑا ہو جائے اس پر سخت  
بخیر کرتے ہیں۔

### حضرت عمرؓ کا عمل

عن ابن عمرؓ ان عمر بن الخطاب كان يأمر رجالاً بتسوية الصفوف  
فاذا اجادوه فاخبروه يتسوية ثم اكب بعد له

ترجمہ حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کو امر فرماتے کہ صفیں سیدھی کر ایں جب وہ لوگ آ  
کر آپ کو اطلاع دیتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں تو پھر بخیر کہتے۔

### حضرت عثمانؓ کا عمل

آپؓ جب نماز کھڑی ہوتی تو کہتے۔

فاعدوا الصفوف وحاذوا بالمنالك فان اعتدال الصفوف من تمام الصلوة۔  
۳۵

۳۵ یعنی شرح بخاری جلد ۵ ص ۱۵۳

ترجمہ مصنف سیدھی کرد اور کندھے سے کندھا طواف کیونکہ مصنف سیدھی کرد ناجی نماز کا مکمل ہے۔

پھر لوگ آپ کو اطلاع دیتے کہ مصنف سیدھی ہو گئی ہیں پھر آپ تکبیر کہتے۔ یہاں سوال اٹھتا ہے کہ مؤذن نے تکبیر کب کہی؟ اگر یہ تنوید معفو کی ساری محنت (لوگوں کو اس کی تحقیق کے لیے بھیجنا اور ان کا آپ کو اگر اطلاع دینا کہ مصنف سیدھی ہو گئی ہیں) اس کے بعد کی گئی ہے تو تکبیر مؤذن اور امام کے نماز شروع کرنے کے بائیں ایک لمبا وقفہ قائم ہوتا ہے جس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا اور امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ جب مؤذن تکبیر کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے۔ وقفہ کہاں گیا؟ امام محمدؒ لکھتے ہیں:-

فاذا اقام المؤذن الصلوة كبر الامام وهو قول ابي حنيفةؒ

ترجمہ۔ سو جب مؤذن اقامت کہہ دے امام نماز شروع کر دے امام ابو حنیفہؒ کا قول یہی ہے۔

حضرت امام محمدؒ لکھتے ہیں:-

ينبغي للقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح ان يقوموا الى الصلوة فيصفوا ويسوّوا الصفوف ويحاذوا بين المناكبؒ

ترجمہ۔ لوگوں کو چاہیے جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوا کریں مصنف باندھ لیا کریں اور انہیں سیدھی بھی کر لیں اور کندھے سے کندھا طواف کریں۔ یہاں اٹھ کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد بھی بیٹھے نہ رہیں اور امام نے تو تکبیر ختم ہوتے ہی تکبیر تحریمہ کہہ دی ہوتی ہے۔ اس کے بعد کھڑے ہوں گے تو مصنف سیدھی کرنے اور کندھے سے کندھا طواف کا وقت نہیں ملے گا تو نمازیوں کو اب کھڑا ہونے میں دیر نہ کرنی چاہیے۔

فقہا کرام نے اس عبارت پر کہ مؤذن جب حی علی الفلاح تک پہنچے تو مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا چاہیے کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ اس سے زیادہ تاخیر نہ ہو کہ حی علی الفلاح کے بعد بیٹھے رہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا جائز ہے۔ حضرت علامہ عطاء دہلویؒ درختار کی شرح میں لکھتے ہیں:-

والظاہر انه احتراز عن التأخیر لا من التقديم حتی لو قام اول الاقلعة  
لو باس وجاز۔

ترجمہ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ نے یہاں تاخیر سے بچنے کا کہا ہے کہ حی علی الفلاح کے بعد بیٹھا نہ رہے، تقدیم سے بچنے کا نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا جائز ہو۔ حتیٰ کہ اگر کوئی اقامت کے شروع میں ہی کھڑا ہو گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ پہلے کھڑا ہونا جائز ہے (ہاں تاخیر درست نہیں) بریلویوں کو مینفی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوة سے یہ مغالطہ ہوا ہے کہ وہ (مقتدی) اس سے پہلے کھڑے نہ ہوں۔ حالانکہ اس عبارت کا مطلب وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ شرح وقایہ کی عبارت کا بھی مطلب یہی ہے اور اگر اس کے ظاہر پر بھی عمل ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ایک عمل مندوب ہوگا اور ظاہر ہے کہ امر مندوب پر اصرار نہیں ہوتا اور جب اس پر اصرار ہونے لگے تو اسے چھوڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔

افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؓ (۹۲ھ) کا فیصلہ بھی سن لیں:-

عن سعید بن المسیب قال اذا قال المؤذن الله اكبر وجب القيام  
اذا قال حي على الصلوة عدلت الصفوف واذا قال لا اله الا الله كبر  
الامام۔

ترجمہ۔ حضرت سعید بن المسیبؓ سے مروی ہے کہ مؤذن جب تکبیر شروع کرے تو

مقتدی کے لیے کھڑا ہونا واجب ہو جاتا ہے جب وہ حی علی الصلوٰۃ کہے تو صفیں  
سیدھی کر لی جائیں اور جب مؤذن لا الہ الا اللہ کہے تو امام نماز شروع کرے۔  
حضرت علامہ عینیؒ ۱ سے تابعی جلیل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۰ھ) سے بھی اسی طرح نقل  
کرتے ہیں۔

یہ ان اکابر کا فیصلہ ہے اسے یکسر غلط قرار دینا اور قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے  
کو ناجائز کہنا یہ بدعت ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ اسے مستحب بھی مانا جائے تو ترک مستحب سے  
اس کا مکروہ ہونا لازم نہیں آتا۔ جب یہ مکروہ نہیں تو اس پر بریلویوں کی یہ یکجہ کرکھ لے ہے۔ علامہ ابن قیمؒ  
صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:

ولا يلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة۔

ترجمہ: مستحب کے ترک سے کسی کام کا مکروہ ہونا لازم نہیں آتا۔

امر مندوب پر اصرار جائز نہیں۔ اگر اس پر ایسا اصرار ہو جو اس کے واجب ہونے کا شغب پیدا کرے  
تو اس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے۔ شریعت نے مقتدی کے کھڑا ہونے کو امام کے دیکھنے سے وابستہ کیا ہے  
مؤذن کی یکجہ سے نہیں اور اس کے لیے حضورؐ کا یہ فرمان کافی و دافی ہے۔

لا تقوموا حتى تروني وعليكم بالسكينة۔

ترجمہ: تم جماعت کے لیے اس وقت تک کھڑے نہ ہو اگر وہ جب تک مجھے نہ دیکھ لو

اور کھڑے ہونے میں (ہجوم نہ کرو) سکون و اطمینان سے کھڑے ہو کر دو۔

سوا ب نماز کے لیے کھڑا ہونے کو یکجہ مؤذن کے ماتحت قرار دینا اور اس پر اتنا اصرار کرنا  
کہ اگر کوئی پہلے کھڑا ہو جائے اس پر یکجہ عام کو نا روا رکھ کرنا یہ ہرگز امور شرع میں سے نہیں۔

لے مرقات جلد ۳۰ رد المحتار ۳۰ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۴۳۳ ۳۰ ایضاً ۴۳۳



## نمازوں میں لائی گئی بدعات

اب چلیے بریلویوں کی نمازوں میں لائی گئی چند بدعات کا بھی تنقیدی جائزہ لیں:-

### ① مزارات پر نمازیں پڑھنے کے زیادہ ثواب کا اعتقاد

پوری دنیا میں صرف تین مسجدیں ہیں جن میں نماز کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ ۱۔ مسجد حرام۔ ۲۔ مسجد نبوی۔ ۳۔ مسجد اقصیٰ۔ ان کے سوا دنیا میں جتنی بھی مسجدیں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ مزاروں کے ساتھ جو مسجدیں بنی ہیں وہ بھی یہی درجہ رکھتی ہیں۔ ہاں اگر کوئی ان میں اس نیت سے نماز پڑھے کہ یہ جوارِ اولیاء کرام میں ہے تو اس کے لیے یہاں نماز پڑھنا ناجائز ہو جائے گا کہ یہ اللہ کی تعظیم میں بزرگوں کی تعظیم کو ملانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو اس لیے اپنی رحمت سے دُور کر دیا تھا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (او کہا قال النبیؐ)

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد گاہیں بنا لیا۔

لاہور میں ہم نے کتنے بریلویوں کو دیکھا ہے کہ وہ حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا صاحب کی مسجد میں اس اعتقاد سے نماز پڑھنے جاتے ہیں کہ وہاں انہیں داتا صاحب کی طرف سے پزیرائی حاصل ہوتی ہے۔ شبِ جہرات کو کسی لوگ خاص خاص مسجدوں کا رخ کرتے ہیں کہ وہاں کی نماز عام مسجدوں کی نسبت سے بہت زیادہ ثواب رکھتی ہے۔

### ② تشہد میں نیت بدلنا اور حضورؐ کی طرف متوجہ ہونا

مناویں نمازی اللہ تعالیٰ کے ضدِ حاضر ہونے کی نیت باندھتا ہے اور بحکیم تحریر سے لے کر

سلام پھیرنے تک وہ خدا کے ہی حضور حاضر رہتا ہے۔ اسے اپنا دھیان خدا سے ہٹا کر کسی اور طرف توجہ باندھنے کی اجازت نہیں۔ نماز عبادت ہے اور اس میں کسی اور کو شریک نہیں کیا جاسکتا۔ علماء لکھتے ہیں نمازی نماز میں اپنی توجہ کسی اور طرف نہ پھیرے۔ توجہ پھیرنے کو صرف ہمت کہتے ہیں کہ انسان اپنی پوری ہمت بس اسی طرف لگا لے اور خدا سے دھیان ہٹالے۔ صرف ہمت توجہ پھیرنے اور کسی اور طرف دھیان باندھنے کا نام ہے۔

بریلوی حضرات نماز میں التحیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ باندھتے ہیں کہ گویا اب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہیں اور آپ پر السلام علیک ایہا النبی کہہ کر خود سلام پیش کر رہے ہیں یہ نہیں کہ فرشتہ ان کے اس سلام کو پہنچائے۔

خدا تعالیٰ سے توجہ پھیرنا اور حضور کا دھیان باندھ لینا یہ نماز کے لیے بڑی آفت ہے اور شرک کی کھلی دعوت ہے۔ ائمہ اربعہ اور ان کے مسلک کے علماء محدثین اور فقہاء نے اس کی ہرگز اجازت نہیں دی۔ نماز عبادت ہے اور صرف خدا کی عبادت ہے اور شروع سے لے کر آخر تک عبادت ہے۔

بریلوی نماز میں صرف ہمت کرتے ہیں اور اپنی توجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیلتے ہیں اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جو عالم حق صرف ہمت سے منع کرتے ہیں یہ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور خود نماز میں خدا سے دھیان ہٹا کر اپنے بزرگوں پر توجہ باندھ لیتے ہیں۔

جو امام نماز میں صرف ہمت کرتا ہو اہل سنت مجاہدوں کو چاہیے کہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ وہ شرک کی دلدل میں دھنسا جا رہا ہے۔ ہاں اگر وہ صرف ہمت نہ کرے نہ خیال باندھے تو خیال آنے میں کوئی بُرائی نہیں۔ نماز میں قرأت میں جب انبیائے کرام کے نام آئیں گے تو خیال لازماً ادھر جائے گا یا درود شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہے تو خیال ادھر بھی جائے گا۔ لیکن یہ محض خیال ہے۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجانے میں

کوئی حرج نہیں نہ اس سے نماز نوافل ہے معمولی اور خیرین چیزوں کا خیال آجانبے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی جو چیز نماز کی آفت ہے وہ صرف ہمت ہے اور نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری کی نیت باندھنے والا شرک میں مبتلا ہے جس کی بخشش نہ ہوگی۔

نماز میں اگر کسی کو حضورؐ کی زیارت ہو جائے تو بھی اپنے آپ کو اللہ سے فارغ نہ کرے یوں سمجھے کہ بادشاہ کے حضور حاضر ہوا تھا وہاں وزیر اعظم کو بھی موجود اور حاضر پایا۔ اب بادشاہ سے صرف نظر کیے بغیر وہ وزیر اعظم کو بھی سلام عرض کر دے۔ یہ اعتیاد رہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی طرح بھی صرف ہمت نہ ہو۔

حافظ بدر الدین عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں :-

ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتعینات اذن لهم بالدخول فی حوریم الحی

الذی لا یموت ... فاذا التفتوا فاذا الحبیب فی حوریم الحبیب حاضر فاقبلوا

علیہ قائلین السلام علیک ایہما البنی ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

ترجمہ نمازی جب التحیات کہہ کہہ باب الملکوت کھولتے ہیں تو انہیں اللہ رب العزت کے حوریم

قرب میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے۔۔۔۔۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

بھی اس حوریم قرب میں حاضر ہیں سو اس طرف السلام علیک ایہما البنی کہتے ہوئے آتے ہیں۔

اس میں نمازی صرف ہمت نہیں کرتے حضورؐ آپ کو خود ہی وہاں مل رہے ہیں۔

عبادت کی انتہائی کیفیت وہ توجہ ہے جو نمازی خدا کی طرف باندھتا ہے توجہ کو اپنے حضور

سے ہٹانا اور کسی دوسری طرف لگانا صرف ہمت ہے جس سے بزرگان دین اپنے مخلص مرید کو روکتے ہیں

حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے مریدوں کو صرف ہمت سے روکا کہ نماز میں تم توجہ کسی اور طرف نہ

پھرو۔ بریلوی نماز میں صرف ہمت کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری دیتے ہیں

وہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی اس بات پر بہت تڑپے مولانا اسماعیل شہیدؒ کے خلاف بھی ایک طرفان

بدیہی کی کھڑکیا کہ دیکھو آپ نماز میں حضورؐ کی طرف خیال کرنے سے روکتے ہیں حالانکہ آپ نے بزرگوں کی طرف صرف ہمت کرنے سے روکا تھا خیال آنے سے نہیں بظاہر ہے کہ خیال آنے پر تو کوئی گرفت نہیں ہو سکتی۔ ہاں نماز میں اللہ تعالیٰ سے توجہ پھیر کر کسی اور طرف خیال باندھنے کی اجازت نہیں اس صورت میں عبادت ایک خدا کی نہیں رہتی۔

## ایک غور طلب بات

بریلوی اگر نماز میں شہد کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے صرف ہمت نہیں کرتے اور یہ ان کی عام عادت نہیں تو جب حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے ارادہ مندوں کو نماز میں صرف ہمت سے روکا تو یہ لوگ اس پر اتنے سیخ پا ہوئے اتنے کیوں چڑے یہ صورت حال باقی ہے کہ یہ خود نماز میں صرف ہمت کرتے ہیں جب ان کے شرک کا یہ حال ہے کہ یہ نماز بھی ایک خدا کی نہیں پڑھتے تو ان کے پیچھے توحید پر عقیدہ رکھنے والے کسی مسلمان کی نماز کیوں کر درست ہو سکتی ہے۔

بریلوی اس کے جواب میں کہتے ہیں مولانا اسماعیل شہیدؒ یہاں صرف ہمت سے نہیں روکتے حضورؐ کا خیال آنے سے روکتے ہیں ہم کہتے ہیں جس کا دل چاہے کتاب صراطِ مستقیم اٹھا کر دیکھ لے بریلویوں کا جماعتی جھوٹ خود آپ کے سامنے آجائے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لفظ ”ہمت“ کی وضاحت فرماتے ہیں :-

الهمة عبارة عن اجتماع الخاطر وتأكد العزيمة بصورة القننى الطلب

بمعنى لا يخطر في القلب خاطر سوى هذا المراد كطلب العطشان الماء

ترجمہ :-

ہمت مراد جمع خاطر ہے (یعنی پورے دل کو اس پر لگا دینا) اور تمنا کے طور پر اپنا ارادہ اس میں جاملے اور یہ ایسی طلب ہے کہ دل میں اس ایک مراد کے سوا اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ ہو جیسا کہ سپا سا ہمہ تن بانی پر دھیان جملہ سے بٹھیا ہے۔

پہلے یہ لوگ بزرگوں پر توجہ باندھتے ہیں پھر ان کی تصاویر بھی ساتھ رکھتے ہیں۔ شدہ شدہ ان کی یہ بے راہ روی انہیں شرک کی دلدل میں پھینک دیتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں خود اقرار کرتے ہیں:-  
 دنیا میں مہت پرستی کی ابتداء یوں ہوئی کہ صالحین (اندر کے نیک بندوں) کی محبت میں ان کی تصاویر بنا کر رکھیں اور اس سے لذتِ عبادت کی تائید سمجھی شدہ شدہ وہی مہبود ہو گئیں۔ ۱۷

علامہ شامیؒ مہت پرستی کی جڑ تصویروں کو سنہیں بزرگوں کی قبروں کو ٹھہراتے ہیں:-  
 ان اصل عبادۃ الاصلانم اتخاذ قبور الصالحین مساجد۔ ۱۸

ترجمہ:-

مہت پرستی کی ابتداء اس ہوئی کہ لوگوں نے صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔

مولانا احمد رضا خاں نے علامہ شامیؒ کی بات کے مقابل ایک اپنی بات بنا رکھی ہے وہ شرک کی ابتدا قبر پرستی سے بتلانا چاہتے تھے اس میں ان کی مصلحت کیا ہوگی ہم اس پر اس وقت بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اس وقت ہم صرف یہ بتا رہے ہیں کہ بریلوی اپنی نمازوں میں تشہد میں واقعی صرف مہت کرتے ہیں ورنہ وہ صرف مہت سے روکنے پر مولانا اسماعیل شہیدؒ کے خلاف خیال آنے کا تھوٹ نہ باندھتے۔ ہمارے قارئین یہاں پہنچ کر خود فیصلہ کریں کہ ان کی نماز ان بریلویوں کے پیچھے جائز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ جو نماز میں بھی ہمہ تن خدا کی طرف دھیان نہیں رکھتے اپنے بزرگوں کی طرف صرف مہت کر جاتے ہیں۔

### ۳۱) مکہ و مدینہ میں وہاں کے اماموں کے پیچھے نماز نہ پڑھنا

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ وہ جگہیں ہیں جہاں ایک نماز لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی کی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کا ثواب رکھتی ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں دو دین (اسلام اور کفر) رہ سکتے ہیں مگر سرزمین حجاز میں دو دین نہیں رہ سکتے۔ وہاں ایک ہی دین (اسلام) رہے گا۔ حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) لکھتے ہیں :-

قیامت کے قریب دجال بھی وہاں داخل ہونا چاہے تو نہ ہو سکے گا۔ مدینہ کی سرحدوں پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اس کا منہ شام کی طرف پھیر دیں گے۔

مگر ان سوس بریلوی احترامِ حرمین کے قائل نہیں وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کفر پھر مکہ اور مدینہ میں داخل ہو چکا ہے۔ حج پر جا کر وہاں کے اماموں کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کافر ہیں۔

### ۳۲) نماز جنازہ کے بعد وہیں اجتماعی دعا مانگنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ نے کبھی کسی جنازہ پر نماز جنازہ کے بعد دعا مانگی تھی۔ جنازہ میں میت کے لیے دعا نماز کے اندر ہی نماز کے باہر نہیں۔ نماز جنازہ کی دعا آپ جس سے پوچھیں یہی بتائے گا :-

اللہم اغفر لحیننا و میتنا و شاہدنا و غائبنا..... الخ

اب آپ ہی بتائیں یہ دعا کہاں پڑھی جاتی ہے، نماز کے اندر یا نماز کے باہر — حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے جنازہ پر بعد نماز اجتماعی دعا اسی لیے نہ کی گئی کہ سنت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ اور حضرت انتہا درجے کے پابند سنت تھے۔

خاندانِ مجددیہ کی ایک تاریخی دستاویز روضۃ القیومیہ کے نام سے چھپی ہے اور اسے مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس میں حضرت امام ربانیؒ کے جنازہ کے بارے میں لکھا ہے۔

حضرت خازن الرحۃ نے نماز جنازہ کی امامت کی، کیونکہ یہی مسجداً کے منتخب کردہ امام تھے۔ نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے توقف نہ کیا کہ سنت نبوی اقتضا نہیں کرتی علاوہ ازیں معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرنا مکروہ ہے۔ سنت نبوی اور سنت خلفائے راشدین میں واقعی دعا بعد جنازہ کا کہیں پتہ نہیں ملتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جو حکم ہے:-

اذا صلّتم على الميت فاخلصوا له الدعاء

ترجمہ: جب تم کسی جنازہ پر نماز پڑھو تو میت کے لیے بڑے اخلاص سے دُعا مانگو۔  
اس کا مطلب نماز کے اندر کی دُعا ہے — یہ نہیں کہ یہ سارا اخلاص نماز کے بعد ہو  
اور نماز پر بھی بغیر اخلاص پڑھ لی جائے۔

اس حضرت علیؑ نے وہی جب اس اخلاص کا حکم دیا تو صحابہ کرامؓ اس کا کیا معنی سمجھے نمازیں اخلاص یا نماز سے باہر اور ان کا سلسلہ اس باب میں خود کو کیا رہا۔ مراد حدیث سمجھنے کے لیے عمل صحابہؓ کو دیکھنا ضروری ہے۔

**نوٹ:** فاخلاصا میں فار تعقیب کی نہیں تفریع و تفصیل کی ہے۔ بریلوی فار تعقیب کا مبالغہ دینے کے لیے اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

جب تم کسی جنازہ پر نماز پڑھ چکو تو میت کے لیے اخلاص سے دُعا کرو۔  
 ہم نے ترجمہ کیا ہے :-

جب تم کسی جنازہ پر نماز پڑھو گے تو یہ اس طرح ہے :-

اذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم (پ ۱، النحل ع ۱۳)

ترجمہ۔ جب تم قرآن پڑھو تو (پہلے) اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ لیا کرو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تم قرآن پڑھ چکو تو پھر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

پڑھ لیا کرو۔ قرآن پاک پڑھنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ اس سے پہلے تعوذ ہو۔

اسی طرح آیت اذا قمتہ الى الصلوۃ فاعسلوا وجوہکم کا ترجمہ یہ نہیں کہ جب تم نماز پڑھ

چکو تو پھر وضو کر لیا کرو۔ (دیکھیے پٹ المائدہ رکوع ۲) بلکہ یہ ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہونا چاہو تو وضو کر لیا کرو۔

قرآن کریم میں جہاں حرم رسالت سے بات کرنے کے آداب کھلائے گئے وہاں حکم فرمایا:-

واذا سألتموہن متاعا فاسئلاھن من وراء حجاب۔ (پٹۃ الاحزاب ع ۷)

ترجمہ۔ اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

یہاں کوئی شخص یہ ترجمہ نہ کرے گا کہ جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے

سے ان سے کلام کیا کرو۔ (معاذ اللہ)

سو حدیث فاخصلواہ الدعاء میں بھی یہ ترجمہ نہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو پھر میت

کے لیے اغراض سے دعا مانگو۔

یہاں اغراض سے دعا کرنا نماز کے اندر مرد ہے نہ کہ نماز کے باہر اور اس کے بعد — حضور کا یہ حکم نماز

کے اندر کے لیے ہے۔ فقہاء کہتے ہیں آپ کا یہ حکم نماز کے اندر اغراض سے دعا کرنے کا تھا۔

قال فی الصلوۃ علی المیت فاخصلواہ بالدعاء

ترجمہ۔ ہنقرت کے ایک صحابی کہتے ہیں میت پر نماز میں اغراض سے دعا کیا کرو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ نے حضور کے ارشاد فاخصلواہ الدعاء سے نماز کے اندر

کی دعا ہی مراد لی ہے۔



عن الزہری قال اخبرني ابو امامة بن سہل انه اخبرہ رجل من اصحاب  
النبي صلى الله عليه وسلم ان السنّة في الصلوة على الجنائز ان يكبر  
الامام ثم يقرأ بفاتحة الكتاب بعد التكبيرة الاولى سراً في نفسه  
ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ويخلص الدعاء للجنائز في  
التكبيرات لا يقرأ في شئ منهن ثم يسلم سراً في نفسه.

ترجمہ: نماز جنازہ کا مسلک طریق یہ ہے کہ امام تکبیر کہے اور پھر فاتحہ کے ساتھ پڑھے  
(سبحانك اللهم وبحمدك) آہستہ سے اپنے جی میں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
پر درود پڑھے اور (اس کے بعد) میت کے لیے بڑے اخلاص سے دعا مانگے  
اس میں کسی مقام پر قرأت نہ کرے (اگر فاتحہ پڑھی تو وہ غیث دعا محی بنیت قرآن  
فد محی) اور پھر آہستہ سے سلام پھیر دے۔

اس میں یہ تصریح ہے کہ یخلص الدعاء للجنائز سلام پھیرنے سے پہلے کامل ہے پھر حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل بھی یہی رہا کہ نماز جنازہ میں بڑے اخلاص اور تفرغ سے دعا کرتے۔ حضرت  
سعد بن مالک کہتے ہیں میں نے ایک موقع پر حضور کو دعا اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف  
عنه ..... الخ اس انداز سے کہتے ہوئے سنا کہ میری تمنا بھڑکی کاش کہ یہ میرا جنازہ ہوتا۔

حتى تمنيت ان اكون ذلك الميت.

محدثین نے بھی حضور کے اس ارشاد اذا صليتم على الجنائز فانخلصوا له الدعاء کا  
مطلب نماز جنازہ کی دعا سمجھا ہے۔ خلیب کو ہی لیجئے اس نے مشکوٰۃ میں یہ حدیث نقل کرنے کے  
فوراً بعد جنازہ کی دعا اللهم اغفر لحينا وميتنا نقل کی ہے۔ اس صنیع سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث  
میں مراد نماز جنازہ کی دعائیں اخلاص ہے۔ نماز کے بعد کی کوئی دعا مراد نہیں۔

## نوٹ

یہاں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا گمان نہ کیا جاتے، اس میں فاتحہ برنیت دعا ہے قرآن کریم کے الفاظ برنیت دعا، امام کے پیچھے بھی پڑھے جاسکتے ہیں جیسے مقتدی رب اجعلنی مقید الصلوٰۃ ومن ذریعتی کے الفاظ امام کے پیچھے بھی پڑھتا ہے اور اس سے امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کا الزام قائم نہیں ہوتا، نہ اس نے اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھا ہے۔

## نماز جنازہ میں تیسری تکبیر اور چوتھی تکبیر کے درمیان کچھ نہ پڑھے

نماز جنازہ میں تین بڑے حقوق ہیں :-

- ① اللہ رب العزت کا حق
- ② حضور رسالت مآب کا حق
- ③ میت کا حق

جب یہ تین حقوق پورے ہو جائیں تو پھر آگے کوئی بات نہیں، چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہیں پڑھنا، بس سلام پھیرنا ہے۔ نماز جنازہ کا کوئی حصہ بھی باقی ہوتا تو وہ چوتھی تکبیر کے بعد پڑھا جاتا۔ جب اس تکبیر کے بعد صرف سلام ہے تو معلوم ہوا کہ اب اس عمل کا کوئی حصہ باقی نہیں سلام پھرنے کے بعد پھر اکٹھے دعا کرنا اصل میں نمازیں اضافہ ہے یا کم از کم اضافے کا ایک گمان ضرور ہے۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت علامہ قاریؒ لکھتے ہیں :-

ولا تدعوا للمیت بعد صلوٰۃ الجنائزہ لانه یشبه الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنائزہ.

ترجمہ۔ اور میت کے لیے نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے اس سے نماز کی شرعی حیثیت میں زیادتی کا گمان ہوتا ہے۔

## نوٹ

چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑے۔ یہ بات ہم نے مسلک احناف کے مطابق لکھی ہے فقہ شافعی میں چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے بھی دعا کی گنجائش ہے۔ اس پر امام بیہقیؒ نے یہ باب باندھا ہے

باب ما روى في الاستغفار للميت والدعاء له ما بين التكبیر والرابعة

والسلام۔

شافعی حضرات نے اپنے اس موقف پر کچھ روایات بھی پیش کی ہیں، ہم اس وقت حنفی نقطہ نظر سے ان پر بحث نہیں کر رہے۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ ان میں سے اگر کسی میں چوتھی تکبیر کے بعد دعا مانگنے کا ذکر ہے تو وہ سلام پھیرنے سے پہلے پہلے ایک نراندہ دعا ہے جس پر حنفیہ کا عمل نہیں۔ یہ سلام پھیرنے کے بعد کی دعا نہیں ہے اس سے پہلے کی ہے۔

افسوس ہے کہ بریلی علماء ان روایات سے دعا بعد الجنازہ پر استدلال کرتے ہیں جس کا درجہ ایک مغالطے سے زیادہ نہیں مفتی احمد یار خاں کا یہ استدلال اسی قسم کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ نے اپنی لڑکی کا جنازہ پڑھا اور چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی۔

ویسے یہ روایت سننا بھی صحیح نہیں۔

اس کے دعوے پر ایسی واضح ہونی چاہیے کہ اس میں کسی دوسرے احتمال کی گنجائش نہ ہو۔ اگر دوسرا احتمال نکل آئے تو استدلال کرنے والے کا استدلال ختم ہو جائے گا۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

یہ روایت ہم نے اپنے دعوے پر پیش نہیں کی۔ ہم نے صرف یہ عرض کی ہے کہ جب اس میں اس دعا کی بھی گنجائش ہے جو بعد دفن ان دنوں ہوتی تھی تو اب اس سے خواہ مخواہ ایک دوسرے معنی مراد لینا اگر ایک بدعت نہیں تو اور کیا ہے۔ نئے مسائل اور نئے دلائل میں پھر یہی حال ہوتا ہے۔

اسی طرح منعی احمدیار صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت نے حضرت جعفر بن ابی طالبؑ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تھی اور ان کے لیے دعا کی یہ بھی صحیح نہیں۔ پھر یہ بھی سچے کہ غزوہ موتہ میں تین سالادوں کی شہادت ہوئی تھی۔ دو یہ اور تیسرے حضرت زید بن عارثہؓ تھے۔ نماز جنازہ ہوتی تو تینوں کی — یہ دو کی نماز اور وہ بھی غائبانہ۔ اس کی تفصیل شاید بریلوی علیہ السلام بھی نہ بتا سکیں ہمارے مذہب میں تو غائبانہ نماز کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بخاشی کی نماز جنازہ میں اصل جگہ فرض کفایہ ادا نہ ہوا تھا اور اب یہ دوسرا جنازہ نہ تھا اور جنازہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایک جنازہ پر پہنچے۔ جنازہ ہو چکا تھا۔ میت کا دفن ہو نا ابھی باقی تھا اور ظاہر ہے کہ دفن کے بعد کی دعا بھی نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا اگر میں جنازہ نہیں پڑھ سکا تو صلوات میں ہی شامل ہو جاؤں گا۔ اس میں یہ بات کہیں نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد متصل کوئی دعا ہوتی تھی۔ دعا معہود جو ان دنوں ہوتی تھی اور صحابہؓ اس میں شامل ہوتے تھے وہ وہی ہے جو دفن کے بعد کی دعا ہے اسے خواہ مخواہ نماز جنازہ کے بعد کی متصل دعا قرار دینا اس پر قطعاً کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

## بریلوی استدلال

جب اس روایت میں دونوں احتمال موجود ہیں تو اگر ہم اس سے نماز جنازہ سے متصل دعا مراد لیں تو کیا حرج ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا تھا:

ان سبقتونی بالصلوۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء

ترجمہ: اگر آپ میت کی نماز جنازہ میں مجھ پر سبقت لے جائیں تو اس پر دعا کرنے میں مجھ سے آگے نہ بڑھیں۔  
جواب: آپ اس حدیث سے استدلال کر رہے ہیں۔ استدلال کرنے والے کی دلیل

## ⑤ نمازِ غوثیہ کا اضافہ

نمازیں جیسے نماز تہجد، نماز تراویح، نماز اشراق، نماز عید وغیرہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی شروع ہوئی ہیں۔ آپ کے بعد جنے بزرگ کئے کسی نے کوئی نئی نماز نہیں نکالی جب مولانا احمد رضا خاں صاحب کا دور آیا تو آپ نے ایک نئی نماز "نماز غوثیہ" ایجاد فرمائی۔ اس نماز کا پتہ آپ کو حدیث اور فقہ کی کسی کتاب میں ملے گا۔ یہ رضا خانی فقہ ہے جو آپ کو نماز غوثیہ کا پتہ دے رہی ہے اس کا طریقہ ادا ملاحظہ کیجئے :

ترکیب : دو رکعت نفل، پھر نئی پر گیارہ بار درود و سلام عرض کرے اور گیارہ بار کہے۔ یا رسول اللہ یا نبی اللہ اغثنی... پھر عراق کی جانب گیارہ قدم چلے ہر قدم پر کہے یا غوث الثقلین و یا اکرم الطوفین اغثنی۔  
اسلامی نمازوں میں نمازی ایاک نعبد و ایاک نستعین کہہ کر خدا سے مدد مانگتا ہے اور اپنا سارا دھیان خدا پر جماتا ہے۔ مگر نماز غوثیہ میں گیارہوں کی یاد میں مدد اللہ سے نہیں حضرت غوث الثقلین سے مانگی جاتی ہے اور اپنی ساری توجہ حضرت شیخ پر باندھی جاتی ہے۔ وہی نماز میں نظر تو وہ کہیں بھی جاسکتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں۔

نماز میں اگر بیگانہ عورت کی شرمگاہ پر نظر پڑے جب بھی نماز و وضو میں خلل نہیں پڑے۔ بالکل غلط ہے خلل کیوں نہیں سارا شروع و ختم جاتا ہے گا۔ اگر فقہ اکرے تو یہ نماز سے کھلا مذاق اور تلعب بالدرین ہے جس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ مگر مولانا احمد رضا خاں اسے بھی صرف مکروہ کہتے ہیں۔

اگر فقہ اجمعی ایسا کرے تو مکروہ ضرور ہے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

فقہ افریقہ و حدوت کے چہرے پر نظر کرنا تو حرام ٹھہرے مگر اس کی شرمگاہ پر نظر کرنا ماف مکروہ ہو۔ عجیب رضا خانی فقہ ہے پھر یہ شرمگاہ پر نظر کیا نماز میں ہی کرنی تھی اس کے لیے کوئی اور وقت منتخب کیا ہوتا۔

## درود شریف کے گرد لائی گئیں بدعات

### ① درود و سلام کو باواز بلند پڑھنا

درود شریف بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ایک دعا ہے اور دُعا کا مزاج یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو۔ ذکر بعض حالات میں بعض شرائط کے ساتھ جہر سے بھی ہو سکتا ہے لیکن درود شریف کے لیے جہر کی کوئی صورت نہیں یہاں اپنے وطن میں بھی پڑھو تو آہستہ اور روضہ رسول پر حاضری نصیب ہو تو وہاں بھی انتہائے ادب سے دبی آواز سے۔

ادب کا ہیئت زیر آسمان از عرش نازک تر

نفس گم کردہ سے آید جنید مریزید ایچا  
قرآن کریم میں ہے :-

ان الذين يفيضون اصواتهم عند رسول الله اولئك الذين امتحن الله  
قلوبهم للتقوى لهم مغفرة واجر عظيم ان الذين ينادونك من وراء  
الحجرات اكثرهم لا يعقلون. (پہلے الحجرات ۴)

ترجمہ بے شک جو لوگ رسول اللہ کے حضور دبی آواز رکھتے ہیں وہ لوگ ہیں جن کے  
دلوں کو اللہ تعالیٰ نے خالص تقویٰ سے نوازا ہے ان لوگوں کے لیے مغفرت  
اور اجر عظیم ہے بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجرِ دل کے باہر سے (دور سے)  
پکار رہے ہیں ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ ان لوگوں کے سوچنے کا  
مقام ہے جو یہاں سے آپ کو آوازیں دیتے ہیں۔

آپ پر درود شریف پڑھنا دعا ہے اور دعائیں سنت یہی ہے کہ وہ آہستہ دبی آوازیں کی  
جائے۔ درود شریف میں یہ اصل ہر صورت میں رکھی جائے۔ نماز میں بھی درود آہستہ آواز سے پڑھا جاتا  
ہے اور جہری نمازوں میں بھی اسے جہر سے پڑھنے کی کوئی صورت نہیں۔ فقہ حنفی میں یہ مسئلہ صراحت سے  
لکھا ہے۔

## ② درود شریف سے حضرت ابراہیم کا نام نکالنا

مسلمانوں کا اس حضرت کے بعد سب سے زیادہ تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہے ہم حضور خاتم النبیین کی امت ہیں اور حضرت ابراہیم کی ملت ہیں حضور کی نسبت سے ہمارا بڑا تہوار عید الفطر ہے اور حضرت ابراہیم کی سنت میں ہم عید الاضحیٰ مناتے ہیں۔ ہماری یہ دو عیدیں ان دو پیغمبروں کی نسبت سے ہیں اور درود میں ہم ان ہی دو پیغمبروں کو جمع کرتے ہیں۔ یہ دو نصاریٰ بھی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کی ملت کہتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ان کی ملت پر صرف ہم ہی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے :-

ان ادلی الناس بابراہیم للذین اشعوه و هذا النبی والذین امنوا۔

(پ آ ل عمران ۶۸)

ترجمہ۔ بے شک ابراہیم سے زیادہ قریب لوگ ہیں جو ان کی راہ پر چلے اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ جو (ان پر) ایمان لائے۔

مسلم نہیں بریلویوں کو کس بیرونی طاقت نے آمادہ کیا کہ درود وہ پڑھو جس میں حضرت ابراہیم کا نام نہ ہو تا یہ ایک نئے پیغمبر شمار ہوا ان کا کچھ پیغمبروں سے رشتہ نہ رہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ تو ویسے ہی بنی اسرائیل میں سے تھے صرف حضرت ابراہیم ہی جن پر بنو اسرائیل اور بنو اسماعیل جمع ہوتے ہیں۔ حضور کو حضرت ابراہیم سے دور رکھنے کے لیے بریلویوں نے یہ کاروائی کی کہ درود وہ چلایا جس میں حضرت ابراہیم کا نام نہ ہو۔ یہ لوگ درود ابراہیمی کو برسر عام ناقص درود کہتے ہیں کیونکہ اس میں آپ پر سلام نہیں ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ۔

یہ لوگ نہیں جانتے کہ فقہ حنفی کی رو سے صلوٰۃ و سلام میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے

کفایت کرتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے :-

السلام یجزی عن الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ۔ سلام حضور پر درود پڑھنے کے باب میں کافی ہے۔

### (۳) درود و سلام میں افراد کو مکروہ کہنا

انجینڈ میں ایک بریلوی مولوی نے بڑے زور شور سے یہ بات چلا رکھی ہے کہ نماز سے باہر درود ابراہیمی پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں سلام نہیں ہے۔ یاد رکھیے حنفیہ کے ہاں صلوٰۃ و سلام میں سے کوئی ایک پڑھ لیا جائے تو یہ افراد ہرگز مکروہ نہیں رہتا علامہ شامی لکھتے ہیں :-

وجزم العلامة ابن امیر الحاج فی شرحہ علی التحریر بعدم صحة القول  
بکراهة الافراد و استدل علیہ فی شرحہ المسمى حلیۃ المجل فی شرح  
منية المصلی بما فی سنن النسائی بسند صحیح فی حدیث القنوت و صلی  
اللہ علی النبی .... و من رد القول بالکراهة العلامة المتل علی القاری  
فی شرح المجزیه۔ ۷

ترجمہ۔

علامہ ابن امیر الحاج نے التحریر لابن الہمام کی شرح میں ٹیپے جزم سے یہ بات کہی ہے کہ صلوٰۃ و سلام میں افراد (کہ ایک ہر اور ایک نہ ہو) ہرگز مکروہ نہیں اور اس پر اپنی شرح حلیۃ المجل میں سنن نسائی کی صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے جو قنوت میں مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں و صلی اللہ علی النبی (اور اس میں سلام کا ذکر نہیں) اور ملا علی قاری بھی شرح جزیریہ میں افراد کو مکروہ کہنے کا رد کرتے ہیں۔



## ⑤ قیام بوقتِ سلام

محفل میلادِ کامرانی عملِ قیامِ تنظیمی ہوتا ہے اور پھر اس میں اجتماعی صورت میں سلام پڑھا جاتا ہے اس کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی دونوں گروہ متفق ہیں کہ یہ بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ بریلوی اس بدعت پر عمل پیرا ہیں اور اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ اب ہر شخص خود سوچے کہ بدعت کیا اور اس میں حسن کیا۔ حسن تو سنت میں ہوتا ہے، بدعت میں کہاں سے آگیا۔

بریلویوں کی قدیمی درسگاہ حزب الاحناف لاہور کے مولانا محمود احمد رضوی مدیر ”ماہنامہ رضوان“ لکھتے ہیں :-

قاضی فضل احمد کے اس سخت فتوے پر تعجب نہیں وہ مولوی نہ تھے لیکن ہم ان چالیس علماء پر تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے قیام اور ترکِ قیام میں کفر و اسلام کے فاصلے قائم کیے اس پر مولانا احمد رضا خاں کو سخت غصہ کرنے چاہئیں تھے جن کے اپنے ہاں لوگوں کو بیٹھ کر صلوٰۃِ سلام کی تلقین کی جاتی تھی اور قیام کو محض ایک رسم سمجھا جاتا تھا۔

بجائے لا کے تعظیمِ رسمِ قیام بیٹھے بیٹھے پڑھو درود و سلام  
اہل سنت کے ہاں درود و سلام نماز میں بیٹھے کی حالت میں ہے، صرف شیعہ ہیں جو قیام میں درود و سلام پڑھتے ہیں۔

اب تم ہی کہو کس کی صدا دل کی آواز ہے

## ⑤ درود شریف کو جھوٹے مقاصد کے لیے استعمال کرنا

چھوٹے چھوٹے مقاصد اور اختلافات کے فاصلوں کو بڑھانے کے لیے درود کے تقدس سے کھیلنا ایک نہایت مکروہ عمل ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :-

ان سبع الفقاعی اوصلى على النبي صلى الله عليه وسلم عند فتح قعاه على  
 قصد ترويعه وتحسينه اذ القاص اذا قصد بهما كرمي بهنكاه اثم له  
 ترجمہ: ایک رنگ ریز نے کپڑا کھولتے وقت اگر بغرض ترویج (کہ کپڑا الگ جائے)  
 و تحسین سبحان اللہ کہایا درود شریف پڑھا یا کسی قصد گو داخط نے مجلس میں گرمی  
 بہنکامہ (جوش) پیدا کرنے کے لیے سبحان اللہ کہلویا یا درود پڑھا کہ محض سبحانی  
 تو ایسا کرنے والا گنہگار ہوا۔  
 در مختار میں ہے :-

و حراماً عند فتح التاجرتعاه ونحوه وسنة في الصلوة ومستحبته في  
 كل اوقات الامكان . ۱۰

ترجمہ: تاجرب اپنا مال دکھلانے لگے تو اس پر (اس چھوٹے مقصد پر) درود پڑھنا  
 حرام ہے نمازیں درود پڑھنا سنت ہے، اور دوسراوقات ممکنہ میں یہ مستحب ہے۔  
 علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں :-

اذا فتح التاجر الثواب شيع الله تعالى اوصلى على النبي صلى الله عليه وسلم  
 يريد به اعلام المشتري جودة ثوبه فذلك مكروه وكذا الحارس  
 لانه ياخذ ثمنه ۱۱

ترجمہ: جب تاجر نے کپڑا پھیلایا اور اس پر سبحان اللہ کہایا مٹی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا  
 اس میں اسے خیر اور کہ بتلانا تھا کہ اس کا کپڑا کیسا شاندار ہے سو یہ مکروہ ہے اسی طرح پہرے دار اپنے  
 آپ کو بچانے کے لیے نہ سبحان اللہ کہے نہ درود پڑھے کیونکہ وہ اپنے اس جالگنے پر معاوضہ لے رہا ہے

۱۰ فتاویٰ عالمگیری جلد ۶ ص ۲۱۱ فتاویٰ ہندیہ جلد ۹ ص ۱۹

۱۱ در مختار مع الشامیہ جلد ۴ ص ۴۸۳ ۱۲ رد المحتار جلد ۱ ص ۴۸۳

قصہ گو د اعظم کا سبحان اللہ کہلانے کا مقصد لوگوں سے اپنے بیان کی تحسین حاصل کرنا ہے اور وہ اپنی شہرت اور ترویج کے لیے لوگوں سے درود شریف بھی پڑھوارہا ہے تو کیا اس نے سبحان اللہ اور درود شریف جیسے پاک کلمات کو اپنے ان جھوٹے مقاصد کے لیے استعمال نہیں کیا؟ ایسا ہے تو وہ گنہگار کیوں نہ ہوا؟ جھوٹے مقاصد کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نام کو استعمال کرنا اس میں ہرگز دین کی کوئی تقسیم نہیں۔

اگر کوئی بڑا آدمی مجلس میں آیا تو اس کی آمد پر کسی نے سبحان اللہ کہا یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا تاکہ لوگ اس کے آنے پر خوشی دکھائیں اور اس کے لیے جگہ خالی کر دیں یا اس کے آئے پر تعظیماً اٹھ کھڑے ہوں تو یہ سبحان اللہ کہنے والا یا درود پڑھنے والا گنہگار ٹھہرے گا یہ وجہ کر دہی میں ہے۔

### کیا کسی موقع پر درود شریف پڑھنا منع ہے؟

درود شریف ایک دُعا ہے اور دعا بھی بہت بلند پایہ جو کبھی رو نہیں ہوتی۔ لیکن اس کا درود پڑھنے یا پڑھوانے والے سے بہت گہرا تعلق ہے بعض اوقات ایسے بھی آتے ہیں کہ درود شریف کے تقدس کی خاطر اسے پڑھنا مکروہ قرار دیا جائے۔ ہم امداد الاحکام جلد ۲ ص ۲۷۶ سے اسے سوال و جواب کی صورت میں نقل کرتے ہیں۔

سوال ۱۰۔ اس ملک میں دعا کی مجلسیں اکثر رات کو ہوا کرتی ہیں۔ واعظین بغرض تنبیہ و ایقاظ نامین (سوتوں کو جگانے کے لیے) زور شور سے درود شریف پڑھتے اور پڑھواتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ (مخلصاً)

الحجاب، ان داغظوں کا زور شور سے درود شریف پڑھنا مددِ جہ سے ممنوع ہے ایک یہ کہ انہوں نے درود شریف کو ایفاظ نامین کا ذریعہ بنایا اور ذکر کو ذریعہ ایفاظ بنانا اشد مکروہ ہے۔ اسی لیے فقہار نے حارس (چوکیدار) کے ذکر لا الہ الا اللہ کو سختی سے منع کیا ہے کہ وہ بھی ذکر اللہ کو ایفاظ کا ذریعہ نہ بناتا ہے۔ دوسری وجہ صیاح فی المسجد ہے کہ یہ لوگ مسجد میں بہت دور سے چیتے ہیں اور ذکر جہر جو مسجد میں جائز ہے وہ وہ ہے کہ حدِ صیاح میں داخل نہ ہو۔ اسی لیے اذان داخل مسجد مکروہ ہے کہ اس میں صیاح (زور کی آواز لگانا) ہے اور جمعہ کی اذان ثانی جائز ہے کہ اس میں صیاح نہیں ہوتا بلکہ مثل اقامت کے حفص صوت (آواز نیچا) ہوتی ہے۔ لہٰذا

④ **تکبیر کلام کے لیے درود شریف بلند آواز سے پڑھوانا**

بریلوی داغظین اپنے مجلسوں میں کبھی تکبیر کلام کے پیرایہ میں بھی زور سے درود شریف پڑھواتے ہیں مضمون ٹھہرنے پر اپنی خفت پر پردہ ڈالنے کے لیے سامعین کو سبحان اللہ یاد درود شریف پر لے آتے ہیں۔ یہ سب کام ادنیٰ مقاصد کے لیے کلمہ یا سبحان اللہ یاد درود شریف جیسے پاک اور اعلیٰ عمل کو استعمال کرنا ہے اور یہ ہرگز جائز نہیں۔

کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک عالم تقریر کر رہا ہو اور اس کے رسول کی باتیں سنا رہا ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا داغظ اپنی پوری شان سے وارد مجلس ہوا اور اس کے حاشیہ نشینوں نے قرآن و سنت کی آواز روک کر اس کے زندہ باد ہونے کے نعرے لگاتے یہ صریحاً قرآن و سنت کی بے ادبی ہوتی کہ ایک داغظ فقہ کو کی شان بنانے کے لیے یہ نادان قرآن و سنت کو کاٹنے سے بھی نہ رُکے انہوں نے یہ کام نیکی کی نیت سے کیا لیکن اس میں وہ ایک عام داغظ کی خوش آمد میں قرآن و سنت کی عظمت پر ہاتھ ڈالنے سے بھی نہ رُکے۔ یہ بدعات اختیار کرنے کا حسی اثر ہے جو اسی مجلس میں ظاہر ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

## قبروں پر کی جانے والی بدعات

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد ۱

بریلویوں کے ہاں قبریں دینی لوگوں اور مذہبی عقول کا عظیم سرمایہ ہیں جس مولوی قاری یا حافظ کو کوئی قبر مل گئی وہ اس مرحوم کا سالانہ عرس کر کے اپنے بچوں کا پورے سال کا کنبہ پروردہ ہو جاتا ہے۔

سے مل گئی جس کو یہ دولت کیمیا گر ہو گیا

ایک مفتی صاحب کے دو بیٹے تھے ان کی وفات پر بیٹوں میں وراثت تقسیم ہونے لگی۔ دو چیزوں میں انتخاب ٹھہرا ایک اعلیٰ درجے کے مکان میں اور مفتی صاحب کی قبر میں جو اپنے ہی مدرسہ کے ایک کونے میں بنی تھی۔ ایک بھائی نے مکان لیا جو گھر کی ضروریات سے بھرا ہوا تھا اور دوسرے نے قبر جو ابھی کچی تھی اس کے لیے سنگ مرمر کا ارد ڈر دیا ہوا تھا اور قبر کی پائنتی میں بکس رکھ دیا گیا تھا۔ حالات نے بتایا کہ قبر والا اچھا رہا مکان والے کو وراثت ایک ہی دفعہ ملی لیکن قبر والے کو وراثت ہر سال ملتی تھی۔ پھر بریلوی مولویوں کا تعلق اپنی درگاہوں اور اپنے مزاروں سے نہیں قوم کی قبروں سے بھی انہیں بہت کچھ ملتا ہے۔ ایک بریلوی باپ کا بیٹا کچھ پڑھ لکھ گیا اکاؤنٹنٹ ہو گیا اسے یہ بات پسند نہ تھی کہ مولوی صاحب کبھی کسی مرحوم کے ختم پیر اور کبھی کسی اور مرحوم کے ختم پیران کے ہاں کھانا کھانے آتے تھے۔ بریلوی باپ نے اسے ڈانٹا اور کہا۔

سے اے مرے پسر گرامی غم نہ کر مہمان سے

رزق اپنا کھا رہا ہے تیرے قبرستان سے

عرس کے نام سے عید قبرور

قبروں پر اس طرح کی حاضری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ عید سے تعبیر کیا ہے مسلمانوں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ ان پر سالانہ حاضری دیں۔

قبریں عبرت کا نشان ہیں یہ بڑے بڑے قبرستان سب شہر خموشاں ہیں جو یہاں آباد ہوئے وہ کسی اور جگہ اب جانے کے نہیں انہیں قیامت کے دن ہی اٹھنا ہوگا۔ اولیاء اللہ بھی بعد وفات شہر خموشاں میں آتے ہیں اور اس تبدیلی گھر میں دیگر انسانے آدم کے ساتھ شریک ہیں قبرستانوں کو خوشیوں اور رونقوں کے اڈے وہی بنا سکتے ہیں جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہو۔ مزارات پر جاتیں تو زیارت کے لیے نہ کہ عید کرنے کے لیے۔

### عید قبور کی بدعت

①

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں سب سے بڑی بدعت قبر کی سالانہ عید ہے۔ اسلام میں دو ہی عیدیں ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ مگر بریلیوں نے چار عیدیں بنا رکھی ہیں۔ عید میلاد النبی اور اپنے علاقے کے مرکزی بزرگ کی قبر کی سالانہ عید اسے عرس بھی کہتے ہیں اور قبر ملی پر زائرین کا جرم اور پھران کی کھلنے پینے کی ضیافتیں بالکل عید کی طرح ہوتی ہیں۔ دن بھی عام طور پر چھٹی کا ہر تلبہ اور درگد سے لوگ عید سے زیادہ اہتمام کے ساتھ اس بزرگ کی قبر پر حاضری دیتے ہیں۔

### زیارت قبور اور عید قبور میں فرق

اسلام میں زیارت قبور کا حکم موجود ہے۔ قبریں آخرت کی یاد دلاتی ہیں اور وہاں دعا کرنے والوں سے اہل قبور کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن وہاں اجتماعی شکل میں جانا اور اس کے لیے ایک یا تین دن مقرر رکھنا اور ہر سال ان تاریخوں کی پابندی یہ وہ عید قبور ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔ نہایت اندرس کی بات ہے کہ بریلی حضرات یہ عید قبور (عرس) اس اہتمام سے مناتے ہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ بھی ان عرسوں کے ہو گئے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ان بدعات کے آگے سب نسبتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔

عرسوں کی غفلتوں میں عورتوں کا ازدادہ احتلاط قوالی کی مجلسیں اُترتی دیگوں کی

نوشہد میں مدلوں کے جلدے ہاروں سے لدے گئے اور چرخوں اور جتوں میں ملبوس سپر پائوں میں گھنگرو پہنے رقص کرتے آئے والے زائرین اور ان کی پھیلی چادروں میں نذرانوں اور منتوں کے نوٹ اور یہ نذرانے وہ اعمال ہیں جو عرسوں کے جان اور بریلویوں کی پہچان ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قبروں کی اس سالانہ عارضی اور پھر اجتماعی عارضی کا کوئی تصور اسلام میں موجود ہے؟ کیا اسلام میں کسی قبر پر عید کا سا حجوم کرنا اور اسے پر رونق بنانا جائز ہے؟ اسلام میں اس عید قبر کا کیا درجہ ہے آئیے اس کے لیے ہم سب سے بڑے روحانی مرکز گنبد خضرت کی طرف متوجہ ہوں کیا وہاں عید قبر کا کوئی دن مقرر ہوتا ہے؟ اور کیا وہاں کبھی کبھی کوئی عرس ہوا ہے؟

اب تو بریلوی کہہ سکتے ہیں کہ وہاں آپل سود کی حکومت ہے۔ وہ توحید کے پورے پابند ہیں شرک و بدعت کو اپنے ہاں راہ نہیں دیتے۔ چلو یہ بھی سہی۔ لیکن خدا را اس بات پر بھی تو نظر رکھیے کہ کیا خلفائے راشدینؓ کے دور میں وہاں کبھی کوئی عرس منایا گیا کیا خلفائے راشدینؓ بھی معاذ اللہ سب کے سب بد مذہب تھے؟

فاقی الذریقتین احق بالامن ان كنته تعلمون۔ (پٹ الانعام آیت ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:-

لا تجعلوا بیوتکم قبوراً ولا تجعلوا فیکم عیداً وصلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث ڪنتہ۔

ترجمہ۔ تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا رکھنا کہ تمہارے گھر نمازوں سے غالی رہیں، اور نہ میری قبر کو عید بنانا کہ وہاں ایک دن اکٹھے ہو کر آؤ جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے، اور منجھ پر درود پڑھتے رہو (دور رہنے کی وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ مجھے درود نہ پہنچے گا، تمہارا درود تم جہاں بھی ہو وہاں سے مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بات کہ میری قبر کو عید نہ بنانا، اس کی شرح میں حضرت مشاہد علی اللہ

حدث دہلوی لکھتے ہیں :-

لا تجعلوا قبری عیداً اخبروا انی قد مدخل التَّحْرِيفِ كما فعل  
اليهود والنصارى بقبور انبيائهم وجعلوها عیداً او موسماً بمنزلة الحج<sup>۱</sup>  
ترجمہ میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ میری قبر کو عید نہ بنانا  
یہ اشارہ ہے کہ دین بگاڑنے کا دروازہ بند کر دیا جائے یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء  
کی قبروں کو عید بنا رکھا تھا اور جس طرح حج کا ایک موسم مقرر ہے وہ ان قبروں پر  
خاص دنوں میں رونقیں کرتے تھے۔

مولوی محمد عمر صاحب کہتے ہیں یہاں شاہ صاحب نے اسے تشبہ بالیہود و النصارى کی وجہ سے  
منع کیا ہے۔ نہیں آپ نے اس پر صرف ارشاد رسالت کی وجہ سے نکیر کی ہے یہود و نصاریٰ کے عمل  
کو آپ محض مثال کے طور پر لائے ہیں۔ مگر نہ آپ اسے دین میں تحریف کرنے والوں کی سب سے بڑی  
بدعت سمجھتے ہیں۔ اولیاء کرام کی قبروں پر انہوں نے سالانہ میلے ٹھہرا رکھے ہیں، جہاں یہ لوگ امید کی طرح  
ہجوم کرتے ہیں اور چادریں پھیلائے اور دُور سے ننگے پاؤں آئے وہاں ماضی دیتے ہیں۔  
ومن اعظم البدع ما اخترعوا فی امر القبور واتخذواها عیداً۔<sup>۲</sup>

ترجمہ۔ ان کی بڑی بدعات میں سے ان کا وہ عمل بھی ہے جو انہوں نے قبروں کے  
پاس گھر رکھا ہے اور وہ ان کی عید قبر کی تقریبات ہیں۔

ابھی ان تقریبات پر لفظ عرس اتنا معروف نہ تھا۔ یہ لفظ ذرا آگے چل کر اس دائرہ قباحت  
میں داخل ہوا ہے۔ پہلے عرس مشائخ کے ساتھ جا کر قبروں کی زیارت کرنے کا نام تھا۔ جماعت کی عبارت  
سے یہی متبادر ہوتا ہے۔

وازیں جا ست حفظ اعراض مشائخ و مراغبہ زیارت قبور ایشان تہ  
ترجمہ مشائخ کے عرس اور ان کا زیارت قبر کے لیے برابر جاتے رہنا اسی لیے ہے۔

۱۔ حجۃ الباقض جلد ۲ ص ۷۷، ۲۔ تنبیہات جلد ۲ ص ۱۷۱، ۳۔ جماعت ص ۱۷۱ اسلامی پریس تحفہ محمدیہ



لیکن بعد میں یہ عرس وندہ بزرگوں کی معیت میں قبروں پر جانے کے نہ رہے مروجین کی قبروں پر سالانہ اجتماع بن گئے۔

تفتبندی سلسلہ کے عظیم روحانی بزرگ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ بھی لکھتے ہیں:-  
لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الاولياء والشهداء من السجود والطواف  
حولها واتخاذ السرج والمساجد اليها ومن الاجتماع بعد الحول كالاعتياد  
وسمونه عرساً۔

ترجمہ۔ یہ جاہل لوگ اولیاء و شہداء کی قبروں پر جو سجدے کرتے ہیں اور ان کے گرد طواف کرتے ہیں اور وہاں چراغ جلاتے ہیں اور وہاں نمازوں کی جگہ بناتے ہیں یہ جائز نہیں اور اسی طرح یہ جو وہاں سالانہ عید کرتے ہیں اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں یہ بھی جائز نہیں۔

بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے یہ بھی لکھا ہے:-

جو شخص اجمیر میں حضرت خواجہ چشتی کی قبر پر یا حضرت سالار مسعود غازی کی قبر پر یا ان کی مانند اور کسی قبر پر اس لیے گیا کہ وہاں کوئی حاجت طلب کرے تو اس نے ایسا گناہ کیا کہ جو (شرک ہونے کے باعث) قتل اور زلے سے بھی بدتر ہے۔

سرتاج علمائے ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

برائے زیارت قبور روز معین نمودن بدعت است و اہل زیارت جائز و تعیین وقت در سلف نبود و ایں بدعت ازال قبیل است کہ اصل جائز است و خصوصیت وقت بدعت۔

ترجمہ۔ قبروں پر جانے کے لیے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور مطلق زیارت جائز ہے۔ قبروں پر جانے کے لیے دن کی تعیین سلف میں نہ تھی۔ یہ بدعت اس نوع

کی ہے کہ اس کی بنیاد تو صحیح تھی لیکن تعین وقت اس کو بدعت بنا گیا۔

وقت مقرر نہ کرنے سے زیارت قبور کی اصل شرعی منوع ہونے سے بچ جائے گی اور زیارت

قبور تو رہے گی پر سوس نہ ہو سکیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:-

رفقن قبو بعد سالے یک روز معین کردہ سه صورت است۔ اول آنکه یک روز معین نمودہ یک شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیه مردمان کثیر بر قبور محض بنا بر زیارت و استغفار بروند۔ اس قدر ازوے از روئے روایات ثابت است و در تفسیر در منشور نقل نمودہ کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر مقابرے رفقند و دعا برائے مغفرت اہل قبورے نمودند۔

ترجمہ۔ قبروں پر سال بعد ایک دن معین کر کے جانا اگر کسی تین صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ایک دن مقرر کر کے ایک دو آدمی بغیر کسی ہیئت اجتماعیه اور لوگوں کی بھیڑ کے قبروں پر زیارت کے لیے جائیں اور (مترجمین کے لیے) استغفار کریں۔ اتنی بات روایات سے ثابت ہے اور تفسیر و منشور میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قبل پر جاتے اور اہل قبور کے لیے بخشش کی دعا کرتے۔

سو اگر یہ روایات کسی درجے میں قبول ہوں تو ان کا حاصل اس سے آگے نہیں جو حضرت

شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے۔ ہر سال بنیاد مقرر ہو اور یہ تعین محض انتظامی ہو۔

اس سالانہ حاضری کی دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ختم ہو اور حاضرین کو کھانا کھلا دیا جائے۔

ایمانہ ہو کہ غنی لگ اسے کھائیں یا اس میں نمود و ریاء پائی جائے وہ خلافات بھی نہ ہوں جو آج کل

عرسوں میں ہوتی ہیں اس کے بارے میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:-

اس قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدینؓ نمود۔ اگر کسی اس طور بکند باک

نیست زیرا کہ دریں قسم قبیح نیست۔

لے فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۳۳۱ یہ دن مقبور کو ناسر موقع پر نیا ہوگا۔

ترجمہ۔ یہ طریق عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں نہ تھا۔ اگر کوئی اس طرح کرے تو ذر نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ کیا اس میں کھانا یا شیرینی سامنے رکھ کر اس پر دعا مانگنے کا ذکر نہیں ہے؟ کھانا سامنے رکھنا تو مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک بھی بے کار بات ہے۔

وقتِ قانعہ کھانے کا قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولی ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں ہے۔

یہی ایک چیز تھی جسے اس صورتِ عمل میں قباحت والی کہا جاسکتا تھا۔ سو اس کے بارے میں اگر یہ عقیدہ ہو کہ یہ بے کار بات ہے تو پھر واقعی اس میں حرج نہیں۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ نے اسے معمولِ سلف قرار نہیں دیا۔

لیکن آج کل جو عرس ہیں وہ اس دوسری قسم کے نہیں۔ یہ ایک تیسری قسم ہے جو انتہائی درجہ میں قبیح اور ممنوع ہے۔ آپ کہتے ہیں:-

سوم طور جمع شدن بر قبور ایں است کہ مردمان یک روز معین نموده و لباس ہائے فاخرہ و نفیس پوشیدہ مثل روز عید شادمان شدہ بر قبور جمع سے شوند و قص و مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجدہ برائے قبور و طواف گرد قبور سے نمایند ایں قسم حرام و ممنوع است بلکہ بعضے سجدہ کفر سے رسند ہمیں است محمل ایں دو حدیث دلائل تجملوا قبری عیدہ اچنانچہ در شکوۃ شریف موجود است واللہم لا تجعل قبری وثناً یعبد ایں ہم در شکوۃ است۔<sup>۱</sup>

ترجمہ۔ تیسرا طریقہ قبروں پر جمع ہونے کا یہ ہے کہ لوگ ایک دن ملے کر کے عمدہ اور نفیس کپڑے پہن کر جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے مزار پر جمع ہوں وہاں (ملنگ) رقص بھی کر رہے ہوں اور ساز سے قوالیاں بھی ہوں قبروں پر سجدے بھی کر رہے ہوں

۱ بحجۃ الاسلام ۱۲۸۱ھ فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۲۸ کتاب البرزخ ص ۱۹۹ مرفوعہ نور بخش ترکی مطبوعہ ۱۳۳۹ھ

اور لوگ ان کا طواف بھی کر رہے ہوں یہ قسم اجتماع (عرس رائج) حرام اور ممنوع ہے  
بلکہ ان میں سے بعض باتیں کفر کی حد کو چھوتی ہیں یہی محمل ہے ان در احادیث کا۔  
تم میری فکر کو عید نہ بنانا۔ اور۔ اے اللہ! میری قبر کو تہان کے درجے میں نہ لانا  
کہ اس کی عبادت ہونے لگے (اس پر مجھ سے کئے جانے لگیں) یہ دوسری حدیں مشکوٰۃ  
میں موجود ہیں۔

## قبور شہداء پر سالانہ حاضری کی روایات

مولانا احمد رضا خاں نے ہادی الناس فی رسوم الاعراس میں کچھ ایسی روایات نقل کی ہیں کہ  
حضرت ہر سال شہداء کی قبروں پر دعا کے لیے جاتے تھے۔ یہ روایات زیادہ تر بے سند ہیں اور  
ان کتابوں میں ہیں جو آخری درجے کی کمزور کتابیں شمار ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے ان روایات  
کو تفسیر و منفرد سے روایت کیا ہے اور اس کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد ایک دو اشخاص کا بغیر  
کسی اجتماعی صودت کے قبروں پر جانا ہے۔ یہ اجتماعی شکل میں وہاں جانا جیسا کہ بجل عرسوں میں  
ہوتا ہے یہاں ہرگز مراد نہیں۔ اور ہر سال جانے سے مراد بھی ہر سال کسی ایک معین تاریخ پر جانا  
نہیں نہ اس میں اس تاریخ کا التزام تھا جب جنگ اُمد لڑی گئی تھی۔ آج کل اگر کوئی شخص  
دن مقرر کرے تو چاہیے کہ وہ تعیین انتظامی ہر سال کے لیے التزامی نہ ہو۔  
سوال: شادی کے لیے دن مقرر کرنا، جسے کے لیے دن مقرر کرنا، سفر حج کے لیے ایئر ٹولیز سے تاریخ  
مقرر کرنا یا کسی دکان کے افتتاح کے لیے کوئی دن طے کرنا یہ جائز ہیں یا نہیں؟  
جواب:۔ دروں کی یہ تعیین محض انتظامی ہے اعتقادی نہیں۔ ان لوگوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں  
ہوتا کہ اس دن کی کوئی شرعی اصل ہے۔ محض انتظام کے درجہ میں تاریخ درج کی جاتی ہے اور ان تاریخوں  
کو کسی کی موت و حیات سے تعلق نہیں ہوتا۔

پھر اس انتظامی تعیین کے بھی دو درجے ہیں۔ اتفاقی اور التزامی۔ اتفاقی یہ ہے کہ بس اپنی

مصلحت سے کوئی تاریخ طے کر دی۔ یہ تعین بس ایک ہی دفعہ کے لیے ہے۔ یہ تاریخ کوئی ضابطہ نہیں بن گئی، اور تعین التزامی یہ ہے کہ وہ آئندہ بھی اسی تاریخ کا التزام کرے مثلاً ایک بیٹے کی شادی ۹ ذوالحجہ کو کی ہے تو دوسرے کی شادی میں بھی اسی تاریخ کا التزام کرے اور پھر پوتے کے خاندان میں آئندہ یہی تاریخ طے پا جائے۔ یہ استقامی تعین بھی اگر التزامی درجے میں آجائے تو ممنوع ہو جائے گا۔

## سفر اور تعین میں فرق

کسی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا یہ نہیں کہ اتفاق سے راستے میں کسی بزرگ کی قبر آگئی تو اس کے پاس سے گزرنے والے نے اس کی زیارت کر لی اور قبروں پر جو سلام کہا جاتا ہے کہہ دیا، جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ لیکن کسی نیک کام کے لیے دنوں کی تعین اور وہ بھی التزامی درجے میں — یہ اسلام میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ اسے سب ناجائز سمجھتے ہیں بسندہ سفر میں تو آپس میں الجھنا چاہیے۔ جب سلف میں کسی مسئلے میں اختلاف ہو گیا تو اس میں ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنا چاہیے۔ لیکن دونوں کی غیر شرعی تعین کو ہرگز برداشت نہ کرنا چاہیے۔ سنی مسلمان اس سے پوری کوشش سے بچ رہے۔ بدعتی لوگ تو وہ خود اس کے جوابدہ ہوں گے اگر ان کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا۔ یہ اگر کی بات ہم نے اس لیے کی ہے کہ بدعتی کا خاتمہ بالآخر بہت خطرے میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سفر اور تعین میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قبور بزرگان کی زیارت کو سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے بعض علماء درست کہتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں یہ مسئلہ مختلف ہے اس میں نزاع و تکرار نہ چاہیے۔ مگر ہاں عرس کے دن زیارت کو جانا حرام ہے۔ فقط۔

زیارت کے لیے جانا ممنوع نہیں اس کے لیے وقتی طور پر کسی دن کا ارادہ کر لیا جائے تو یہ جائز ہے یہ نہ تخصیص ایام ہے نہ اس کا التزام — ہاں خاص عرس کے دن زیارت کے لیے جانا اہل بدعت کی

بدعات میں اور ان کی ظہانی مجلسوں میں من وجہ شرکت ہے اور جو شخص کسی قوم کی گنتی کو بڑھائے وہ انہی میں اٹھایا جانے کے خطرہ میں ہے۔

## تعیین اعتقادی اور تعین التزامی

جمعہ کی فضیلت باقی دنوں پر اور رمضان کی فضیلت باقی مہینوں پر اور مسجد کی فضیلت باقی جگہوں پر یہ شرع میں ثابت ہے یہ تعین اعتقادی ہے اور اس پر مبنی فضیلت شریعت میں ایک درجہ رکھتی ہے لیکن ایصالِ ثواب کے لیے تیجے، دسویں، اکیسویں اور چالیسویں دنوں کی تعیین کرنا اور انہیں اہم جاننا یا گیارہ تاریخ کو افضل ٹھہرانا اور اس تاریخ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ کو ایصالِ ثواب کرنا یہ ان اوقات کو اعتقادی فضیلت میں لانا ہے جن کے لیے شریعت میں الفضیلت وارد نہیں ہوئی۔ اب جو شخص ان اوقات اور دنوں کی تعیین التزامی کرتا ہے وہ دراصل ان اوقات اور دنوں کی فضیلت اعتقادی کا قائل ہے اور یہی بدعت کی تعریف ہے کہ جو چیز دین نہیں اسے دین سمجھا جائے اور جاہلوں میں اسے بطور دین قائم کر دیا جائے۔

## تخصیص اوقات اور تخصیص مقامات

جس طرح کسی وقت کی فضیلت بدوں شرع ثابت نہیں ہو سکتی کسی جگہ اور مقام کی فضیلت بھی دلیل شرعی کی محتاج ہے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم پڑھنا قبر کے پاس ہو یا مسجد میں یا گھر میں ثواب میں سب برابر ہے کسی ایک جگہ پڑھنے کو اعتقاد افضل جاننا درست نہیں۔ ہاں قبر کے پاس اس لیے پڑھے کہ اس سے میت مانوس ہوتی ہے تو یہ برابر اعتقاد صحیح موقتی جائز ہو سکتا ہے لیکن فضیلت اعتقادی اسے بھی حاصل نہیں۔

## ② قبروں پر پھولوں کی چادریں اور سبز ٹہنیاں

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو معذب (عذاب یافتہ) قبروں کے پاس سے گزرے اور آپ نے ان پر کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی ہو سکتا ہے ان کے عذاب میں تخفیف رہے۔

بریلوی علماء اس سے استدلال کرتے ہیں کہ گنہگاروں کی قبروں پر اگر سبز ٹہنیاں لکھی گئیں تو بزرگوں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں ڈالنی چاہئیں جس طرح ٹہنیاں سے پھول فائق ہیں، عام لوگوں سے ادلیا۔ اللہ فائق ہیں۔

حضرت عابد بن عبد اللہ کی روایت میں صریح طور پر شفاعت نبوی کے الفاظ موجود ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

انۃ مروت بتبرین یعذبان فاجبت بشفاعتی ان یروہ ذلک عنہما  
مادام الفصنان رطبین۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۱۸)

ترجمہ میں دو قبروں کے پاس گزرا جن کو عذاب ہو رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ میری شفاعت سے ان پر عذاب اس وقت تک ہلکا ہو جائے۔ جب تک یہ دو ٹہنیاں سبز رہیں۔

یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بھی مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ اس میں بھی دو سبز ٹہنیاں کو عذاب میں تخفیف کا نشان بتایا گیا ہے۔ اگر یہ کوئی دوسرا واقعہ بھی ہوتا ہم یہ ضرور ہے کہ وہاں بھی عذاب میں تخفیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور شفاعت سے ہی ہوئی۔ یہ حضرت عابد بن زبیرؓ کی روایت اس روایت کے لیے بمنزلہ شرح ہو جائے گی۔ جس طرح قرآن کریم کی بعض آیات بعض دوسری آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں بعض احادیث بھی بعض دوسری احادیث کے لیے بمنزلہ شرح ہیں۔

بریلوی مفتیان کا مذکورہ تہناباد عجیب ہے حضورؐ کی رکھی سبز ٹہنیاں جب تک تر رہیں

انجواب

ان گنہگاروں کے عذاب میں تخفیف رہی۔ اولیاء کرام کی قبروں پر جب تک یہ پھول تر رہیں گے وہاں کن کے عذاب میں تخفیف ملحوظ نظر ہے؛ سبز ٹہنیوں اور تازہ پھولوں میں تر ہونا قدر مشترک ہے اور کچھ وقت بعد دونوں چیزیں خشک ہو جاتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں خشک تو ہو گئیں لیکن اب بھی یہ چیزیں تو ہیں اور اس عدم میں داخل ہیں۔

وان من شیء الا یسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبیحہم (پ: بنی اسرائیل ص ۵)

ترجمہ۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے۔

معلوم ہوا سبز ٹہنیوں اور تازہ پھولوں میں یہ تسبیح پروردگار ملحوظ نظر نہیں۔ یہ صفت تو اب بھی ان میں موجود ہے کہ دونوں چیزیں خشک ہونے کے باوجود چیز ہونے کے دائرے سے نہیں نکلیں کہ اب ان سے تسبیح باری تعالیٰ منقطع ہو جائے۔

اس تفصیل کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ عذاب میں تخفیف کا اصل باعث کیا ہے؟ جو ابا عرض ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی برکت اور آپ کی اللہ تعالیٰ کے حضور ان معذبین کی شفاعت ہے۔ آپ نے ان کی اللہ کے حضور شفاعت کرتے ہوئے ان دو ٹہنیوں کو چھو دیا اور ان قبروں پر گاڑ دیا۔ اب اگر ان کی برکت سے ان گنہگاروں کے عذاب میں کمی کر دی جائے تو یہ خالصتہً حضور کی توجہ کا اکرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان قبروں والوں سے یہ معاملہ صرف اس لیے کیا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت اور ان ہاتھوں کا اکرام تھا جنہوں نے وہاں ٹہنیاں رکھیں۔ دعا سے عذاب میں کمیوں تخفیف کی گئی پھر عذاب ہی کیوں نہ اٹھا لیا گیا اور یہ تخفیف بھی اسی وقت تک رہی جب تک وہ سبز رہیں تو اس کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں تھیں۔ بات یہ ہے کہ اصل فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جتنے وقت کے لیے چاہے اور جتنا کم فرمائے یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے۔ ہم اپنی مرضی سے اس کے ارادے کو ضابطوں میں لانے کے مجاز نہیں ہم مفتی احمد یار صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ حدیث میں ان ٹہنیوں کے خشک ہونے کی قید حضور



نے کیوں لگائی۔ ان کے عذاب سے ہمیشہ کے لیے تخفیف کیوں نہ کر دی گئی۔ ہم کون ہیں خدا کے ارادے پر محکم چلانے والے۔

مفتی احمد یار صاحب کا زبرد قلم ملاحظہ ہو کس دلیری سے انکار کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ حضور کی دعا اور شفاعت کا صدقہ تھا۔ آپ لکھتے ہیں:-

عذاب قبر کی کمی سب سے بڑے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے اگر محض دعا سے کمی ہوتی تو حدیث میں شک ہوئے کی کیوں قید لگائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ جس درجے میں دعا کو قبول فرمائیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر کر دیں تو ہم کون ہیں کہنے والے کہ صرف اس وقت تک تخفیف فرمائی جب تک وہ ٹہنیاں تر رہیں گی۔ ہم کون ہیں یہ محکم چلانے والے مفتی صاحب اگر اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں کا سوال اٹھائیں تو یہ ان کا کمال ہے ہم کوئی بریلوی تو نہیں کہ خدا اور اس کے رسول خاتم پر اعتراض کرنے لگیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان قبروں سے عذاب کی تخفیف کا واقعہ بالکل خلاف قیاس ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور توجہ کا فیضان ہے جس کے مفتی صاحب مجھو ہیں۔ اگر یہ کوئی عذاب طے کی بات ہوتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین اس پر کیوں عمل نہ کرتے۔ غیر القرون میں اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اور پھر بزرگوں کی قبروں کو یا اپنے اعزہ و اقارب کی قبروں کو ان زیر عذاب لوگوں پر قیاس کرنا اور ان کی قبروں پر سبز ٹہنیاں یا پھول چڑھانا اس میں ایک مصیحت کا رفرما ہے اور فقہ کی کس کتاب میں اس مسئلے کو مجبوری دی گئی ہے۔

③ قبروں کے عرق لگاب سے غسل اور پھولوں کی چادریں

اس دعویٰ بدعات میں ایک عمل یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض بزرگوں کی قبروں کو سالانہ

غل دیا جاتا ہے اور وہ غسل بھی پانی سے نہیں بلکہ عرقِ گلاب سے اور اس میں اتنا اسراف کیا جاتا ہے کہ اس کے تصور سے شعور مجروح ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

یہ بحث اپنی کوکھ میں کن کن بدعتوں کو ساتھ لائی ہے ذرا ان پر بھی غور کر لیں۔

① — بزرگوں کی قبریں کچی ہوں قبرِ نبویؐ کی طرح کچی نہ ہوں — کیوں؟ یہ اس لیے کہ کچی قبریں

تو دھوئی نہیں جاسکتیں۔ یہ کچی قبریں ہیں اور وہ بھی مر مر ہیں، جنہیں دھویا جاسکتا ہے — ظاہر ہے کہ اس میں فتنہ خفی کے اس فیصلے سے کھٹا اقدام ہے جسے امام محمدؒ نے نقل کیا ہے آپ لکھتے ہیں:-

ولانزکی ان یزاد علی ما خرج منه ونکره ان یخصص او یطین..... ان

النبی صلی اللہ علیہ وسلم نملی عن تربیع القبور و تخصیصھا قال محمد بنہ

فاخذ وهو قول ابی حنیفۃ۔

ترجمہ۔ اور ہم اسے صحیح نہیں جانتے کہ جو مٹی قبر سے نکلی تھی اس سے زیادہ اس پر

ڈالی جائے اور ہم اسے مکروہ جانتے ہیں کہ قبر کو چُونے سے بچتہ کیا جائے یا اس

پر لپائی کی جائے..... بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چوکور بنانے

سے اور اسے چونا گچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام محمدؒ کہتے ہیں یہ ہمارا فیصلہ ہے

اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

یہ وہ منہ ہو کہ شاید امام ابو یوسفؒ کی یہ رائے نہ ہو۔ برگز ایسا نہیں علامہ علیؒ (۱۰۵۷ھ) لکھتے ہیں:-

ویکره تخصیص التبر وتطینہ وبہ قنۃ۔ الاثمة الثلاثة۔

ترجمہ۔ جو دیلوں کی قبروں پر بلندہ عمارتیں بناتے ہیں اور چراغ روشن کرتے ہیں اور اس

طرح کے جو کام کرتے ہیں سب حرام ہیں۔

اور امام محمدؒ نے جس حدیث کے مطابق یہ فیصلہ لکھا ہے اس کی تائید و توثیق نویں صدی میں

بھی بالکل اسی طرح سُنی جا رہی ہے۔ دیکھیے پھر تیرہویں صدی میں بھی فتنہ خفی کا یہی فیصلہ پیش کیا گیا ہے

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:-

آسچہ بر قبور اولیاء عمارت ہائے رفیع بنائے کنند و چراغاں روشن مے کنند و ازین  
قبیل ہر چہ مے کنند حرام است۔  
ترجمہ۔ متبرک کو چرنے کے چک بنانا اور اس کی پانی کرنا مکروہ ہے اور یہی (ہمارے) تین اماموں  
کا فیصلہ ہے۔

② — یہ سالانہ تقریب (مزار مبارک کو غسل دینا) سالانہ عرس کا پیش خمیہ بنتی ہے اور عرسوں میں  
جس قدر مکروہات اور منوعات عمل میں آتے ہیں وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں — سورتیں جس طرح  
بن سنور کر عرسوں میں آتی ہیں اور دوسری طرف نوجوان عقیدتیں قربان کرتے مزار اولیاء کی طرف بڑھتے  
ہیں۔ اس ازداد اختلاط سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں آپ ابن کا اندازہ خود کر لیں۔

③ — مہنگائی کے اس دور میں جب ہماری سوسائٹی کا پخلا طبقہ ایک بڑی مقدار میں  
ضروریات زندگی تک سے محروم ہے وہاں عرق گلاب کا اس قدر ضیاع اور مال کا اس قدر اسراف  
جو بجائے خود گناہ محتاب اسے کار خیر سمجھ کر عمل میں لایا جا رہا ہے اور یہی بدعت کی حقیقت ہے۔ پھر  
یہ غسل حکومت کی سرپرستی میں عمل میں لایا جائے تو ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ اور بھی کئی قباحتیں شامل  
ہو جائیں گی۔

④ — یہ گلاب کا عرق جب قبر سے بہہ کر آگے جائے تو لوگ اسے بوتلوں میں بھر بھر کر آگے  
اپنے دیہات میں لے جاتے ہیں اور پھر اس سے برکت ڈھونڈنے والے مرد و برکت ڈھونڈنے  
والی عورتیں ایسی ایسی خرافات میں مبتلا ہوتے ہیں کہ شرک و بدعت کی کوئی آفت نہیں جو ان مجلسوں  
میں نہ آتی ہو اور یہ سب کچھ قبر پرستی کے ایک حاشیے کی صورت میں جاہل ول و دماغ پر اتار دیا  
جاتا ہے۔

⑤ — مزار مبارک کو غسل دینے والے علماء اور نفث خواں اس دھودن کو پھر اپنی مقدس  
داڑھیوں سے ملتے ہیں جو سنت کے نام سے رکھی گئی تھیں۔ یہ بدعت کی آلائش سے سنت کی کھلی

تو بہن ہے — پھر جب یہ غسل حکومت کی سرپرستی میں ہو تو ان علماء کو بھی ان تقریبات میں آنا پڑتا ہے جو سرے سے ان بدعات کے قائل نہ ہوں — ایک مولوی صاحب ایک ایسی تقریب میں شامل ہوئے تو انہیں باطل نظر آستہ یہ حدیث پڑھنی پڑی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبر پر پانی پھڑکا ہے۔ دیش علیہ الماء اور وہ حضرت خود بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ نئی قبر بننے پر پانی کا پھڑکاؤ تھا۔ جو اس کی مٹی کو برابر کر دینے کے لیے ڈالا گیا تھا یہ کوئی مزار دھوئے کی کارروائی نہ تھی — تاہم وہ حضرت یہ حدیث پڑھتے کچھ مسکرا بھی رہے تھے۔

قبروں کے غسل اور بھولوں کی چادروں میں اور بھی متعدد قباحتیں لپٹی پڑی ہیں۔ ان کا کہاں تک احاطہ کیا جائے۔ یہ چند امد مثال کے طور پر پیش کر دیئے گئے ہیں۔ ان تقریبات کے مشاہدے سے اور بھی کئی خرافات آپس کے سامنے آئیں گی۔ اعاذنا اللہ منہما۔

## ② قبروں پر نذرین

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں وہ نذرانے بھی ہیں جو ذرائع زیارت کے بعد ان بھولوں میں ڈالتے ہیں جو صاحب مزار کے قدموں میں پوست زمین ہوتے ہیں۔ نذر سمجھتا ہے اس ایڈریکس کے ذریعہ میری نذر صاحب مزار تک پہنچ رہی ہے اور میری عرض حضرت خود سن رہے ہیں۔ یہ وہ اعتقاد ہے جس سے قبروں کا یہ سارا کاروبار چل رہا ہے۔

قبروں پر نذر دلوں کا حال حکمہ اوقاف سے پوچھئے یا رسائی ہو تو عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھانے والے ان گندی نشینوں سے پوچھئے جن کا ذریعہ معاش یہ نذرانے یا آنے جانے والوں کے گبے پڑے سامان ہیں ایسے کسی بزرگ کی اولاد میں جب اس کی جائہ اولعیم ہوتی ہے تو اس میں یہ قبر بھی ایک قیمتی متاع بنتی ہے کہ جو اس کا متولی ہو گیا وہ ہر سال کی دولت پا گیا جس کو مکان وزمین ملی وہ ایک دفعہ ملی اور جس کو قبر ملی وہ ہر سال کی دولت سمیٹ گیا جو اسے بیٹھے بٹھائے گھر مل جایا کرے گی۔

یعین نہ آنے تو کبھی خود جا کر دیکھیں لوگ اپنی حاجتیں پوری کرانے کے لیے کتنی بڑی بڑی فیسیں ان

مزدوروں کی تذکرہ کرتے ہیں اور پھر صرف نقد نوٹ ہی نہیں دیگوں کی دیکھیں، مٹھائیوں کے بڑے بڑے طبق  
 مصلوں کے لدے لوگے اور لوگیر تک ان مزدوروں کی تذکرہ کرتے ہیں اور پھر گدی نشین ہیں کہ مولیوں کہ  
 بڑی بڑی فیسیں دے کر ان درگاہوں پر لاتے ہیں اور ان سے دخل کرتے ہیں کہ تم یہاں قاضی الحاجات  
 کے دروازے پر آپہنچے ہو جو لینا سے انہی سے لو۔ خدا بڑا بادشاہ ہے وہ ہر کسی کی براہ راست نہیں سنتا۔  
 متنبیں جو کچھ کہنا ہے یا جو کچھ دینا ہے بس انہی حضرات کے قدموں میں بیٹھ کر کہہ دیجئے اور جو دینا ہے وہ  
 بھی یہیں ڈال دیں۔ اللہ ان کی کبھی بھی موڑتا نہیں اور متہاری کبھی بھی سنتا نہیں۔ پھر سادہ لوح بریلوی  
 ان سیلوں کے ریلوں میں اور صلوں کے جملوں میں اپنی ایمان جیسی متاعِ عزیز کو بھی نعرہ بازی میں ہار دیتے  
 ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ ایک بڑے رب کے ماتحت کسی چھوٹے رب کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔  
 دنیا کے حکمرانوں کا اقتدار اور اختیار آپس میں تقسیم ہو کر عمل میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اقتدار اور اپنی  
 قدرت میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ نہ کسی فرشتے کو اور نہ کسی پیغمبر اور ولی کو۔ یہی عقیدہ اہل السنۃ والجماعہ کا  
 ہے۔ رہے بریلوی تو ان کے بارے میں فقہ تنفی سے یہ فیصلے لے لیجئے۔

واعلم ان الذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام و ما یؤخذ من الدرہم  
 والشمع والزیت و یخوفا الی حرام الخ الا ولیاء الکرام تقربا الیہم فہو بالاجماع  
 باطل و حرام۔ ۱۰

ترجمہ۔ اور جان لو کہ اکثر عوام جو مروجہ مین کے نام پر حذر میں دیتے ہیں اور نقد روپوں  
 اور چراغ اور ان میں ڈالا جانے والا تیل اور اس قسم کی دوسری چیزیں اولیائے کرام  
 کی درگاہوں میں لاتے ہیں۔ بایں طور کہ ان کا انہیں قرب حاصل ہو یہ سب بالاجماع  
 باطل اور حرام ہیں۔

اس تذکرہ باطل اور حرام کہنے کی وجہ صلا مشامیؒ نے یہ لکھی ہے۔

قوله باطل و حرام لوجہ منہما انه نذر لخلق و النذر للمخلوق لا یجوز

۱۰ مقرر المختار کتاب الصوم جلد ۱ ص ۱۰۰ حاشیہ الطحاوی

لانہ عبادۃ والعبادۃ لا یكون لمخلوق ومنها ان المنذور له میت والمیت  
لا یملك ومنها انه ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالى و  
اعتقاده ذلك کفر به

ترجمہ صاحب درختار کا ان چڑھاؤں کو باطل اور حرام کہنا کئی وجہ سے درست نہیں  
ہے ان میں ایک یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ماننا ہے اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں  
تدر ماننا ایک عبادت ہے اور عبادت خالق کی ہے مخلوق کی نہیں اور ایک یہ وجہ  
مجی ہے کہ جس کی نذر مانی ہے وہ میت ہے (اس جہان سے جا چکا) اور میت کسی چیز  
کی مالک نہیں ہو سکتی اور اس کے حرام ہونے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ وہ نذر ماننے  
والا یہ گمان کئے ہوئے ہے کہ قوت شدگان اللہ کے دے دے خود تعریف فی الامور  
میں اور اس کا ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

علامہ مطہریؒ لکھتے ہیں کہ ایسی اشیاء کا کھانا مضطرب کے سوا اور کسی کے لیے روا نہیں۔ کسی  
شریف منصب کے لیے کسی اچھے خاندان والے کے لیے اور کسی صاحب علم کے لیے اس کے علم کی عزت  
کے باعث یہ کھانا جائز نہ ہوگا۔

ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف الاغنیاء للاجماع علی حرمة النذر للمخلوق  
ولا ینعقد ولا تستغل به الذمة وانه حرام بل سمحت به

ترجمہ شریعت میں یہ کہیں ثابت نہیں کہ یہ نذر یعنی لوگوں کے لیے کھانا جائز ہو اس  
بات پر اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر ماننا (وہ کتنا ہی بڑا ولی کیوں نہ ہو) حرام ہے اور  
یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اور اس پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں آتی اور یہ حرام ہے  
بلکہ حرام سے بھی آگے بڑھ کر یہ درجہ بھت میں ہے۔ (شریعت جیسی خباثت اس میں آپ کی)۔

یہ صرف درختار اور اس کی مشروع کی بات نہیں اس سے پہلے علماء احناف اپنی قوی اسمبلی میں

شریعت اسلامی کے اس ضابطے پر اجماع کر چکے ہیں۔ قتادہ نے عالمگیری کے باب الاثکاف میں دیکھے۔

والنذر الذی یقع من اکثر العوام بان یأتی الی اف بر بعض الصلحاء وینفع  
سترہ قاتلاً یا سیدک فلان ان قضیت حاجتی فلن متی موت  
الذهب مثلاً کذا باطل اجماعاً۔

ترجمہ۔ اور اکثر عوام میں جو یہ نذر ماننے کا رواج ہے کہ کسی نیک آدمی کی قبر پر آتے ہیں  
اور اس پر بڑا غلاط اٹھا کر یہ کہتے ہیں اے میرے آقا! اگر تو میری یہ حاجت پوری  
کر دے تو میں تیرے لیے اتنا سونا لائوں گا۔ یہ نذر بالا جماع باطل ہے۔  
اور یہ بھی لکھا ہے۔

فما یؤخذ من الدراہم ونحوها ویقتل الی ضارح الاولیاء الکرام بقبرتہا  
الیہم فخرام بالاجماع۔

ترجمہ۔ سو جو روپے اور ان جیسی اور چیزیں لے کر انہیں اولیاء اللہ کے مقبروں پر لے  
جاتے ہیں اور نیت ان بزرگوں کا قرب حاصل کرنے کی ہوتی ہے تو یہ بالا جماع حرام ہے۔  
علامہ محمود آلوسیؒ بھی لکھتے ہیں۔

واما اذا کان المطلوب منہ میتاً او غائباً فلا یستریب عالمہ انہ غیر جائز  
وانہ من البدع الّتی لم یفعلہا احد من السلف۔

ترجمہ۔ اور جب مطلوب منہ (جس سے درخواست کی جا رہی ہو) فوت شدہ ہو یا سامنے نہ ہو  
غائب ہو تو اس میں کسی عالم کو شک نہیں ہو سکتا کہ یہ جائز نہیں اور یہ ان بدعات میں سے  
ہے جن پر سلف صالحین میں سے کوئی عمل پیرا نہیں ہوا۔

معلوم ہوا بدعت کا معیار یہ ہے کہ اس پر سلف صالحین کا عمل نہ ہو۔ نئے نئے مجتہدوں کی  
بات لینے کی بجائے پیروں کی پیروی بزرگ و جہتہ رہے مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں۔

لے قتادہ نے عالمگیری جلد ۶ ص ۱۰۰ قتادہ نے عالمگیری جلد ۶ ص ۱۰۰

(اللہ تعالیٰ) پچھلے مولویوں کی گمراہی سے بچائے جنہوں نے اپنے عقائد بدل ڈالے اور  
صحابہ اور تابعین اور مجتہدین امت یعنی امام ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ اور مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ  
اور سفیان ثوریؒ اور داؤد زہلیؒ کے خلاف اعتقاد قائم کیا۔

حاجت برآری پر قیمت نہ بھی پیش کرے تو بھی قبر سے یہ طلب حاجت ان اسباب میں سے نہیں  
جو اللہ رب العزت نے نظام کائنات کے چلنے کے لیے بنا رکھے ہیں۔ سواہل قبر سے یہ استدعا ایک حقوق الایسا  
پکار ہے جو بہت بڑا گناہ ہے اور کسی طرح لائق مغفرت نہیں۔  
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں۔

کل من ذہب الی بلدۃ اجیر او تبر سالہ مسعود او معاضاھا ما لاجل  
حاجة یطلبھا فانہ اثم اثما اکبر من القتل والزنا۔ اکیس مثله الا مثل  
من کان یعبد المصنوعات او مثل من کان یدعو الالف والعزى۔  
ترجمہ جو شخص بھی اجمیر شریف ماضی دیتا ہے یا حضرت سالار مسعود کی قبر پر جاتا ہے یا ان  
درباروں جیسے اور کسی دربار پر ماضی دیتا ہے تو وہ ایسے بڑے گناہ کا مرتکب ہے  
جو قتل اور زنا سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ کیا اس کی مثال ویسی نہیں جیسی ان لوگوں کی  
جو ہاتھ کے بنائے ہوئے بت پوجتے ہیں یا ان کی طرح جولات وغریبوں کو اپنی حاجت  
برآری کے لیے پکارتے ہیں۔

قتل وزنا واقعی بڑے گناہ ہیں گناہ کبیرہ ہیں؛ اور ان کی سزا سزائے موت ہے لیکن شرک اس سے بھی  
بڑا گناہ ہے جو کسی طرح لائق معافی نہیں۔ یہ نہ صرف اللہ کے حقوق کا نہیں اللہ کی غیرت کا بھی ہے۔  
یہ قبروں پر مال درہم و دینار اور تیل چڑھانے کی بات تھی جسے فقہاء کرام بالا جماع حرام لکھتے ہیں۔



## ⑤ نذر کئے گئے بکرے اور مرغے

باقی رہا زندہ چیزوں کا چڑھاوا وہ اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے جو لوگ وہاں حیوانات کو پیش کرتے ہیں اور وہاں انہیں ذبح کرتے ہیں گو وقت ذبح وہ اللہ کا نام ہی لیتے ہوں لیکن وہاں قبروں پر جا کر ان کا ذبح کرنا ان میں ان اصحاب مزارات کا اعزاز اور تقرب بھی ان لوگوں کے پیش نظر ہوتا ہے۔ یہ گناہ بدعت سے کچھ آگے جا کر شرک کے درجے کو پہنچتا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں :-

وحیوانات لاکہ نذر مشائخ سے کنند و بر سر قبر ہائے ایشان رفته آں حیوانات را ذبح سے نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند۔

ترجمہ۔ اور یہ لوگ جو بزرگوں کے لیے جانوروں کی نذر مانتے ہیں اور پھر ان کی قبروں پر جا کر ان بکروں اور مرغوں وغیرہ کو وہاں ذبح کرتے ہیں فقہ کی روایات میں ان کے

اس عمل کو بھی داخل شرک کیا گیا ہے۔

حیوانات بکرے بھیڑیں اور مرغے تو ایک طرف رہے، بریلوی وہاں زندہ انسانوں (ڈرکیوں) تک کا چڑھاوا پڑھانے کو بھی بزرگوں کی ایک بڑی عقیدت سمجھتے ہیں۔

## ⑥ قبروں پر لڑکیوں کا چڑھاوا

نہایت افسوس ہے کہ بریلویوں نے قبروں پر لڑکی جانے والی بدعت میں لڑکیوں کے چڑھاوے بھی شامل کر رکھے ہیں۔ پہلے یہ بکرے اور مرغے مزارات کے نذرانے کے طور پر ذبح کرتے تھے۔ یہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد آپ پڑھ آئے ہیں کہ فقہائے کرام نے اسے شرک قرار دیا ہے۔

یہ لڑکیوں کا چڑھاوا اس سے آگے کی ایک اور بدعت ہے جسے بل گئی اس کا عرس ہو گیا عروس عربی میں دلہن کو کہتے ہیں یہ لوگ عرس اپنا کرتے ہیں اور نہایت بے مددی سے اسے صاحب مزار کے نام



سے یہ بات ضرور واضح ہوئی کہ بریلویوں کے ہاں قبروں پر لڑکیوں کے چڑھاوے بھی چڑھتے ہیں۔

مزاروں کے گرد حجرے کیا انہی کاموں کے لیے ہوتے ہیں؟ اور کیا اصحاب مزارات اس طرح کمروں کے منبر پر لیتے ہیں جس طرح ہونٹوں کے مالک اپنے مسافروں کو منبر بتاتے ہیں اور چابیاں دیتے ہیں۔ اس وقت اس کی تفصیل ہمارا موضوع نہیں۔ ہم یہاں صرف کہنا چاہتے ہیں کہ فقہ حنفی کی رو سے مزاروں پر چڑھاوے خواہ دوپلوں اور لڑکوں اور درہم و دینار کی شکل میں ہوں یا بکروں اور مرغوں کی صورت میں یا غیر بصورت لڑکیوں کے قالب میں مزار کی یہ سب نذرین شرعاً حرام ہیں۔ اسلام میں تندرغیر انصر کی کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ شامی تصریح فرماتے ہیں کہ تملیک میت کو نہیں ہو سکتی میت کسی چیز کی مالک نہیں بنتی۔ جو اس کے اپنے پیچھے ملاک ہوں وہ بھی وارثوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور اس کی ملکیت میں کچھ نہیں رہتا۔ جب اموات تملیک کا محل ہی نہیں تو یہ کیڑی کی صاحب مزار کہ تملیک کیسی؟ اور پھر صاحب مزار کی طرف سے اس باہر کے مل کو تملیک کیسی؟ — اصحاب مزارات تو ایسے جہان میں ہیں کہ زودہ مالک بنتے ہیں اور مذکی کو وہ مالک کرتے ہیں

## یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ

اسلام کے قانون وراثت میں بیٹوں کے سوتے یتیم پوتا داد اکا و ارث نہیں ہوتا یہ اس لیے کہ اس کا باپ اپنے باپ کی وفات کے وقت اموات میں تھا۔ میت کسی چیز کی مالک نہیں بنتی سو وہ اپنے باپ کی وفات پر کسی چیز کا مالک نہ بنا۔ جب وہ خود کسی چیز کا مالک نہیں اب وہ اپنے بیٹے کو اپنے باپ کے مال سے کچھ نہیں دے سکتا۔ سو یہ صحیح ہے کہ فوت شدگان کو گودہ اولیاء کبار ہی کیوں نہ ہوں کوئی گنیز تملیک نہیں کی جاسکتی اور وہ میت بھی آگے کسی مجاہد اور زائر کو اس کا مالک نہیں کر سکتی معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں نے کیسے یہ فتوے دیا کہ حضرت احمد کبیر نے مزار سے سیدی عبدالوہاب کو اس کنیز سے حاجت پوری کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

## ⑥ عورتوں کی عرسوں پر حاضری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پیچھے زیارتِ قبور سے روک رکھا تھا اور یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں صنفوں کو شامل تھا۔ بعد میں آپ نے زیارتِ قبور کی اجازت دے دی تھی۔ صحیح مسلم میں حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا :-

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَذُورْهَا ۖ

ترجمہ: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ اب تم قبروں پر جاؤ۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس اجازت میں عورتیں بھی شامل ہوئیں یا ان کے لیے نعمت ہی رہی؟ اس میں علماء کے اقوال دونوں طرف ملتے ہیں۔ لیکن ایک دوسری حدیث میں نہایت کھلے طور پر عورتوں کو زیارتِ قبور سے منع کیا گیا ہے ابھی آپ نے حضرت سید احمد بدوی کے مزار پر ایک لڑکی کو حاضر دیکھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کی قبروں پر بار بار حاضری ہرگز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں خصوصاً جب کہ وہ عام قبروں عرسوں پر بہت ٹھن کر حاضری دیتی ہوں عرسوں کی حاضری تو عام قبروں کی حاضری سے بہت آگے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم زائرات القبور والمتخذين عليها

المساجد والسرج ۖ

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی جو بار بار قبروں پر حاضری دیں اور ان مردوں پر بھی جو مردوں میں مسجدیں بناتے ہیں اور چراغاں کرتے ہیں علامہ عینی اس حدیث پر لکھتے ہیں :-

واحتمج بهذا الحديث قوم فقالوا انما اقتضت الاباحة في زيارة القبور للرجال

دون النساء ۖ

مولانا احمد رضا خاں بھی عورتوں کی قبروں پر ماضی کو یکسر منع کرتے ہیں وہ ان کے لیے اجازت کے قائل نہیں ہیں۔

عورتوں کو مزارات اولیاء اور مقابر عوام دونوں پر جانے کی عمانعت ہے بلکہ ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں :-

جب وہ جانے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور فرشتے اس پلشت کو تے میں اور جب گھر سے چلتی ہے سب طرف سے شیطان اس کو گھیر لیتے ہیں اور جب قبر پر آتی ہے میت کی روح اسے لعنت کرتی ہے اور جب پلشتی ہے اللہ کی لعنت کے ساتھ پھرتی ہے بلکہ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں :-

ولقد كره اكثر العلماء خروجهن الى الصلوات فكيف الى المقابر وما اظن سقوط فرض الجمعة عليهن الا دليلا على امساكهن عن الخروج فباعدا لها  
ترجمہ - اکثر علماء عورتوں کے مسجدوں میں جانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں سو ان کا مقبروں میں جانا کیسے روا ہو سکتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سے مجاہد کی فریفت اس لیے ساقط ہوئی کہ اور مقامات پر ان کا گھر سے نکلنا جائز نہ تھا۔

### ⑧ قبروں کے طواف

پھر قبروں پر کئے جانے والی بدعات میں ایک طواف بھی ہے جو یہ لوگ قبروں کے گرد کرتے ہیں اسلام میں طواف اتمکات اور نماز عبادات میں اور عبادت ربانی ہو یا بدنی یا مالی، ایک الشرب العزت کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر بن کائنات کے لیے کی تھی ان میں طواف بھی ہے، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو مکہ دیا گیا تھا دیکھئے پ ۱۵۰ ع ۵۔  
وعهدنا الى ابراهيم واسماعيل ان طهرا بيتي للطائفين والركع السجود۔

لوطاف حول مسجد سوی الکعبة الشریفة یحقی علیہ الکون

ترجمہ۔ اگر اس نے کعبہ مشرفہ کے سوا کسی اور مسجد کا طواف کیا تو اس پر کفر لڑنے کا اندیشہ ہے۔

اب اس میں بریلویوں کی اس جرأت اور جبارت کو بھی دیکھئے کس بے مددی سے یہ اپنے جاہل

عوام کے دین و ایمان سے کھیلے ہیں۔

و اما صاحب کی مسجد شریف میں ایک نماز باجماعت ہوا کہ نے کا ثواب ستر مقبول حج کئے

کے برابر ہے۔ آپ (سرکار کمالوالی) فرمایا کہ تے مجھے کہ نادار مسلمان کو چاہیے کہ اگر وہ حج

بیت اللہ شریف کے لیے استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ حضرت واما گنج بخش کے مزار اقدس

کا طواف کئے اسے حج کا ثواب حاصل ہو گا۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری روضۃ اقدس پر زیارت البقیۃ صلی اللہ

علیہ وسلم کے آداب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

لا یطوف ای لایہ ود حول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات

الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الانبیاء و الاولیاء و لاعیرۃ بما یفعله

الجمہلۃ ولو کانوا فی صورة المشائخ و العلماء۔

ترجمہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کے گرد طواف نہ کرے۔ یہ اس لیے کہ طواف

مختصات کعبہ میں سے ہے (اور کسی بگڑاوا نہیں) سوا نبی اکرام اور اولیاء عظام کی قبروں

کے گرد طواف کرنا حرام ہے اور جو جاہل لوگ (بریلوی) ایسا کرتے ہیں ان کی بات کا کوئی

اعتبار نہیں۔ یہ جہلا۔ (عوام میں سے ہی نہیں) کبھی مشائخ اور علما کی صورتوں میں بھی

ہوتے ہیں ان کے قلعہ قوروں سے سسند نہلی جاتے۔

معلوم ہوا قبروں پر عروس کے موقع پر جو بڑے بڑے پیر اور کرائے کے مولوی ان بدعات کو سنبھ

جواز دینے کے لیے تقریریں کرتے نظر کرتے ہیں یہ بھی جہلا۔ میں سے ہوتے ہیں۔ ان کی بڑی بڑی پگڑیوں اور

طے معراج الدیاب نے خزینہ کرم ص ۴۴ معبودہ کا ازالہ پیش کرتے شروع مناسک جلد ص ۴

قبروں کو دیکھ کر کہیں انہیں عالم سمجھنے نہ لگ جانا جو قبروں کے گرد طواف کرنے کی اجازت دیتے ہیں وہ علماء اور مشائخ کیسے؟ وہ بریلوی ہیں جو اپنے آپ کو اس جہل میں پیش کرتے ہیں۔

## ⑧ قبر اور دیواروں کو چھونا

قبر اور دیواروں کو چھونا اور بوسہ دینا اگر طواف نہیں لیکن طواف کے دوران رکن یمانی کو چھونے اور حجر اسود کو بوسہ دینے سے مندرجہ مشابہ ہے سو یہ بھی قبروں پر جائز نہیں حضرت اعلیٰ قادریؒ نے قبروں پر کھٹے جانے والے ان اعمال کی بھی نشاندہی کی ہے۔

لَا يَمِيسُ إِلَى الْقَبْرِ وَلَا التَّابُوتِ وَلَا الْحِجَارَ فَوْدَ النَّهْيِ عَنْ مِثْلِ ذَلِكَ بِقَبْرِ ه  
عَلَيْهِ السَّلَامُ فَكَيْفَ يَقْبُورُ سَائِرَ الْأَنَامِ وَلَا يَقْبَلُ فَإِنَّهُ زِيَارَةٌ عَلَى الْمَسْئُورِ أَوَّلًا  
ترجمہ: نہ قبر کو چھونے نہ تابوت کو اور نہ دیوار کو ان جیسے امور کی ممانعت جب حضور علیہ السلام  
کی قبر کے بارے میں وارد ہے تو اور لوگوں کی قبروں پر اس کا حکم کیسا سخت ہوگا اور قبر  
کو دیا دیوار کو بوسہ بھی نہ دے۔ کیونکہ یہ تو چھونے سے آگے کی بات ہے یہ عمل تو  
حجر اسود کے لائق ہے۔

بریلوی جب زندہ لاشرل کے سامنے بین پر گرتے ہیں اور اُسے بوسہ دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے  
ہیں کہ وہ عجدہ نہیں کرتے صرف تعظیم کرتے ہیں تو یہ تعظیم بھی حرام ہے اور مشابہ بہ عبادة الاصنام ہے  
در مختار میں ہے۔

وَكَيْفَ إِمَّا يَفْعَلُونَهُ مِنْ تَقْبِيلِ الْأَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ وَالْعِظَمَاءِ وَهُوَ  
وَالْفَاعِلُ وَالرَّاضِي بِهِ أَمَّا لَئِنْ يَشْبَهُ عِبَادَةَ الْوَقْنِ

ترجمہ: اس طرح جو بزرگوں اور علماء کے آگے زمین کو چومتے ہیں سو یہ حرام ہے ایسا کرنے والا اور ان  
کا عمل پانہلہ رضا کرنے والا دونوں گنہگار ہیں ان کا یہ عمل بت پرستی کے مشابہ ہے

۱۔ شرح مین العلم جلد ۳ ص ۷۰ در مختار جلد ۳

فتاویٰ عالمگیری میں صراحت سے لکھا ہے کہ اس طرح زمین کو چڑھنا مسجد کے قریب قریب ہے۔

و اما تقبیل الارض فهو قریب من السجود ۱؎

ترجمہ۔ اور زمین کو چڑھنا یہ مسجد (تعلیمی) کے قریب قریب ہے۔

شریعت محمدی میں جس طرح بندگوں اور پیروں کو مسجد تعلیمی حرام ہے۔ یہ ان کے استقبال میں زمین کو چڑھنا اور ان کے سامنے زمین پر گر پڑنا بھی حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے ۔

اما فی شریعتنا فلا یجوز لاحد ان یسجد لاحد یوجہ من الوجہ ومن فعل

ذلك فقد كفر ۲؎

ترجمہ۔ ہماری شریعت میں یہ سب گناہ ہیں کہ کوئی انسان کسی دوسرے کو کسی بھی پہلو سے

سجدہ کرے۔ جو ایسا کرے گا سو اس نے خدا کے ساتھ کفر کیا۔

جہاں تک قبروں کا تعلق ہے وہاں صرف وہی کام جائز ہے جو سنت متواتر ہو اور وہ زیارت

قبر اور ان کے لیے کھڑے کھڑے دعا کرنے سے آگے نہیں بڑھتی۔

وبكره عند الصبر مال المعیہ من السنۃ والمعہود منها ليس الا زیارتہ

والدعاء عنده قائماً ۳؎

ترجمہ۔ اور قبر کے پاس ہر وہ کام مکروہ ہے جو سنت سے نہیں چلا آ رہا اور جو چیز سنت سے

ثابت ہے وہ یہی ہے کہ اس قبر کی زیارت کی جائے اور اس کے پاس کھڑے کھڑے

(اس کے لیے) دعا کی جائے۔

کہاں گیا بریلویوں کا وہ مفروضہ کہ منع کی دلیل لاؤ۔ اصل ہر چیز میں اباحت ہے محترم! اشیاء میں

اباحت کو نئے نئے مسائل بنانے کا زینہ نہ بناؤ۔ یہاں ہم اس چیز کے پابند نہیں کہ نیکی اسی کام کو سمجھیں جو

اوپر سے ہم تک نقل ہوا ہو اور پہلوں سے پھیلوں کو ملے اور جو چیز سنت میں مہر و نہیں (صحابہ کے مثل



میں آتی نہیں، اسے ہرگز ہرگز دین نہ بنایا جاسکے گا۔

یہ قبول رکھی جانے والی خرافات ایک عام انسان پر کیا اثر ڈالتی ہیں اور وہ بریلویوں کے اس خود ساختہ دین کا کیا اثر لیتا ہے اسے پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اسلم بیگ کی بیگم کے ان تاثرات میں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت داتا صاحب (حضرت علی ہجویری لاہوریؒ) کے مزار پر جو کچھ ہوتا ہے یہ سب شرک ہے۔ ہمیں لاکھوں روپے کی چادریں چڑھانے کی بجائے ٹنگے بدن لوگوں کو ڈھانپنا چاہیئے۔ لاکھوں روپے کے جس عرق گلاب کو مزار دھوئے پر ضائع کر رہے ہیں وہ رقم ہمیں غریبوں میں بانٹنی چاہیئے۔

جوبہنی یہ خبر سچھی بریلوی مولویوں نے ریڈ ولشین پاس کرنے شروع کر دیئے کہ حکومت پاکستان جنرل مرزا اسلم بیگ کو ملازمت میں توسیع نہ دے کیونکہ اس کی اہلیہ دہا بن ہو گئی ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اڈنبرا (سکاٹ لینڈ) کے میوزیم میں سلطان ٹیپو شہید کی تلوار کو دیکھ کر یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کے دستہ پر ہر جگہ ”یا اللہ“ لکھا ہے ”یا محمد“ کہیں نہیں لکھا، یہ کہہ دیا تھا کہ وہ بھی وہابی تھا۔ خدا کو پکار کر اس نے دیکھ لیا کہ اس کا کیا بنا۔ اگر کہیں تلوار پر ”یا عزت“ لکھتا تو بارہ برس کے اس کے مرے ہوئے سپاہی بھی زندہ ہو کر آجاتے اور اس کی ملک جتنے کیا حضرت پیر صاحب نے بارہ برس کے بچے ہونے پر تیرا کہ نہیں دکھائے۔ استغفر اللہ العظیم

پاکستان میں ان کے مولوی گئے جہاں کہہ سکتے ہیں کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں حضرت داتا صاحب نے بھارتی حملوں کو مدد کیا تھا۔ وہ نہ روکتے تو بھارتی افواج بھارتی فوجوں کو کیسے پیچھے دھکیل سکتی تھیں۔ — افسوس وہ نہیں جانتے کہ میدان جنگ میں کثرتِ وقت فیصلہ نہیں کرتی ایمان اور عزم کی دولت ہے جس سے بارہا قلت نے کثرت پر فتح پائی ہے۔

پھر حجب ان کو کہا جاتا ہے کہ سرکارِ احمدیہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کیوں نہیں سنبھالتے تو اس

کے جواب میں کچھ چھپی بردار ان یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ ہندو بڑا ظالم ہے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہم جواباً کہتے ہیں کہ اور کچھ نہ سہی آپ اللہ رب العزت کو تمام طاقتوں کا مالک سمجھتے ہوئے اور اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتے ہوئے اپنا ایمان تو سچا سچے ہیں یہ کیا کوئی کم کار کر دگی ہے۔ ان حالات میں اپنا ایمان تو سچا لیجئے۔ شرک و بدعت کی دلدل میں کب تک دھنسنے جاو گے؟

### ⑨ قبر پر اذان دینا

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں ایک بدعت بریلویں کی قبر پر اذان بھی ہے۔ بانی مذہب مولانا احمد رضا خاں نے اس پر ایذان الاجر فی اذان القبر کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی نے جہاں سختی میں اسے ثابت کرنے کے لیے صحت سے صدمہ تک اس پر بڑی بحث کی ہے۔ تاہم اس بدعت میں بریلوی علماء عوامی تائید حاصل نہیں کر سکے۔

اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ چند امور ہمہ وقت پیش نظر رہیں:-

① — مسلمانوں کا وقت ہرنا ان کا جنازہ پڑھنا اور دفن ہرنا یہ مسئلہ کوئی ایک آدھ دفعہ کا نہیں۔ مسلم معاشرے میں ایسے واقعات اور حادثات اس کثرت سے پیش آتے ہیں کہ ان کی قدر و ثمرت کسی سہمان سے ادھیل نہیں رہ سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہاں کی زندگی میں سینکڑوں جنازے پڑھائے۔ خلافت راشدہ میں بھی لا تعداد جنازے اٹھے۔ صحابہ کرام نے ہزاروں جنازوں میں شرکت کی۔ قرون ثلاثہ مشہور لہا بائیر میں کبھی کسی جنازے کے موقع پر قبر پر اذان دینے کا واقعہ پیش نہیں آیا اور روایات حدیث میں کوئی ضعیف سے ضعیف اثر تک ایسا نہیں ملتا کہ اس دورِ اقل میں وقت دفن کسی قبر میں یا قبر پر اذان دی گئی ہو۔ اگر ایسا کبھی ہوا ہوتا تو منور وہ اس امت تک نقل ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا کہ اتنا کثیر الوقوع عمل پوری امت سے اس دور میں مخفی رہے اور کسی نے اسے نقل و روایت نہ کیا ہو۔

② — بریلوی علماء اسے کس راہ سے دین بناتے ہیں؟ یہ وہی ان کا مفروضہ ہے کہ اس سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا۔ قرآن و حدیث میں اس پر کہیں منع وارد نہیں۔ لہذا ہم سے اس کا ثبوت نہ



غور فرمائیں یہ دعا آپ نے کن کے لیے کی: ان اہل قبر کے لیے — سودعا کا مفہوم متعین ہو گیا کہ قبرستان میں دعا اہل قبر کے لیے ہے۔ وہاں ان سے اپنے لیے کچھ مانگنا احادیث کی روشنی میں قبول پسند عمل بس یہی ہیں کہ ان کی زیارت ہو اور مرقومین کے لیے دعا ہو۔

قبروں کی زیارت سے قبروں کا وجود پہلے سے ہے۔ ابن ہمامؒ کے اس اصول میں امرات کو دفن کرنے ان پر مٹی ڈالنے اور اس پر پانی چھڑکنے اور قبر بنانے کی ہرگز رکاوٹ نہیں۔ ان امور کے بغیر قبر کیے بنے گی اور اس کی زیارت کیے ہوگی قبر ہوگی تو اس کی زیارت بھی ہوگی اور مدفون کے لیے دعا بھی ہوگی۔ یہ اصول قبر بننے پر کارفرما ہوگا کہ وہاں صرف دو عمل ہوں۔ ایک زیارت اور دوسرا مرقوم کے لیے دعا۔

افسوس کہ مفتی احمد یار خاں صاحب نے ابن ہمامؒ کے اس اصول کو یہ کہہ کر روک دیا ہے۔ اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ منیت کو قبر میں اتارنا تختہ دینا مٹی ڈالنا..... یہ سب ممنوع ہو جائے۔

مفتی صاحب چاہتے ہیں کہ دفن کے بعد جب قبر بن جائے تو پھر وہاں اذان بھی کچی جائے۔ یہ قبر پر اذان نہیں دفن کے وقت کی اذان ہے۔ یہ عجیب فرق ہے جو مفتی صاحب کر رہے ہیں۔ ٹھیک کہتے غرض مند دیوانہ ہر تلبہ ہے۔ صاحب غرض بخون۔

یہ دفن کے وقت کی اذان کیسے ہو گئی؟ دفن کرنے کے بعد اب تو قبر بھی بنا چکے ہیں۔ اب اس قبر پر صرف وہی عمل درست ہوگا جو سنت سے ثابت ہو۔

یہ کہنا کہ امام ابن ہمامؒ کا بیان کردہ اصول ویکرہ عند التبرک کل مال لم یعد من السنۃ تازہ قبول کے بارے میں نہیں پرانی قبروں کے بارے میں ہے ایک بڑا ڈھکوسلا ہے جس کا علم سے کوئی تعلق نہیں۔ قبر قبر ہے خواہ ابھی جی ہو اور یہاں امر معمور وہی ہے جو امام ابن ہمامؒ (۸۱۱ھ) نے بیان فرمایا ہے کہ یہ بس دو ہی عمل ہیں۔

## مولانا احمد رضا خاں کی ابن ہمامؒ کے اصول کے تحت رہنے کی کوشش

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں کہ جب قبر کے پاس دعا جائز ہے تو اذان بھی تو ایک دعا ہی ہے سو اذان کہنے سے انسان اس سنتِ محبوبہ سے نہ نکلے گا اور قبر کے پاس اذان کہنا جائز ہو گا مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:-

اذان خود دعا ہے بلکہ بہترین دعا ہے کہ وہ ذکر الہی ہے اور ہر ذکر الہی دعا۔ تو وہ (دعا) سنتِ ثابتہ کی ایک ذرہ ہوئی۔

دعا عربی میں ہانے اور پکارنے کہتے ہیں۔ اللہ کے حضور جب ہم دعا کرتے ہیں تو اسے پکارتے ہیں۔ اذان میں اگر بلانا ہے تو مسلمانوں کو نہ کہ خدا کو ——— حلی علی الصلوٰۃ کی پکار مسلمانوں کے لیے ہے۔ خدا کو پکارنا اذان میں نہیں ہے۔ ذکر الہی بالواسطہ دعا ہے براہِ راست دعا نہیں ہے۔

اذان کو دعا باین طور تو کہا جاسکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو نماز کی طرف بلا یا جاتا ہے لیکن یہ باین طور دعا نہیں کہ اس میں خدا سے کچھ مانگا جا رہا ہو۔ دعا اذان کے بعد کرتے ہیں اذان کہنے والے بھی اور سنتے والے بھی ——— سو یہ دعا کا مقام اذان کے بعد ہے اور اس کے لیے دعا حدیث میں موجود ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کا اذان کو دعا کہہ کر اذان عند العز ثابت کرنا ایک دھکا زوری کے سوا کچھ نہیں ——— معلوم نہیں ان لوگوں کے نزدیک دین اتنا قیمتی کیوں ہو گیا ہے کہ جو بدعتی چاہے جب چاہے اس پر بدعت کا ہاتھ رکھ دے۔ ہمارا خیال ہے کہ مولانا احمد رضا خاں جب یہ کچی بات لکھ رہے ہوں گے تو ان کا اپنا ضمیر بھی انہیں ضرور علامت کہہ رہا ہو گا یہ اس لیے کہ وہ خود کہہ چکے ہیں:-

اذان ..... یہ تو خالص ذکر بھی نہیں۔

قبر کے پاس دعائیت کے لیے ہے اور یہ اللہ کے حضور ایک طلب اور استمدعا ہے۔ اذان

میں بلافاہی زندہ مسلمانوں کے لیے ہے اور اس میں اللہ کے حضور کوئی طلب اور استدعا نہیں۔ وہ طلب بعد اذان وعلیٰ صورت میں کی جاتی ہے۔

### قبر پر اذان کہنے میں اہل بدعت کا اختلاف

جب یہ بدعت پہلی قرآن بدعت میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دیتے تھے۔ اہل سنت اس وقت بسم اللہ وعلیٰ سنیۃ رسول اللہ کہتے ہیں۔ اہل بدعت پھر اس سے بھی کچھ بدلے اور اذان اس وقت کہنے لگے جب میت دفن ہو جائے اور قبر بن جائے اور وہ یہ سمجھیں کہ اب قبر میں سوال و جواب ہو رہا ہے اور اب اذان سے میت کے دل کو مانوس کرنا مطلوب ہے۔

میت کے لیے اس وقت دعا کرنا تو احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن اس وقت وہاں اذان کہنا یہ کسی روایت سے ثابت نہیں۔

فقہ کی کتاب درالجمار میں دفن کے بعد اذان ایک ہندی رسم بتایا گیا ہے اور اسے بدعت لکھا گیا ہے کہ یہ ہندوستان میں رائج ہوئی تھی۔

معنی میں حضرت عبدالعزیز مسعودی سے ایک روایت ملتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔  
لا یزال المیت یسمع الاذان ما لم یطین۔

ترجمہ میت برابر اذان سنتی رہتی ہے جب تک قبر پر مٹی نہ لپ دی جائے۔

اس میں میت کے اذان سننے کا تو بیان ہے وہ یہ کہ میت قبر مکمل ہونے تک مسلسل اذان سنتی رہتی ہے۔ لیکن اذان دے کون رہا ہے؟ اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے اور ایسی مسلسل اذان کہاں سے آرہی ہے جو قبر میں داخل کرنے سے لے کر اس آخری مرحلے تک برابر جاری رہے۔ کیا اذان اتنی لمبی ہے کہ اس وقت تک وہ جلدی رہے۔ اتنی لمبی تو شیعوں کی اذان بھی نہیں ہوتی۔

تاہم اس روایت سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ قبر مکمل ہونے کے بعد مردہ اذان نہیں سنتا۔ اب اس دور میں جو بریلوی دفن کے بعد اس خیال سے اذان دیتے ہیں کہ مرنے والا ان کلمات سے مانوس ہو۔ ان کا یہ خیال تو یکسر غلط ثابت ہوا۔ مردہ دفن کے بعد اسے سن ہی نہیں رہا۔ اس کی حد اس حدیث

پھر اذان کا آتما لیا ہونا کہ قبر مکمل ہونے تک یہ مسلسل جاری رہے کسی طرح قابل فہم نہیں۔ پھر ایک اذان بمعنی آواز ہو اور اس سے اذان عرفی مراد نہ ہو اور مطلب اس روایت کا یہ ہو کہ میت اس وقت تک لوگوں کی آوازیں بلکہ ان کے چلنے سے جو جوتیوں کی آواز پیدا ہوتی ہے اسے برابر سنتا رہتا ہے جب تک کہ قبر مکمل نہ ہو جائے اور میت کے ایسا سننے سے اٹھدیت حضرات کو بھی انکار نہیں ہے ہفت روزہ الاعتصام کی ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ تازہ دفنائے ہوئے مروجے کو قدموں کی آہٹ سناتا رہے۔

حضرت اٹھدیت نے تازہ دفنائے ہوئے مروجے میں اور پُرانے مروجے میں جو فرق کیا ہے وہ قرآن و حدیث میں تطبیق پیدا کرنے کے لیے کیا ہے۔ پھر تازہ مروجے میں اور باسی مروجے میں کیا فرق ہے اسے یہ اٹھدیت حضرات ہی بہتر بتا سکیں گے۔

### اذان کے مختلف معانی

اذان عربی میں آواز اور اعلان کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس کے ایک معنی اجازت کے بھی ہیں قرآن کریم میں ایک مؤذن کی اذان یہ بتائی گئی ہے۔

ثم اذن مؤذن ایتھا العیر انکم لسا قون۔ (پ: یوسف ع ۹)

ترجمہ۔ پھر مؤذن نے آواز دی اے قافلہ والو تم تو البتہ چور ہو۔

ایک اور مقام پر فرمایا:-

واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یم الحجۃ الاکبر۔ (پ: توبہ ع ۱)

ترجمہ۔ اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو حج اکبر کے دن۔

سو یہاں اس روایت میں بھی (اگر یہ سننا کہیں ثابت ہو) اذان سے مراد آواز ہے اذان

عرفی مراد ہوتی تو صحابہ کے عہد میں کہیں تو کسی قبر پر اذان دی گئی ہوتی جب ایسا نہیں تو یقیناً یہ کسی مدرسے کے معنی

میں ہے۔ ہاں اگر اذان عرفی ہی مراد لیتی ہے تو یہ ان اذانوں کا سننا ہے جو اس علاقے کی مساجد میں ہو رہی ہوں یہ نہیں کہ وہ اذان اس قبرستان میں ہی ہو رہی ہو۔

## مولانا احمد رضا خاں کا ایک اور اجتہاد

مولانا احمد رضا خاں کا چودہویں صدی کا ایک اور اجتہاد سنئے۔ آپ فرماتے ہیں :-  
قبر میں جب فرشتے آکر سوال کرتے ہیں تو شیطان بھی وہاں جا کر کھڑا ہوتا ہے۔ اب شیطان کو ٹہانے کے لیے اذان سے بہتر اور کوئی راہ نہیں۔ اس سوال بخیرین کے وقت باہر سے اذان کہتی مستحب ہے۔ (مختصا)

شیطان کی کارکردگی صرف اسی دنیا تک ہے مرنے پر انسان عالم تکلیفی سے نکل جاتا ہے وہ جہاں اور ہے۔ اب اس قبر میں شیطان کی تلبیس مزاج شرع سے لگا نہیں کھاتی۔ پھر اگر شیطان کو دُور ٹہانے کی یہی راہ ہے تو حضرات صحابہ کرامؓ تابعین عظام اور مجتہدین کرام نے یہ راہ کیوں اختیار نہ کی۔ شریعت کے مسائل ایسے قیاسات و اہیہ سے تو ثابت نہیں ہوتے کہ شیطان کو بھگانے کے لیے قبرستان میں اذان شروع کر دو۔

سہ ستر خدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت

در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

خان صاحب کے اس چودہویں صدی کے اجتہاد پر لازم آئے گا کہ جہاں جہاں شیطان مسلمانوں کے پاس پہنچتا ہو وہیں وہیں اذانیں شروع کر دی جائیں۔ لیجئے بریلوی حضرات یہاں بھی اس اصول پر چلیں اور وسیع پیمانے پر ان بدعات کا بھی آغاز کریں:-

① جب یومی کے پاس جائیں اور اللہ تعالیٰ سے جنتنا الشیطان (اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا) کی دعا کریں تو وہاں بھی کسی کو اذان دینے کے لیے کھڑا کر لیا کریں۔ کیونکہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے۔ آپ اپنا کام کریں اور مؤذن اپنا کام کرے تا شیطان وہاں نہ رہے۔



(۲) قضاء حاجت کے وقت بھی شیطان آپکٹتا ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان هذه الحشوش محتضرة.

ترجمہ۔ ان مقامات پر شیطان حاضر باش رہتے ہیں۔

یہاں بھی بریلی حضرت کو کچھ اذانوں کا انتظام کرنا چاہیے۔ یہ انتظام بیت الخلا میں کریں تاکہ شیطان بھاگ جائیں۔ ہر بیت الخلا میں کسی نہ کسی مؤذن کا انتظام ہو۔

(۳) گھروں میں ساری ساری رات اذانوں کا انتظام کریں تاکہ وہاں شیطان کسی کو خراب میں آلودہ نہ کر سکے۔ واللہ من الشیطان سے بچنے کی یہی راہ ہے۔

(۴) کاروبار کی منڈیوں میں شیاطین اس تیزی اور بارہکی میں گھومتے ہیں کہ وہ خطوط زمین پر بشر بقاع الارض بنے ہوتے ہیں۔ سود باز اوروں اور منڈیوں میں مؤذن مقرر کرنے چاہئیں۔

آپ غور فرمائیں کیا اس قسم کے دلائل پر شریعت کی عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے؟ ہمارا دین اور ہماری فقہ کیا پہلے سے کتابوں میں مدون نہیں؟ بریلی حضرت وہاں سے دین کو کیوں نہیں لاتے مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب پر چلنا یہ کیسے سب سے بڑا فرض ہو گیا؟ خان صاحب جیسے دو چار اور مجتہد اس دور میں پیدا ہو جاتے تو دین کا جو تھوڑا بہت نقص اب سامنے ہے یہ بھی کہیں باقی نہ رہتا۔

### قبر پر اذان کا یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے؟

یوں تو یہ صحیح ہے کہ قبر پر اذان کا یہ سلسلہ غیر القرون میں کہیں نہ تھا۔ اسلام کی پہلی سات صدیوں میں یہ اذان کہیں نہ گئی گئی تھی۔ البتہ آٹھویں صدی کے علامہ ابن حجرؒ (۹۷۳ھ) نے اپنے فتاویٰ میں اسے بدعت لکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صدی میں یہ بدعت رائج ہو چکی تھی۔

علامہ شامیؒ (۱۲۵۳ھ) اپنے ہاں اسے میت کو قبر میں داخل کرنے کے وقت کا ایک عمل

بتاتے ہیں جو ان کے ہاں اس وقت رائج تھا۔ آپ امام ابن ہمام کے بیان کردہ اصول ذکر قبروں پر نیا بات کے لیے جاؤ یا دعا کے لیے اور کسی کام کے لیے نہیں، کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وفي الاقتصار على ما ذكر من الوارد اشارة الى انه لا يسن الاذان عند ادخال الميت في قبره كما هو معتاد الآن وقد صرح ابن حجر في فتاواه بانّه بدعة.

ترجمہ: قبروں پر جو کام شریعت میں وارد ہوئے انہی پر اقتصار کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں داخل کرتے وقت جو اذان دی جاتی ہے یہ اوپر سے کہیں منتقل نہیں اور علامہ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے (شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے)۔

فتح القدیر کی یہ عبارت کہ قبر پر جو عمل سنت سے ثابت نہیں وہ مکروہ ہے بتاتی ہے کہ یہاں سنت کے بعد متحب یا مباح درجے کا کوئی عمل نہیں ہے۔ ورنہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام (۷۸۶ھ) اسے مکروہ علی الاطلاق نہ کہتے علامہ شامی کا فتح القدیر کی اس عبارت پر یہ ارشاد کہ اس میں اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا جیسا کہ آج کل رائج ہو چکا ہے ہرگز مسنون نہیں۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قبر پر اذان دینا مطلقاً مکروہ ہے مسنون نہ ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شاید متحب یا مباح کی راہ کھلی ہو۔ قبرستان میں اگر اذان جائز ہوتی تو خود نماز جنازہ کے لیے اذان کیوں نہ ہوتی۔

لا یسن الاذان عند ادخال الميت فی قبره — میں استحباب اور اباحت ہر ایک کی نفی ہے سنت کے سوا یہاں پر عمل جو بھی اس کے نیچے تصور کیا جاسکتا ہے مکروہ ہے۔

سومتن در غمخار کی یہ عبارت لا یسن لعنہا (کہ فرض نمازوں کے سوا اذان کہیں مسنون نہیں)، فتح القدیر کی اس عبارت کی روشنی میں پڑھی جائے گی کہ اذان جہاں سنت میں منتقل نہیں۔ وہاں اذان دینا مکروہ ہے۔ سوا اذان علی القبر کا کوئی حجاز نہیں۔

علامہ طحاوی نے شرح در مختار میں علامہ ابن نجیمؒ (۹۱۹ھ) سے ان مقامات کی ایک فہرست نقل کی ہے جہاں اذان دینا مسنون نہیں (مکروہ ہے) اور وہ یہ ہے:-

الوتر والمجنّاة والكوف والاستسقاء والتراویح والسنن والرواتب<sup>۱</sup>  
ترجمہ: وتر کے لیے (جب وہ رات کے پچھلے پہر پڑھے جائیں) جنازہ کے لیے چاند گرہن  
کے موقع پر۔ بارش طبعی کی دعائیں، تراویح میں اور سنن رواتب میں اذان ہرگز مسنون  
نہیں (مکروہ ہے)۔

نماز جنازہ کے وقت اذان ہو یا قبر میں اتار تے وقت یا دفن کرنے کے بعد جنازہ کے لیے کسی موقع  
پر اذان دینا جائز نہیں علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ قبر پر جو عمل سنت سے ثابت نہیں وہ وہاں مکروہ  
ہے ہاں مولویوں کو اپنی اہمیت بتلائی پیش نظر ہو تو یہ امر دیکھ کر ہے۔  
علامہ طحاویؒ لکھتے ہیں:-

وفي فتح القدیر مكره عند التبركل ما لم يجهد من السنة والمعهود منها  
ليس الا زيارتهما والدعاء عندهما كما كان يفعل صلى الله عليه وسلم  
في الخروج الى البقيع<sup>۲</sup>

ترجمہ: حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں قبر کے پاس ہر وہ عمل مکروہ (قریب بہ حرام) ہے  
جو سنت سے منقول نہ ہو اور منقول صرف زیارت ہے اور وہیں کھڑے کھڑے  
دعا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں کیا کرتے تھے۔

### مولویوں کے لیے ایک اور کام پیدا کرنے کی نیکی

بریلوی علماء اپنے مقلدوں میں ایک یہ تاثر بھی دیتے ہیں کہ ایسے وقت میں جب لوگ علماء سے  
تقریباً فارغ ہوتے جا رہے ہیں اور سوائے نکاح اور جنازہ کے یا مسجد کی اذان اور امامت کے ان کی

ضرورت اور کہیں نہیں سمجھی جاتی تو اگر قبر پر اذان دینے اور ختموں وغیرہ کو بھی اسلام میں جگہ دینے کی یہ کوشش کی جائے تو اس اذان عند القبر سے عام لوگوں کی ہنگاموں میں مولویوں کے لیے ایک اور ضرورت پیدا ہو جائے گی جسے اس وقت کے صدر میں کوئی نظر انداز نہ کر سکے گا۔ سو یہ حلقہ علماء سے ایک نیک ہے اور ان کی اس موقع پر ضرورت ثابت کرتے ہوئے ان مؤذنین کے لیے ایک طے انداز ہے اور کمان ایک دوسرے کی جس طرح بھی بن پڑے مدد کریں گے اور میت سامنے ہوگی تو کوئی مسلمان اس اذان عند القبر کا انکار نہ کر سکے گا۔

اس وقت اس مسئلہ کی اور تفصیل کی گنجائش نہیں۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے اسان انشور کے نام سے مولانا احمد رضا خاں کے رسالہ ایذان الاہر فی صلوة القبر کا نہایت مفصل اور مدلل جواب لکھا ہے اسے دیکھ لیا جائے۔ دونوں کا تقابلی مطالعہ کرنے سے دونوں کی علمی حیثیت آپ کے سامنے آجائے گی اور آپ معلوم کر لیں گے کہ عظیم فرقت بس اپنے حلقے کے ہی المیخفت ہیں۔

### ① قبروں کو پکا بنانا اور وہاں کھانے لے جانا

پختہ عمارتیں اور کھانے پینے کی محفلیں اس زندگی کا نشان ہیں لیکن قبر فناء کا نشان ہے سو انہیں کچتہ کرنا فطرت کے خلاف ہو گا یہ فنا میں بقا کے اشارہ پیدا کرنا ہے۔ دین فطرت اجازت نہیں دیتا کہ فنا پر بقا کے نشان قائم کیے جائیں اور قبروں اور مقبروں کو زندوں کی عمارات کی سماج و صحیح دہی جائے قبروں پر پختہ بنانا بھی روا نہیں۔ ہاں چھت پہلے سے ہو اور اس کے نیچے قبر بنے یہ امر دیگر ہے۔ یہ بنا علی القبر نہیں قبر فی البناء ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں :-

ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یحبص القبر وان یقعد علیہ و

ان یبنی علیہ بلہ

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمایا کہ قبر چوڑا لگا کر پختہ کی جائے اس پر بیٹھ

جائیں اور یہ کہ اس پر چھت بنائی جائے۔

امام الائمہ امام محمد (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں :-

ولا نرى ان يناد على ما خرج منه ونكره ان يخصص او يطين ..... ان

النبي في عن طريق القبور وتخصيصها قال محمد به فاحذوه و هو قول

ابي حنيفة ۳؎

مذہب ہم صحیح نہیں سمجھتے کہ زمین سے جو کچھ نکلا اس سے زیادہ قبر پر ڈالا جائے اور ہم

مکروہہ جانتے ہیں کہ اس پر پتھر کیا جائے یا لپائی کی جائے جھنڈے سے

چوکن کرنے سے بھی منع کیا اور چونا لگانے سے بھی اور یہی ہمارا فیصلہ ہے۔  
کھانے قبروں پر لے جانے

یہاں کے کھانے یہاں کے دندوں کے لیے ہیں اگلے جہان کے کھانے یہاں کے لیے نہیں

وہ عہدی نوع کے ہیں ان کا فضلہ نہیں بنتا یہاں کی قبروں پر یہاں کے کھانے پینے کی چیزیں لے جانا

اس کی کسی طرح دین فطرت سے مناسبت نہیں مولانا احمد رضا خاں کے جنازہ کے ساتھ ان کے

پیر و جو دودھ لے گئے تھے اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ دودھ کہاں گیا۔ یہ بات بھی جائز نہیں

سمجھی جاسکتی کہ قبر میں ہی کسی کو نے میں رکھ دیا ہو گا۔ قبر پر چشکا ہو یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

وصایا شریف کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں :-

ایک صاحب بوقت دفن بلا اطلاع دودھ برف خانہ ساز لے آئے بلکہ

اس سے یہ تو پتہ چلا کہ دفن کے وقت یہ دودھ کا برف لایا گیا لیکن یہ پتہ نہیں ملا کہ

وہ دودھ کہاں گیا۔ قبر کے کسی کو نے میں رکھا گیا حضرت کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا۔ اس واقعہ کو

ساتھ سال سے اوپر ہو رہے ہیں مگر اب تک ہمیں اس کا پتہ نہیں دیا گیا۔

مولانا احمد رضا خاں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ یہ کھانے ہفتہ میں ایک دو بار

بھیج دیا کریں۔ یہ ایصالِ ثواب کی تجویز نہیں ہو سکتی ان کھانوں کے بھیجنے کی تلقین ہے۔ دے دیا شریف میں ہے کہ آپ نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے عمدہ اور لذیذ کھاؤں کی یہ فہرست مرتب فرمائی اور کہا :-

اعزہ سے اگر لطیف خاطر ممکن ہو تو فاتحہ ہفتہ میں دو مین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔

فوت شدگان کو ثواب تو بھیجا جاسکتا ہے یہ چیزیں کیسے بھیجی جاسکتی ہیں کفن بھیجنے کی ایک ترکیب مولانا احمد رضا خاں نے یہ تجویز کی :-

ایک بی بی نے مرنے کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرا کفن ایسا خواب ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں جاتے شرم آتی ہے۔ پرسوں فلاں شخص نے والا ہے اس کے کفن میں اچھے کپڑے کا کفن رکھ دینا۔ صبح کو صاحبزادہ نے اٹھ کر اس شخص کو دریافت کیا معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے اور کوئی مرض نہیں تیسرے روز خبر ملی کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ لڑکے کو دینا عمدہ کفن سلا کر اس کے کفن میں رکھ دیا اور کہا کہ یہ میری ماں کو پہنچا دینا۔ رات کو وہ صالحہ خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا خدا تمہیں جزائے خیر فرے تم نے بہت اچھا کفن بھیجا۔ (مطبوعات مولانا احمد رضا خاں جلد ۱ ص ۱۹)

چیزیں بھیجنے کا یہ عمل ان چیزوں کو ضائع کرنا ہے۔ کیا اس سے بہتر یہ نہیں تھا کہ کسی مسکین کو اس کے کپڑے بنا دیئے جاتے۔

مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ جو دودھ کا برف خانہ ساز بھیجا گیا تھا اسے پڑھ کر ہمارے برما کے ایک دوست نے ہمیں ایک اطلاع دی کہ یہ بدعت بریلویوں کی اپنی بنائی نہیں بلکہ

یہ عمل صدیوں سے چینیوں میں چلا آ رہا ہے بریلویوں نے یہ عمل چینیوں سے لیا ہے ہمارے وہ دوست ایک خط میں لکھتے ہیں :

ہم نے بذاتِ خود چینیوں کے کئی جنازے دیکھے ہیں برما میں چینی قوم ایک بڑی تعداد میں آباد ہے اُن کے جب کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو تین دن آنے جانے والوں کی ضیافت ہوتی ہے تیسرے دن میت کو قبرستان میں لے جاتے ہیں اور مرنے والے کی مرغوب غذاؤں کی ایک لمبی قطار جنازہ کے پیچھے پیچھے بھیجی جاتی ہے یہ چیزیں قبرستان تک میت کے ساتھ ساتھ جاتی ہیں اور وہاں رکھ دی جاتی ہیں ... الخ

یہیں سے بریلویوں کے تیجے کا مسئلہ بھی سمجھ میں آگیا علامہ البیرونی نے کتاب الهند میں تیجے کو ہندوؤں کی ایک مذہبی رسم قرار دیا ہے لیکن ہمیں برما کے اس واقعہ حال دوست نے بتایا کہ ہندوستان میں بھی یہ رسم چینیوں سے گئی ہوگی۔ یہ بات ہمیں ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی کہ مولانا احمد رضا خاں کا چینیوں سے کیا تعلق تھا جو اُن کے تیجے کے عمدہ کھانوں پر انھوں نے برصغیر پاک و ہند میں اپنے پیروؤں کو ایک لمبی فرسٹ کے اعلیٰ اور عمدہ کھانوں پر جمع کر دیا۔ چینی تو سانپ بھی کھاتے ہیں تو کیا بریلوی بھی سانپ کھانے پر آجائیں گے

## ⑪ قبروں پر سجادہ نشین اور مجاوروں کے ڈیرے

قبروں کے پکارنے نے معاشرے میں خاندانی سجادہ نشینوں کا ایک طبقہ لا بھایا، صاحبزادگان نے عموماً ان کی رونقوں سے پورا فائدہ اٹھایا اور مجاوروں نے اپنے خفیہ کاروبار چلائے۔ علماء حق نے اگر کہیں ان بدعات سے روکا تو بریلوی علماء نے ان سجادہ نشینوں اور مجاوروں کو پورا تحفظ دیا۔ جب تک پولیس نہ آئے وہاں ہر طرح کے جرائم کو پناہ مل جاتی ہے اور عام بریلوی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ضرور ہے جس کے سامنے میں گنہگاروں کی پردہ پوشی ہوتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے تو ان سب کو خفیہ لوگ کہہ کر اپنی ذمہ داری پوری کر دی لیکن بریلوی علماء کبھی ان عرسوں پر ہونے والی کاروائیوں کے خلاف زبان نہیں کھولتے اور وہ کھولیں بھی کیوں کہ مجاوروں نے انہیں بولا کہ

عرسوں میں تقریریں کرنا اور ان کی جمعیں گرنا کران کے نگلے پر علوے کا سیمٹ لگا رکھا ہے۔

## ⑫ مزاروں پر غلط قسم کا کاروبار

بزرگوں کے مزاروں پر کیا کچھ ہوتا ہے اسے آپ مولانا احمد رضا خاں کے حوالے سے ملاحظہ کر چکے۔ حضرت احمد بدوی کے مزار سے حضرت سیدی عبدالوہاب کو جو آواز آئی تھی کہ اس کینز کو فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کر دے اسے بھی آپ نے ملفوظات کے حوالہ سے سن لیا۔ اب یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ حجروں کی یہ آوازیں ابھی تک باقی ہیں اور بہت سی قبروں پر یہ کاروبار جاری ہے۔

## ایک صحافی جو بھیس بدل کر ایک دربار پر رہا

ان عرسوں پر عورتوں کی حاضری کے جو مفاسد سامنے آئے ہیں کیا آپ نے کبھی ان پر غور کیا۔ ایک صحافی حضرت علی ہجویری کے مزار پر بھیس بدل کر گیا اس نے وہاں کیا دیکھا؟

روزنامہ پاکستان کا فیچر راتر انور جاوید ڈوگر نے فقیر اور پیر کے روپ میں لاہور میں داتا دربار پر سات روز گزارے اور انہوں نے وہاں بھی اضافی کمروں کی یہی حد سے بازگشت سنی، انہیں بتایا گیا تھا کہ داتا دربار پر گھومنے والی لڑکیوں کو اگر کوئی نوٹوں کا لٹافہ پکڑا دے تو وہ اس دل کھوٹے کو فوراً سمجھ جاتی ہیں۔ ڈوگر صاحب نے یہی کیا اور ایک رقم ایک لڑکی کا ہاتھ میں تھام دی اُس نے کیا کیا اُسے آپ روزنامہ پاکستان کے سنڈے ایڈیشن میں بہ عنوان ”ہم بنے داتا کے ملنگ“ خود پڑھ لیں ۲۹ اگست کے سنڈے پاکستان کے منظر پر دوسری تیسری سرنجی یہ ہے۔

”اب بتائیے کہاں چلنا ہے؟ آپ کے پاس جگہ ہے یا میں کسی کمرے کی چابی حاصل کروں۔“ وہ رقم پکڑ کر بولی، میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس لمحے میں



ضمیر کا مجرم بنا کھڑا تھا۔

آپ نے دیکھا مولانا احمد رضا خاں کے ذکر کردہ حجرے کی یاد داتا کے منگ کو کس مقام پر لے آئی اس میں اس لڑکی کی یہ بات کہ کیا میں کسی کمرے کی چابی حاصل کروں بتاتی ہے کہ کمروں کی یہ چابیاں ان لڑکیوں کے پاس نہیں ہوتیں جو خادم ان کمروں کے انچارج ہوتے ہیں لڑکیوں کو چابی وہ دیتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کے مذکورہ الفاظ کہ فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو بھی لائق شرم ہیں اور داتا دربار کی اس زائرہ کے الفاظ کہ میں کس کمرے کی چابی حاصل کروں اور زیادہ لائق شرم ہیں اور یہ سب کھیل مذہب کے مقدس پردہ کے پیچھے کھیلنا جا رہا ہے۔

پادھر بیچنے والے بھی ان عقوں میں بہت طیس گئے اور کئی چور اور ڈاکو اور چھپے قاتل ان مددگاروں میں مولانا علی کے تنگ بیٹھے کسی گھسانے کا دوبارہیں مصروف نظر آئیں گے اور جو ان پر ذرا انگلی اٹھاتے اس پر علی الغور دہائی ہونے کا فتوے لگ جائے گا۔

### ⑬ مرید عورتیں پیروں کی باندیاں

مرید عورتوں کا پیر سے رشتہ کتنا مختصانہ اور گہرا کیوں نہ ہو اس پر شریعت کی پوری گرفت قائم رہنی ضروری ہے۔ طریقت شریعت کے متوازی کوئی دوسری راہ نہیں اس کے ماتحت ہے شریعت میں پیر سے پردہ واجب ہے۔ یہاں مرید عورت باندی کے درجے میں نہیں ہے کہ پیر ان پر قرآن کا یہ حکم جاری کرے۔

والذین هم لفردوہم حافظون الا علی اذا جہدوا مملکت ایمانہم فافہم

غیر ملومین۔ (۱/۱۱۱ المومنون ۶)

ترجمہ۔ وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہاں یہ حکم بیویوں اور باندیوں کے بارے میں نہیں ہے۔ ان کے بارے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ بریلوی علماء ان مرید خواتین کو پیروں کی بانڈیاں قرار دیتے ہیں۔

### مولانا احمد رضا خاں کے زنا ن خانہ میں پیر صاحب کی اچانک آمد

عام طور پر پیر صاحبان کی ایسی آمد کا کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کب زنا ن خانہ میں داخل ہوئے لیکن کبھی چل بھی جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک سید صاحب غلطی سے مولانا احمد رضا خاں کے زنا ن خانہ میں چلے گئے۔ سید صاحب نے جب معذرت کی تو مولانا احمد رضا خاں نے فرمایا مریدوں کی یہ عورتیں سب پیروں کی بانڈیاں ہیں۔ اہلی حضرت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں :-

حضرت یہ سب آپ کی بانڈیاں ہیں۔ آپ آقا (مالک) اور آقا زادے ہیں معذرت کی کیا حاجت ہے میں خوب سمجھتا ہوں حضرت اطمینان سے تشریف رکھیں بلے

مریدوں کی بیویاں شرعاً بانڈیاں نہیں ہوتیں نہ ان سے باندی والے معاملات جائز ہیں افسوس قوم کی وہ بیٹیاں جنہیں ان کی ماؤں نے آزاد جٹا تھا مولانا احمد رضا خاں نے ایک فتوے کی جست میں انہیں بانڈیاں بنا دیا اور اپنے گھر پیروں کے لیے کھول دیئے۔

## ۱۳ جنازہ دیکھتے کھڑے ہو جانا

بریلوی اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ کسی بزرگ کا جنازہ نکلے تو عوام کا فرض ہے کہ اسے دیکھتے کھڑے ہو جائیں۔ اُن کے ہاں جب زندہ بزرگوں کے لیے قیامِ تعظیمی کیا جاتا ہے تو اُن کے جنازے کے لیے قیامِ تعظیمی کیوں نہ کیا جائے اپنے اس موقف کی تائید میں بریلوی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سار یتیم الجنازہ فقوموا فمن تبعها فلا یقعدن حتی توضع ہ جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۳۴  
(ترجمہ) جب تم کسی جنازہ کو آتے دیکھو تو دیکھتے کھڑے ہو جاؤ جو اس کے پیچھے چلے وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک (چارپائی) زمین پر نہ رکھ دی جائے  
فقال ابو عیسیٰ حدیث ابی سعید فی هذا الباب حدیث حسن صحیح وهو قول احمد واسحاق قال من تبع الجنازہ فلا یقعد حتی توضع عن اعناق الرجال  
یہ امام احمد اور امام اسحاق کا مسلک ہے۔

ہم اس مسئلہ میں امام احمد اور امام اسحاق کے مسلک پر نہیں ہیں کاش بریلویوں نے اس مسئلہ میں بھی حنفی مذہب بھی معلوم کیا ہوتا۔ حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) کے موطا میں اس پر ایک مستقل باب ہے۔ باب القیام للجنازہ اور اس میں یہ حدیث روایت کی ہے۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقوم للجنازہ ثم یجلس بعد قال محمد وبهذا ناخذ لا نری القیام للجنازہ کان هذا شیاء فترك وهو قول ابی حنیفہ ہ (موطا امام محمد ص ۱۶۸)

(ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے لیے کھڑے ہو جاتے پھر اس کے بعد بیٹھ جاتے (امام) محمد کہتے ہیں میں ہمارا موقف ہے ہم جنازہ کے لیے کھڑے ہونے کا نہیں کہتے ایسا کچھ وقت کے لیے تھا پھر اُسے چھوڑ دیا گیا اور نبی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

امام ترمذیؒ حضرت علیؓ کی اس حدیث کا حاصل ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

ومعنی قول علی قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنازہ ثم قعد یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقوم اذا رای الجنازة ثم ترک ذلك بعد فکان لا یقوم اذا رای الجنازة له

(ترجمہ) حضرت علیؓ کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے پھر بیٹھ جاتے اس کا معنی یہی ہے کہ ایسا پہلے ہوتا تھا پھر آپ نے اسے چھوڑ دیا پھر آپ جنازہ دیکھتے کھڑا نہ ہوا کرتے تھے۔

پھر یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ یہ کھڑا ہونا کسی مسلمان کے لیے اعظما ہوتا تھا یا کفار کا جنازہ بھی ہو تو یہ کھڑا ہونا بطور اظہار افسوس ہو سکتا تھا۔

ان للموت فزعاً فاذا رايتم جنازة فقوموا۔<sup>۱</sup>

ترجمہ موت پر ایک گھبراہٹ ہے موجب تم کوئی جنازہ دیکھو تو ٹھہر جایا کرو صحیح بخاری میں حضرت جابر سے مروی ہے۔

مُرَبَّنَا جِنَازَةً فَقَامَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَمْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهَا جِنَازَةٌ يَهُودِي قَالَ فَإِذَا رَأَيْتُمُ الْجِنَازَةَ فَقُومُوا<sup>۲</sup>

حضرت سہل بن خلیف کہتے ہیں آپ نے فرمایا ایست نفسار کیا وہ یہودی جان میں ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو کی ایک روایت میں ہے انما قمنا اعظماً للذی یقبض ہم حیران ہیں کہ جنازہ کے اس قیام سے بریلویوں نے یہ بات کہاں سے نکال لی کہ یہ عمل بزرگوں کے جنازہ کے لیے ہے اور پھر اس سے یہ لوگ تعظیمی قیام ثابت کرنے لگے ہیں۔

۱۔ جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۲۱ صحیح ابن حبان جلد ۳ ص ۲۳ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵۸ ص ۱۵۹ صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۲۴

## قبروں پر چراغاں کرنا

بریلویوں نے یہ غلط عتیدہ اختیار کر رکھا ہے کہ قبروں پر جو چراغ جلائے جاتے ہیں انکی روشنی قبر کے اندر پہنچتی ہے اور سینکڑوں جہلا ایسے گزرے جو ان مزارات پر تیل کی نڈریں مانستے رہے کبھی ان مجاوروں سے پوچھو جو اس تیل کو جمع کرتے رہے ہیں اور ہر ماہ اسے بیچ کر اچھی خاصی رقم حاصل کرتے ہیں اور جو شریف آدمی ان مزاروں پر تیل چڑھانے سے روکے اسے بزرگوں کا گستاخ سمجھتے ہیں۔

بزرگان دین کی قبریں ان کے نور ایمان سے روشن ہیں انہیں باہر کے چراغوں کی ضرورت نہیں۔ باہر اگر روشنی کی جائے تو یہ صرف زائرین کی مدد کے لیے ہو سکتی ہے صاحب مزار کی مدد کے لیے نہیں وہ اس باہر کی روشنی سے مستغنی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں :-

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم ذائرات القبور والمتخذين عليهما المساجد

والسرج ۱۰

ترجمہ حضور اکرمؐ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو بار بار قبروں پر جاتیں اور ان مردوں پر جو وہاں جا کر نمازیں پڑھیں کہ ان نمازوں سے انہیں سکون ملتا ہے اور وہاں چراغاں کریں۔

## ⑥ ایصالِ ثواب میں پیدا کی گئی بدعت

ایصالِ ثواب برحق ہے۔ زندوں کے نیک اعمال کا ثواب فوت شدگان کو پہنچتا ہے بشرطیکہ  
۱۔ اس دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوئے ہوں۔ ۲۔ زندوں نے وہ عمل اخلاص سے کیے ہوں۔ ۳۔  
اس عمل میں انفاق مال ہو تو وہ مال حلال ہو۔ عمل وجود میں آئے تو پھر اس کا ایصال ہو۔

پہلی شرط کہ غیر مومن کو کوئی نیک عمل ایصال نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صرف اللہ کے علم میں ہے  
کہ کسی کا ایمان پر خاتمہ ہوا یا نہیں۔ اس لیے ہم اس پر سر دست کچھ نہیں کہتے۔

دوسری شرط یہ کہ زندوں نے وہ عمل اخلاص سے کیا ہو اس میں رضائے الہی مطلوب ہو اُجرت  
لینا پیش نظر نہ ہو اسے بریلویوں کی عملی حلقوں میں دیکھیں کیا طالب علموں کی پارٹیاں مدارس اور  
مساجد سے قرآن خوانی کے لیے نہیں بھیجی جاتیں اور ان طلبہ کی اس پر مالی خدمت نہیں کی جاتی اور  
کیا کئی لوگ ان مجلسوں میں صرف کھانے کے لیے ہی نہیں آتے۔ اب خود اندازہ کریں کہ ان کے اس عمل  
میں اخلاص اور رضاء الہی کی طلب کہاں تک ہوتی ہوگی۔

تیسری شرط کھ ایصالِ ثواب میں انفاق مال، مال حلال سے ہو اس شرط پر کہاں تک عمل ہوتا  
ہے اسے نتیجے دسویں اور چالیسویں کے موقع پر دیکھیں کہ ہر حرم کا مال ابھی وراثت میں نہیں آیا اس  
کے کسن یتیم بچے اذن دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں مگر بریلوی مولویوں کے تقاضے پورے کرنے کے  
لیے ختم کی تمام اشیاء اس ایک بیوہ اور یتیموں کے مال سے آ رہی ہیں۔ کیا یہ مال حلال پر ایصالِ ثواب  
ہو رہا ہے۔

چوتھی شرط کو دیکھئے کہ کھانا ابھی کسی مسکین و محتاج کے منہ سے نہیں اترتا ابھی وہ مولوی صاحب  
کے سامنے دھرا ہے۔ یہ نیک عمل کہ کوئی مستحق اسے کھائے ابھی وجود میں نہیں آیا ختم پڑھ کر اس عمل کا  
ایصالِ ثواب کیا جا رہا ہے جو ابھی سرے سے واقع نہیں ہوا۔ کھانا کھلا کر دعا ہوتی تو بے شک ایک عمل  
کا ایصالِ ثواب تھا لیکن اب یہ ختم ایک ڈرامہ بازی کے سوا اور کیا درجہ رکھتا ہے اسے آپ سوجھیں

یہ ختم قبل از ختم کیسا؟ کھانا بھی وہیں دھرا ہے اور پورے مجمع میں آواز لگا دی جاتی ہے ”ختم ہو گیا“ اتنا تو بے شک ختم ہو گیا جو مولوی صاحب کے برتنوں میں ڈال دیا گیا لیکن باقی تو وہیں دھرا ہے کسی مسکین کے گھر سے ایک لقمہ نہیں اُترا اگر مولوی صاحب کا اعلان سُنئے ”ختم ہو گیا“ اور حیرت کا سر دھنیے۔

ایصالِ ثواب کا نام شرعی الفاظ میں تھا اسے یہ ختم کا نام کیوں دیا گیا تاکہ انسانوں کا شعور اسی اسی میں کھو جائے کہ یہ ختم سے پہلے ختم کیسا۔ اسے اگر کوئی اور نام دیا جاسکتا ہے تو یہ کہ اہل میت کے ہاں دعوتیں کیسے اڑانی جائیں اسے ہم آگے بیان کریں گے۔ یہاں آپ ان چند بدعات کا بھی مطالعہ فرمالیں۔

## ① ایصالِ ثواب کے لیے تاریخوں کا تعین

کسی تاریخ کا تعین برائے انتظام یہ عمل ہرگز عملِ اعتراض نہیں کسی تاریخ کو کسی کام کے لیے باعثِ فضیلت سمجھنا یہ اپنی طرف سے دین میں اضافہ کرنا ہے۔ عید کے دن کو باقی دنوں پر خدا نے فضیلت دی ہے۔ مہینوں میں رمضان کو خدا نے فضیلت دی ہے۔ جگہوں میں مسجد کی جگہ کو خدا نے فضیلت دی ہے۔ یہ فضیلت دینا کسی انسان کا کام نہیں جو پیدا کرے اسی کا حق ہے کہ کسی چیز کو اس کے دوسرے اہلئے جنس پر برتر کر دے کسی وقت کو دوسرے اوقات پر فضیلت دینا یہ کسی کے اپنے اختیار میں نہیں۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لِمَعَاذِ الْخَيْرَةِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى

عما يشركون۔ (پہ قصص ۶۸)

ترجمہ اور تیز پروردگار جو چاہے پیدا کرے اور جسے چاہے چُن لے کسی کو فضیلت دینا کسی کے بس میں نہیں۔ وہ پاک ہے اس سے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں بریلوی مولویوں نے قمری مہینے کی گیارہ تاریخ کو اعتقادی فضیلت دے رکھی ہے۔ نتیجے

دسویں اور چالیسویں کو بھی وہ اعتقاد فی فضیلت دیتے ہیں اور پھر ہر ۱۲ ربیع الاول کو وہ اسی طرح ایک خوشی کا دن بتاتے ہیں۔ جب حضور پیدا ہوئے تھے یہ دنوں کا تعین ان کی اپنی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں فضیلت کی سالانہ گردش نہیں دی۔ علامہ شامی لکھتے ہیں :-

ان تخصیص المذكور وقت لم یرد بہ الشرع غیر مشروع بلہ  
ترجمہ بیشک ذکر کو کسی وقت کے ساتھ خاص کرنا جس پر دلیل وارد نہیں ناجائز ہے۔  
مولانا احمد رضا خاں کہتے ہیں :-

جب چاہیں کریں انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔

## ② ایصالِ ثواب میں مختلف کھانوں کا تعین

بریلویوں کے ہاں حضرت شیخ عبدالحق کے ختم میں سہ منی (روٹی) شاہ مدار کے ختم میں مالیدہ شیخ سدد کے گٹلے، بعلی قلندر کے ختم میں پائے، گیارہویں شریف میں کھیر اور دیگر کئی مختلف الانواع کھانوں میں ممتاز ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے لیے اکیس کھانوں کی فہرست مرتب فرمائی جو وصایا شریف میں درج ہے۔ کھانوں کی مقدار طے نہیں مولانا احمد رضا خاں سے سوال کیا گیا۔  
مسئلہ میت کے سوم کا کس قدر وزن ہونا چاہیے اگر چھو ہاروں پر فاختہ دی جائے تو ان کا کس قدر وزن ہو۔

الجواب۔ کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں اتنے ہوں جن میں ستر ہزار عدد پورا ہو جائے۔  
ایک چھو ہارا اگر نصف تولے کا ہو تو بریلویوں کے ہر نتیجہ میں دس من ۳، ۴ سیر ۶ ٹھٹھانک چھو ہارے ضروری ہیں۔

ایصالِ ثواب کے لیے مختلف کھانوں کا تعین کتاب و سنت میں کہیں نہیں مولانا محمد عمر اچھر دی نے مقیاسِ خفیت میں جو



باب بانڈھے ہیں یہ ان کے اپنے پسند کے باب ہیں، شریعت میں یہ سب تقینات بدعات ہیں۔

## ایصالِ ثواب کے مختلف دن مقرر کرنے کی حکمت

بریلوی مولویوں نے ایصالِ ثواب کے لیے جو تیسرے دن ساتویں دن دسویں دن اکیسویں دن اور چالیسویں دن کی تعیین کی وہ اس لیے کہ انہیں دعوتِ نماکھانے مسلسل بھیجتے رہیں ختم کے یہ دن جمعرات کے علاوہ ہیں۔ پھر محلے میں ایک ہی کے دن تو نہیں چلتے، دو تین گھروں کے دن آپس میں اس ترتیب سے چلتے ہیں کہ مولوی صاحبان کو کبھی گھر میں کھانا پکانے کی ضرورت نہیں پڑتی اگر دنوں کی یہ تقینات نہ ہوتیں تو ایصالِ ثواب کے کھانے اس طرح سنبھالے نہ جاسکتے۔

شامی میں ہے:-

یکوہ اتخاذا الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع وقتل الطعام  
الی المقابر فی المراسم

ترجمہ: پہلے تیسرے اور ساتویں دن کھانا پکانا اور کھانے ان خاص دنوں میں مقبول  
پرے جانا مکروم ہے۔

حضرت علی متقی (ہ) بدعاتِ تعزیت کے ذیل میں تیجہ کی رسم کے بارے میں لکھتے ہیں:-

ان هذا الاجتماع فی الیوم الثالث خمراً لیس فیہ فرضیة ولا فیہ وجوب  
ولا فیہ سنة ولا فیہ استحباب ولا فیہ منفعة ولا فیہ مصلحة فی  
الدین بل فیہ طعن ومذمة وملازمة علی السلف ..... فیکون حراماً  
لتضمنه هذا القبايح.

ترجمہ: یہ خاص طور پر تیسرے دن کا اجتماع اس کی نہ فرضیت ہے نہ وجوب اور نہ سنت اور اس  
میں استحباب بھی نہیں اس میں نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ دین کی کوئی بہتری بلکہ اس میں سلف پر طعن ان کی  
برائی اور ان پر ملامت ہے۔ بویہ عمل ان قبائح پر مشتمل ہونے کے باعث حرام ٹھہرے گا۔

لے رد المحتار جلد ۸ ص ۸۴۲ ۸۴۳ ماخوذ از تفہیم المسائل ص ۸۴۲

## خاص خاص تارخیوں پر خاص خاص اعتقاد

بریلوی علماء نے ہر قمری ماہ کی گیارہ تاریخ کو الہی برکت سے متبرک سمجھ رکھا ہے اور دیتا ہے کہ جاہل لوگوں میں یہ بات اتنی عام پائی جاتی ہے کہ مجال ہے گیارہ تاریخ کو کوئی گوارہ دودھ لے کر کسی دوکان پر آجائے۔ ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جو بھی اس دن کا دودھ گیارہویں شریف کی کھیر میں نہ دے گا اس کی کوئی نہ کوئی بھینس مر جائے گی۔ بھینس کو مارے گا کون؟ اس میں بریلویوں کے دو قول ہیں۔ ایک عوام کا اور ایک ان کے بڑے مولویوں کا — عوام کہتے ہیں کہ حضرت پیران پیر بھینس کو مار دیتے ہیں اور مولوی کہتے ہیں حضرت اس مزاج کے نہیں کہ یونہی بھینس کو مار تے پھریں یہ کام ان کا کوئی نائب کرتا ہو گا۔

خیال کیجئے جس عمل کو یہ خود صرف مباح کہتے تھے اس کا التزام اور اس پر اصرار انہیں کہاں سے کہاں لے آیا۔ دونوں میں سے کسی خاص دن کو چن لینا اور اس کی فضیلت کا عقیدہ بنالینا کسی دن کو اپنی طرف سے نحوست قرار دے دینا اور خود ہی بعض کاموں کے لیے بعض کا تعین لازم ٹھہرا لینا یہ عجیب اعتقاد ہے جو بریلویوں کے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔

## مولانا احمد رضا خاں کا منگل کے بارے میں عقیدہ

ہندوؤں کے ہاں منگل کا دن نجس سمجھا جاتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کا عقیدہ بھی تھا کہ منگل کے دن کوئی کپڑا نہ کاٹنا چاہیے اس میں برکت نہ رہے گی۔ آپ نے فرمایا۔ جو کپڑا منگل کے دن قطع ہو وہ جلے گا یا ڈوبے گا یا چوری ہو جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ بریلوی منگل کے دن کبھی حجامت منہیں بنواتے کہ اب یہ سر قطع ہوگا۔  
یا جلے گا یا ڈوبے گا۔

## ایصالِ ثواب کے لیے جمعرات کا انتخاب

ایصالِ ثواب کے لیے جمعرات کو خاص فضیلت دینا جیسا کہ بریلویوں نے عام دے رکھی ہے یہ ان کی اسی سوچ کا نتیجہ ہے۔ شبِ برات اگر کبھی جمعرات کو آجائے تو ان کے مولویوں کے چہرے اکثر عکین ہوتے ہیں کہ ہمارا ایک ختم مارا گیا۔

## گیارہویں کے لیے چاند کی گیارہ کا انتخاب

ایصالِ ثواب کے لیے سب دن برابر تھے لیکن معلوم نہیں کہ ان مولویوں کو گیارہ تاریخ زیادہ کیوں پسند ہے۔ کیا اس لیے تو نہیں کہ گیارہ کے عدد میں ایک کے برابر ایک کھڑا ہے۔ انہیں اس میں شرک کی ایک جھلک دکھائی دی کہ گیارہ (۱۱) کی وضعی صورت اس طرح ہے اور یہ بریلویوں کو بہت پسند ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم ان کے گیارہویں شریف کے ختم کو یہاں کچھ تفصیل سے بیان کریں اور اسے اس کے تاریخی پس منظر کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کریں۔

کسی نے ہم سے پوچھا تھا کہ بڑی گیارہویں کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ ہم نے کہا یہ دونوں لفظ (۱) بُری اور (۲) گیارہویں عربی کے نہیں ہیں اور عرب ممالک میں یہ سہتی ہی نہیں کہ اس کے لیے کوئی اصطلاح وجود میں آئی ہو۔ مجبوراً ہم اسے گیارہویں شریف کے عنوان سے ہی ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

## اہل میت کے ہاں دعوتیں اڑانا

جن کے ہاں ماتم ہو جائے ان کے عزیز و رشتہ دار بلکہ مہمسائے انہیں کھاتے ہیں۔ ان کے پاس سے کھاتے نہیں۔ ان پر صدمہ طاری ہوا ہوتا ہے۔ انہیں کھانا پکانے کا ہوش نہیں ہوتا اور نہ انہیں اس ضرورت میں ڈالنا چاہیئے۔

علماء سورہ لے ان پر دعوتوں کا عجیب بوجھ ڈال رکھا ہے۔ چہچہ تیسرے دن ایک کھانے پینے کی مختصر دعوت ہوتی ہے۔ قل شریف کے نام سے حاضرین اور مہمانے اور مولوی صاحبان پھل فروٹ وغیرہ کے گرد غلبہ اہتمام سے جمع ہوتے ہیں اور گھر والے اپنی میت کی محبت میں ان کو خوب کھلا پلا رہے ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کھانے گویا مردے ہی کھا رہے ہیں اور واقعی مردے ہی کھا رہے ہیں۔ دسویں دن پر ایک ایسی مجلس ہوتی ہے۔ پھر اکیسویں دن اس ماتم والے گھر میں کھانے کی ایک اور دعوت اڑائی جاتی ہے اور پھر کچھ دنوں بعد چہلم کا دن آجاتا ہے۔ دیکھیں کچھ ہی شادی کی مجلسوں کی طرح خیمے لگتے ہیں۔ اعزہ و اقارب اور مہمسائے اور دوست، اہلکار اور حکام کے درجے کے لوگ بھی جمع ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب ختم پڑھتے ہیں اور پھر سب لوگ کھانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے فرجی دشمنوں پر بعض کا کام وہیں ہو جاتا ہے اور بعض گرفتار کر لیے جلتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غموں کو اس طرح دعوتوں کی مجلسیں بنانا کیا دینِ فطرت میں جائز ہو سکتا ہے؟ دعوتیں تو خوشیوں میں ہوتی ہیں۔ یہ عملائے دسترخوان انہیں غموں میں کیسے لے آئے ہیں؟ فہمائے اسلام تو صدیوں پہلے اس کے جواب سے فارغ ہو چکے ہیں۔ امام فن قاضی خاں (۵۹۲ھ) لکھتے ہیں:-

وذكره اتحاد الضيافة في أيام المصيبة لأنها أيام تأسف فلا يليق بهما  
كان للسود

ترجمہ: اور غم کے دہل میں مہمان نوازی کا کھانا دعوت اُڑانا مکروہ ہے کیونکہ وہ غم کے دن ہیں، وہاں وہ کام اپنے آپ سے نہیں لگتے جو خوشیوں کے موقع پر ہوتے ہیں۔  
امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:-

الطعام فی آیام المنہجۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرون والاربعین والشہر السادس والسنة بدعة ممنوعة بلہ  
ترجمہ: خاص دنوں میں کھانے کی دعوت کرنا جیسے تیجا، پانچراں، نواں، دسواں، میراں، چالیسواں، ششستماہی اور برسی یہ سب بدعت ممنوعہ ہیں۔

اب ہشتریں صدی میں چلے علامہ ابن امیر اسحاق (۷۲۶ھ) لکھتے ہیں:-  
اما اصلاح اہل المیت طعاماً وجمع الناس فلم یمنقل فیہ شیءٌ وہو بدعة  
غیر مستحبؒ

ترجمہ: اہل میت کا کھانا تیار کرنا اور لوگوں کو (اس پر) جمع کرنا یہ دسلف سے منقول نہیں اور یہ بدعت ہے جو پسندیدہ نہیں۔

اب نوزیس صدی میں چلیں اور دیکھیں اکابر علماء اسلام نے ہر دور میں اسے بدعت کہا ہے علامہ ابن مہامؒ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:-

ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اہل المیت لانه شرع فی السرور  
لا فی الشرور وہی بدعة مستقبحۃؒ

ترجمہ: اور اہل میت کے ہاں کھانے کی دعوتیں اُڑانا جائز نہیں ان کی اجازت خوشیوں میں ہے صدموں میں نہیں اور یہ بڑی بُری بدعت ہیں۔  
دسویں صدی کے علامہ حلبیؒ (۹۵۶ھ) لکھتے ہیں:-

لہ شرح منہاج لہ المدخل جلد ۳ ص ۲۵۲ تہ فتح القدیر لابن الہمام ج ۴ ص ۴۳۴

ونكره اتخاذ الضيافة من اهل الميت لانه شرع في السرور لا في الحزن

قالوا هي بدعة مستقبحة ۛ

ترجمہ۔ اور اہل میت کی عرف سے کھانے کی دعوت مکروہ ہے یہ خوشیوں کے موقع کا عمل ہے غم کے موقع کی بات نہیں۔ فقہاء کہہ چکے ہیں کہ یہ بڑی قبیح بدعت ہے۔

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) مذہب حنفی کا فیصلہ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:-

قرر اصحاب مذهبنا من انه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث

وبعد الاسبوع ۛ

ترجمہ۔ ہمارے اصحاب نے طے کر رکھا ہے کہ (اہل میت کا) پہلے تیسرے اور دسویں

دن کھانے کی دعوت کرنا مکروہ ہے۔

ملا علی قاریؒ نے ایک حدیث کی بنا پر پہلے اپنے اہل مذہب سے کچھ خفیت سا اختلاف کیا تاہم

آخر میں آپ پھر اپنے اصحاب کے مذہب پر لگنے، شرح نقایہ آپ کی آخری تصنیف ہے اس میں

ویكره اتخاذ الضيافة من اهل الميت لانه شرع في السرور لا في حنة ۛ

وہی بدعة مستقبحة ۛ

ترجمہ۔ اور اہل میت کی طرف سے دعوت طعام مکروہ ہے دعوتیں خوشیوں میں ہوتی

ہیں صد مہل میں نہیں۔ یہ بدعت قبیح ہے۔

اب گیارہویں صدی کے محدث حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) سے سن لیجئے۔

عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و نغمات خوانند بر سر گور و نہ

غیر آن و ایں مجموع بدعت است..... اما این اجتماع مخصوص روز سوم و چہارم کتاب

مکلفات دیگہ و صرف احوال بے وصیت از حق یتیمی بدعت است و تمام ۛ

ترجمہ۔ قرون مشہور لہذا بالجہیز میں یہ طریقہ نہ تھا کہ میت کے لیے اکٹھے ہوں اور قرآن کریم

پڑھیں اور قبروں پر اگر یا کسی دوسری جگہ ختم پڑھیں۔ یہ سب کام بدعت ہیں.....  
یہ خاص تیسرے دن کا اجتماع اور دوسرے تکلفات اور مرحوم کی وصیت کے بغیر  
یتیموں کے مال سے دعوتیں اڑانا بدعت اور حرام ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب بھی لکھتے ہیں۔  
عند معاد طعام وادون قدر تعالیٰ بے رسم وریا و ثواب اس میت گزرا یندن خوب است  
و عبادت بزرگ ابا برائے تعیین وقت اصل مستند علیہ ظاہر بنے شود و روز سوم گل  
وادون بمردان بدعت است بلہ

عندوم! اللہ تعالیٰ کے نام پر بغیر رسم ٹھہرائے اور بغیر دکھاوا کے (غریبوں کو)  
کھانا کھلانا اور اس کا ثواب میت کو پہنچانا اچھی بات اور بڑی (مالی) عبادت  
ہے لیکن اس کے لیے کوئی وقت مقرر ٹھہرانا اس کے لیے شریعت میں کوئی اصل  
جس پر اعتماد کیا جاسکے نہیں ملتی۔ اور پیچھے پڑھولانا بدعت ہے۔

اب حضرت علامہ شامیؒ کا فیصلہ بھی سُن لیں۔ آپ حدیث جبر پر اعتماد دکتے ہیں۔  
استدلالاً بحدیث المدکور علی الکراہۃ ولاستیما اذا کان فی الوثنۃ صغاراً و غائب  
مع قطع النظر عما یحصل عند ذلک غائباً من المنکرات الکثیرۃ کا یفاد الشروع و  
القنایہ..... و اخذ الاجرۃ علی الذکر و اء القرآن و غیر ذلک مما هو مشاہد فی ہذہ  
الافمان و ما کان کذلک فلا شک فی حرمتہ و بطلان الوصیۃ بلہ

ترجمہ: اہل میت کے ہاں سے کھانا حدیث مذکور کی بنا پر مکروہ ہے خصوصاً جبکہ کچھ وارث  
نابالغ ہوں یا کوئی وارث غائب ہو۔ قطع نظر ان بہت سی شکوت کے جو ایسے موقع پر  
کی جاتی ہیں جیسے شمعیں اور قندیلیں جلانا..... اور ذکر اور قرآن خوانی پر اجرت لینا  
وغیرہ جو آج کل ہمارے مشاہدہ میں آ رہی ہیں اور جو اس طرح کا مکمل ہو اس کے حرام

ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس کی وصیت بھی ہو تو یہ وصیت باطل ہے۔  
نقشبندی سلسلے کے شیخ کبیر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) کی وصیت ملاحظہ فرمائیں جو مالا بدینہ کے ساتھ تھی ہے۔ آپ لکھتے ہیں :-

بعد مردن من رسوم دینی مثل وہیم بستم وچہلم و ششماہی و برسینی بیچ نکندہ  
ترجمہ میری وفات پر دینی رسمیں جیسے دسراں۔ بیسراں۔ چالیسراں۔ ششماہی اور  
برسی وغیرہ کچھ نہ کریں۔

اب چودھویں صدی میں چلیے۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں :-  
مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و اور اضروری انگاشتین و در شریعت محمدیہ ثابت  
نیست۔ صاحب انصاف الاعتساب اس را مکروہ و مشتبہ  
ترجمہ تیسرا دن خاص طور پر مقرر کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا شریعت محمدیہ میں اس کا کوئی  
ثبوت نہیں۔ صاحب انصاف الاعتساب نے اسے مکروہ لکھا ہے۔  
چودھویں صدی کے مولانا احمد رضا خاں بھی لکھتے ہیں :-

اہل میت کا اہتمام طعام کرنا سرے سے ناجائز ہے۔  
اور اس سے پہلے آپ یہ بھی لکھ آئے ہیں :-

یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ و قبیحہ ہے امام احمدؒ اپنے منہ میں اور ابن ماجہ  
سنن میں بسند صحیح حضرت جریر بن عبد اللہ سجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں :-  
کنا فخذ الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة۔ ہم گروہ صحابہ  
اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے کو مروی کی نیاحت  
سے شکار کرتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں آئے

علامہ صلیؒ (۹۵۶ھ) اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) نے عامر بن کلب کی روایت میں استقبلہ

مہ مالا بدینہ ص ۱۹۱ فنادی مولانا عبدالحیؒ عید ۱۳۰۴ھ بقی پریس مراد آباد کے ایضاً ص ۱۹۲



داعی امر آنتہ کے الفاظ دیکھ کر جو اس مسئلے میں خیف سی راہ نکلی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں ان دونوں بزرگوں کے بارے میں لکھتے ہیں:-

و لورای الفاضلان الحلبي والقاری ماعلیہ بلادنا لا طلقا القول جازمین  
بالتحریم ولا شك ان فی ترخیصہ فتح باب الشیطان رجعیہ

ترجمہ علامہ حلبیؒ اور ملا علی قاریؒ اگر ہمارے ملک کے رداجوں کو دیکھتے تو مطلقاً ان کے حرام ہونے پر یقین کرتے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی اجازت دینے میں شیطان سرود کی راہ کھولتا ہے۔

خان صاحب نے یہ عبارت عربی میں لکھی ہے۔ مبادا ان پڑھ بریلوی ان پر دہانی ہونے کا سبب نہ لگادیں۔ بہر حال خان صاحب نے اس مسئلہ میں سختی مذہب کو ترک نہیں کیا۔

اسلام کی یہ چودہ صدیوں کی شہادت آپ کے سامنے ہے اور آج کل کے دیگر بریلوی علماء کے غلط فتوؤں سے جو کچھ نکتہ عمل ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ ان کے بعد بریلویوں نے ان دعوتوں کے شوق میں نہ صرف فقہ سختی کو رد کر رکھا ہے بلکہ اس میں یہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بھی خلاف صف بنا رکھی ہے۔

## بریلوی علماء کے اہل میت کے ہاں کھانے کے فتوے

سب سے پہلے پروفیسر نور بخش صاحب تو کبھی باقی انجمن نعمانیہ ہند لاہور مولانا احمد رضا خاں کے اس فتوے کے خلاف اٹھے آپ لکھتے ہیں:-

فقہائے بعض عوارض کی وجہ سے اہل میت کے طعام کو مکروہ کہا ہے۔ اگر یہ عوارض یا کئی اور غلط شرعی دعوت میں نہ ہو تو وہ طعام ہرگز مکروہ نہ ہو گا۔

مولانا نور بخش تو کبھی نے مرقات سے جو عوارض نقل کیے ہیں مولانا احمد رضا خاں ان سب کے

جواب دے چکے ہیں مگر معلوم نہیں بریلوی علماء کھانے کے مسئلوں میں کیوں اس قدر دلدادہ ہو چکے ہیں کہ اپنے اہل سنت کی مخالفت سے ہی نہیں چوکتے۔

بریلوی علماء اس مسئلے میں مولانا احمد رضا خاں کے نہیں مولانا عبدالسمیع رامپوری کے پیچھے چلے ہیں۔ بدعات میں بریلویوں کے امام دراصل وہ ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کی زیادہ شہرت تکفیر کی وجہ سے ہوئی ہے۔ بدعات میں ان کے اصل پیشوا مولانا عبدالسمیع رامپوری مولف انوار ساطعہ ہیں مسائل اربعین میں لکھا ہے کہ حضرت نے فرمایا ہے طعام المیت میت القلب... بکفہ سجہ قبل کرنا اس کھانے کا جس کو روح میت کے واسطے کیا ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح رکھو گے تو دوسری حدیثیں جو ترغیب خیرات میں میت کی طرف سے آئی ہیں اور باجماع امت وہ مقبول ہیں ان کا کیا جواب دو گے؟

پھر اسی حدیث پر مولانا محمد عمر اچھروی اور مفتی احمد یار خاں صاحب نے اپنے موقف کی بناء رکھی ہے۔ وہ حدیث مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے واپس آ رہے تھے کہ ایک شخص مرحوم کی عورت کی طرف سے حضور کی خدمت اقدس میں آیا اور آپ کو اور دیگر صحابہ کرام کو کھانے کی دعوت دی۔ آپ گئے اور صحابہ بھی گئے اور وہاں کھانا کھایا۔ اس حدیث میں یہ الفاظ تحقیق طلب ہیں:-

فلارجع استقبلہ داعی امرئ تہ۔

ترجمہ۔ جب آپ واپس لوٹے تو آپ کو ایسی کی بیوی کے ایک قاصد نے بلایا۔ صاحب مشکوٰۃ (۴۴، ۴۵) نے اس حدیث پر ابو داؤد اور بیہقی کا حوالہ دیا ہے۔ علامہ صلی (۹۵۶) نے اس کے لیے امام احمد کا حوالہ دیا ہے۔

ما رواہ الامام احمد بسند صحیح و ابو داؤد عن عاصم بن کلیب۔

## تحقیق روایت عاصم بن کلیب

صاحب مشکوٰۃ اور علامہ حلبی کے ان حوالوں کی جب اصل کتابوں سے تلاش کی گئی تو معاملہ برعکس نظر آیا۔ وہاں داعی امراۃ کے الفاظ نہیں ملے۔

سنن ابی داؤد کے کتاب البیوع میں باب فی اعتناء الشہبائیں یہ روایت اس طرح ہے:-

فلما رجع استقبلہ داعی امراۃ فجاء فغی بالطعام فوضع یدہ ۛ

ترجمہ: جب آپ واپس ہوئے تو آپ کو کسی عورت کا ایلچی ملا۔ اسہ آپ تشریف لائے

اور کھانا لایا گیا پس آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا۔

علامہ حلبی کے حوالے کے لیے مسند احمد کو دیکھا تو وہاں یہ الفاظ ملے:-

فلما رجعنا لقینا داعی امراۃ من قریش ۛ

ترجمہ: پس ہم جب واپس ہوئے تو ہم درستے میں، ایک قریشی عورت کے قاصد سے ملے

پھر یہ روایت طحاوی شریف کے کتاب الصيد والذباح جلد ۲ ص ۳۲ میں بھی مل گئی۔ اس میں

بھی امراۃ من قریش کے الفاظ ہیں۔ امراۃ (اس مرحوم کی عورت) کے الفاظ کسی مستند کتاب میں نہیں

ملے۔ حضورؐ کو کھانے پر دعوت دینے والی کوئی اور عورت تھی مرحوم کی بیوی نہ تھی۔

مشکوٰۃ میں امام بیہقی کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ بیہقی کی روایت میں بھی دھت امراۃ النبی صلی

اللہ علیہ وسلم الی طعام کے الفاظ ہیں اسے علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں اس باب میں

نقل کیا ہے:-

باب اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشاة التي اخذت بنیر حق ۛ

ترجمہ: یہ باب اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اس بکری کی خبر دی

جو بنیر اجازت مالک کے حاصل کی گئی تھی۔

اس روایت میں گچہ جنازے کا ذکر نہیں لیکن اس بکری کا ذکر موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی روایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے سے واپس لوٹنے کا ذکر ہے۔ ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں اہل میت کے ہاں دعوتیں اُڑانے کی ہرگز ہرگز اہواز نہیں جس روایت کے برتے بریلوی علماء لمبے چوڑے ختم پڑھنے گھروں میں پہنچ جاتے ہیں یہ ایک ان کی اپنی بنائی راہ ہے فقہ حنفی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

## ایصالِ ثواب کا کھانا کون لوگ کھائیں

اہلسنت کا بریلویوں سے ایک یہ اختلاف بھی ملا آتا ہے کہ جو کھانا بلا تعین دن میت کو ثواب پہنچانے کے لیے کھلایا جائے اسے کون کھائیں؟ اہل سنت کہتے ہیں یہ صرف مساکین اور غرباء کا حق ہے۔ بریلوی کہتے ہیں ہمارے مولوی صاحبان اور اپنے اعزہ واقارب بھی کھا سکتے ہیں۔ بریلوی عوام کو چاہتے ہیں کہ وہ خود بھی سوچیں۔ اپنے مولویوں کا لقمہ نہ بنے رہیں۔ خود سوچیں کہ ثواب کس طرح زیادہ جیتا ہے؟ مولویوں کو کھلانے سے یا مسکینوں یتیموں کو کھلانے سے؟ ایصالِ ثواب اسی ثواب پہنچانے کا نام ہے جتنا ثواب بنے گا اتنا ہی مرحوم کو پہنچے گا۔ مولویوں کو کھانا ان کی دعوت ہے خیرات نہیں اور ثواب خیرات کا ہوتا ہے صدقات کا ہوتا ہے دعوتوں کا نہیں۔ ایصالِ ثواب کا کھانا صرف غرباء کا حق ہے۔ افسوس کہ بریلوی مولوی یہاں مولانا احمد رضا خاں کی اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ میت کا کھانا غنی نہ کھائے۔

مُردہ کا کھانا صرف غرباء کے لیے ہے عام دعوت کے طہ پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے۔

پھر یہ بھی لکھتے ہیں :-

انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔

ان دنوں یہ کون لوگ تھے جو دنوں کی تسکین ضرور مانتے تھے، غلام ہے کہ یہ دیوبندی یا اہلحدیث کہلانے والے تو نہ ہوں گے، شیعہ ویسے ہی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو نہیں مانتے۔ وہ ان کے لیے گیارہ تاریخ کیا مقرر کریں گے، آخر یہ کون لوگ تھے جو تیجے، دسویں اور چالیسویں دن ختم کا التزام کہتے تھے امد ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو متبرک مانتے تھے۔

یہ لوگ ہیں جن کو مولانا احمد رضا خاں نے جہاں ٹھہرایا ہے اور یہی ہیں جن کو آج کل بریلوی کہتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے یہاں اپنے قلم سے بریلویوں کو جہالت کی سند دی ہے۔

افسوس ان جہلاء پر نہیں، ان بریلویوں پر ہے جو ان جہلاء کے ختموں پر پلٹتے ہیں اور گلے بچاڑ بچاڑ کر کھانے سامنے رکھ کر ان خاص دنوں میں ختم پڑھتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے کھانا سامنے رکھنے کو بے کار بات قرار دیا ہے۔ مگر یہ اپنے اعلیٰ حضرت سے جہالت کی سند لینے والے کھانا آگے رکھے بغیر ختم نہیں پڑھتے۔ کہتے ہیں کھانے کی خوشبو سے دوران ختم دل مطمئن رہتا ہے۔

بریلویوں کے ہاں اہل میت پر عمدہ کھانوں کا پہلا بوجھ تیجے سے شروع ہوتا ہے ابھی مرحوم کے درخت کی تقسیم میں نہیں ہو پاتی کہ یتیموں اور یتیم خانہ کے مال سے تیجے دسویں اکیسویں اور چہلم کی دعوتیں شروع ہو جاتی ہیں۔

پھر ایسا بھی دیکھا گیا کہ میت کے محلے کے مولوی صاحب کی معرفت، چالیس دن تک کھانا بھجا جاتا ہے۔ صحابہ کرام جس طرح تین دن سے زیادہ میت کے سوگ کو ناجائز سمجھتے تھے اسی طرح اہل میت کے ہاں کھانا کھانے کو بھی نیاحت شمار کرتے تھے

حالات کو زیادہ قریب سے دیکھا جائے تو ان دعوتوں کی بڑی ذمہ داری ان مولوی حضرات پر عائد ہوتی ہے جو اپنے محلے کے نامی مواقع کو اپنے مسلکی غنائم سمجھتے ہیں اور جو شخص اس عقیدے کے ساتھ کہ ان مولوی صاحب کا اہل میت پر اس طرح بوجھ بننا شرعاً درست نہیں سمجھے تو وہ عوام کو اپنی صفائی اس عامی زبان میں دیتے ہیں۔

پیلے سنی بھائیو! کیا سو بھی حرام نہیں، کیا دودھ حرام ہے؟ کیا چینی حرام ہے؟ جب ان میں سے کوئی چیز بھی حرام نہیں تو یہ تیجے کا علوہ کیسے حرام ہو گیا اور پھر سب ایک دوسرے کو دکھا کر علوہ کھائیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا اس دعوت سے مقصد صرف ان لوگوں کی تردید ہے جو ہمارے ان طریقوں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ اہل میت پر (بلا وارثوں کی اجازت کے) ان تمام رسوم کا اور ختموں کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے۔ خیرات کے یہ کھانے بھی غرباء و مساکین تک نہیں پہنچتے۔ بڑے بڑے اہل ثروت حضرات اور تاجر لوگ خیرات کے ان کھانوں کو اس عزت و آبرو کے ساتھ کھاتے ہیں کہ ایک لکھ کے لیے بھی انھیں یہ گمان نہیں گزرتا کہ یہ صدقات غرباء و مساکین اور یتیموں اور یمواؤں کا حق ہے اور اگر کوئی سعادت مند صاحب شخص اس پر کچھ لب کشائی کرتا ہے تو محکمہ کے پیشہ ور بدعتی یہ کہہ کر اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جاتے ہیں کہ عمار کا اپنا اپنا خیال ہے کچھ ایسے لوگ ہیں جو ختموں کو نہیں ملتے ہم سنی عقیدہ کے لوگ تو ہمیشہ سے تیجا اور چہلم کھاتے آرہے ہیں۔

## ہندوؤں کے تہواروں کی مٹھانی

علامہ البیرونی جو سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے لکھتے ہیں کہ اموات کو ثواب پہنچانے کے لیے خاص خاص دنوں کی تعیین دراصل ہندوؤں کی رسم ہے وہ مختلف ذاتوں کے مردوں کو مختلف دنوں میں کھانے بھیننے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

ہندوؤں کے ہاں ختم کو سزا دہ کہتے ہیں سزا دہ کا کھانا تیار ہو جائے تو اس پر پنڈت وید پڑھتے ہیں تب یہ کھانا ان کی اموات کو پہنچتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں ہندوؤں کے اس عقیدے کو جانتے تھے تھے اس لیے وہ ان کے ساتھ ان معین دنوں میں شریک ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ انہوں نے مسئلہ بنایا کہ جب ان کا طے کردہ دن گزر جائے تو اگلے دن تم ان کے کھانے کھا سکتے ہو۔

عرض: کافر جو ہولی دیرالی میں مٹھائی وغیرہ بانٹتے ہیں مسلمانوں کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد: اس روز نہ لے ہاں اگر دوسرے روز دے تو لے لے۔ یہ نہ سمجھو کہ ان غبناء کے ہتھوار کی مٹھائی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے ہاں خاص کاموں کے لیے خاص دنوں کی تعین ایک اصولی فاصلہ رکھتی ہے ورنہ وہ مال موذی لغیب غازی کے طور پر اسی دن وہ مٹھائی کھا لیتے یہ جو کہا اگلے دن کھالے بتلاتا ہے کہ وہ اس غیر شرعی تعین میں ہولی کی مٹھائی کھانا پسند نہ کرتے تھے۔ سو جو علماء حق اہل بدعت کی غیر شرعی تعین میں ختموں میں شامل نہیں ہو وہ حق بجانب ہیں۔

### غیر مسلموں کے ہتھواروں پر انہیں تحفے دینا

ہندوؤں کی ہولی کی مٹھائی اگلے دن لینا کس نام کی مٹھائی لینا ہوگا۔ یہی ناکہ یہ ہولی کی مٹھائی ہے۔ نام تو یہی چلے گا۔ مجوس نوروز کا دن اور مہرجان کا دن مناتے تھے۔ فقہار نے ان ناموں سے انہیں ہدیہ دینا ناجائز ٹھہرایا۔ جب انہیں ہدیہ دینے کی اجازت نہیں تو لینے کی کیسے ہوگی۔ درختار میں ہے :-

ردالاعطاء باسم النیروز والمہرجان لایجوز ای المہدایا باسم ہذین

الیومین حرام۔

اور اگر اس دن کی کچھ تعظیم بھی ساتھ شامل ہو جیسے آج کل کئی مسلمان کرسمس پر عیسائیوں کو کرسمس کارڈ بھیجتے ہیں تو یہ اور بھی بڑا گناہ ہوگا۔ درختار میں اس سے آگے لکھا ہے :-

(وان قصد تعظیہ) کمایعظمہ المشرکون (یکفر) قال ابو حفص الکبیر

وان رجلا عبد اللہ خمین سنۃ ثم اهدى لمشرک یوم نیروز بیضتہ یوم

تعظیم الیوم فقد کفر و حبط عملہ ۛ

ترجمہ اور اگر اس نے اس دن کی تعظیم پیش نظر رکھی جیسا کہ مشرکین اس دن (نوروز کے دن) کی تعظیم کہتے ہیں تو اس نے کفر کیا۔ امام ابو حفص کہہ رہے ہیں اگر کسی شخص نے پچاس سال ایک خدا کی عبادت کی پھر اس نے کسی مشرک کو یوم نوروز پر ایک انڈا ہدیہ میں دیا اس سے اس کی مراد اس دن کی تعظیم تھی تو وہ کافر ہو گیا اور اس کے تمام پہلے عمل جلتے رہے۔

معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں کس طرح ہولی کی مٹھائی اگلے دن لینا جائز سمجھتے تھے کیا وہ مٹھائی ان ہندوؤں کی اپنی بنائی ہوئی نہ ہوتی تھی؟ یہ بات بھی سوچنے کی ہے



(۱۱)

## گیارہویں شریف

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ امام احمد :

کسی مسئلہ کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس مسئلے کی عملی صورت کیا ہے اور جس طرح اسلام میں اعمال کے پیچھے عقائد کا پس منظر ہوتا ہے۔ اس گیارہویں کے پیچھے کون سے عقائد کارفرما ہیں۔ گیارہویں کا فیصلہ اس کے پس پشت پر بسنے والے عقائد کے پیش نظر اس کی عملی صورت پر دیا جائے گا۔ اور عملی صورت سے مراد کسی خاص فرد یا خاص مسجد میں دی جانے والی گیارہویں نہیں۔ اس میں عامۃ الناس کے عمل و دخل کو دیکھا جائے گا۔ جو مسئلہ عام طور پر رائج ہو اس میں عوام کا اعتبار ہونا چاہیے نہ چند خواص کا جو خطا ہر طور پر اس کی حدود ممنوعہ کا کسی درجے میں سد باب کر دیتے ہیں۔

علماء کو چاہیے کہ ایسے مسائل میں وہ عوامی ذہن اور عمل کا لحاظ کریں۔ اپنی فقہی مشرکات میں سے عوام کو بدعات میں نہ لے جائیں۔ عوام کے مبلغ علم ان کی سوچ اور فکر اور ان کے عقیدہ و عمل کو سامنے رکھیں۔ علماء کرام اپنی مقصد ار حیثیت میں عوام کے حالات کو جاننے اور سمجھنے اور ان کے مطابق انہیں گمراہی سے نکالنے یا اس میں دھکیلنے کے ذمہ دار ہیں۔ محض اپنے فائدے یا آئے دن پکے پکائے کھانے پینے کی سہولت میں اپنی اور اپنے مقصدیوں کی آخرت کو برباد کرنا یہ کوئی ایسی جھوٹی غلطی نہیں ہے کہ آپ سے آخرت میں اس کے بارے میں کوئی سوال نہ ہو۔

تو ادھر ادھر کی بات نہ کر تو بتانا کہاں قافہ

مجھے راہزنوں سے گلہ نہیں تیری راہبری کا سوال ہے

سو گیارہویں کے موضوع پر اس کے اعتقادی پس منظر عملی صورت حال اور عرفی پیرایہ عمل ہی وہ امور ہیں جن کے جانے بغیر اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینا جلد بازی ہوگی۔ اس کی شرعی

جیتیت چوتھے درجہ میں زیر بحث آتی چاہیے۔ بلکہ ان چاروں سے پہلے ان کا تاریخی منظر بھی سامنے ہونا چاہیے۔

ہم ان شاء اللہ العزیز ان پانچ ائمہ پر ترتیب سے غور کریں گے۔ واللہ هوالموفق لما یحبہ دیرضی بہ۔ اب اس کی شرعی حیثیت پانچویں نمبر پر آئے گی اور اس میں یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ اس میں اور کتنی بدعات لپٹی ہوئی ہیں اور اس کی نسبت حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی طوط کرنا اور اسے (گیارہویں شریف کو) ان کے ذمے لگانا کتنا بڑا ظلم اور ظلم بالائے ظلم ہے۔

### گیارہویں کا تاریخی پس منظر

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۰۱ھ) پچھٹی صدی میں ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے (اسلام کی پہلی پانچ صدیوں میں) حضرت سرکار بغداد کے نام ایصالِ ثواب کی یہ رسم یا تقریب کہیں نہ تھی۔ اب آپ کے بعد یہ کب جاری ہوئی۔ اس کی تاریخی تحقیق نہایت ضروری ہے۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت طاعلی قاریؒ (۱۰۴۰ھ) گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۴۵ھ) پھر آپ کے معاصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بلکہ ان سے آگے آنے والے عمدہ شاخ نقشبندیہ حضرت قاضی شہداء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) اور غلام المحمد شین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) ان بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اس کا ذکر نہیں کرتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرہویں صدی کے نصف اول تک اہل السنۃ والجماعہ میں گیارہویں کے نام سے کوئی دینی تقریب یا منسجی رسم قائم نہ ہوئی تھی۔

ہندوستان سے باہر عراق (جہاں حضرت سرکار بغداد شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار ہے) اور مصر و شام بلکہ طرابلس اور اندونیشیا تک کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ کسی مسجد یا مدرسہ یا کسی قبرستان میں کوئی تقریب اس نام سے کی گئی ہو اگر کوئی دوست اس پر کوئی مستند حوالہ پیش کر دے تو ہم اس کے بہت ممنون ہوں گے۔

## گیارہویں کو تاریخی استناد دینے کے لیے بریلوی علماء کی پہلی کوشش

قصور کے مولانا محمد شریف ٹوڈی چودہویں صدی کے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے گیارہویں کو تاریخی استناد مہیا کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے گیارہویں شریف کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:-

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ (۱۰۶۷ھ) عہد شاہجہاں میں ہوئے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کے والد حضرت شاہ ولی اللہؒ اور بنگ زریبؒ کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئے۔ اب حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے جوڑنا بریلوی مفتیوں کا ہی کام ہو سکتا ہے ہم جیسے کمزور تو اس کی جرأت نہیں کر سکتے۔

## بریلوی علماء کے عوامی مغالطے

قرآن و حدیث میں جہاں کہیں گیارہ کا لفظ آجائے بریلوی علماء پکار اٹھتے ہیں لیجئے گیارہویں ثابت ہوگئی، مولانا محمد عطاء اللہ چودی قرآن کی اس آیت سے گیارہویں ثابت کرتے تھے جس میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستاروں کو خواب میں سجدہ کرتے دیکھا۔ مولانا عبدالغفور تھراوی والذبحر ولبال عشر (قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی) سے گیارہ کا مجموعہ بناتے تھے۔

بریلوی عوام اپنے ان اکابر کے ان دلائل پر اب تک ناز کرتے ہیں کہ دیکھا گیارہویں قرآن کریم سے ثابت ہوئی یا نہ؟ حالانکہ وہ خود جانتے ہوتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے وقت حضرت سید

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیدا نہ ہوئے تھے۔ نہ کسی نے ان دنوں ان آیات پر گیارہویں تشریف کا عمل کیا تھا۔ پھر جب یہ حدیث سے اپنا مسئلہ ثابت کرنے پر آتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکہ مشرکہ کے دس صحابہؓ کو ملا کر گیارہویں ثابت کرتے ہیں۔

گیارہویں تو گیارہ کا نام نہیں، نہ یہ گیارہ کے مجموعے کا نام ہے۔ گیارہواں یا گیارہویں ایک تاریخ کا نام ہے۔ یہ گیارہ دنوں یا گیارہ راتوں یا گیارہ افراد کا نام نہیں۔ جس طرح دوسرا تیسرا چوتھا اور پانچواں ایک ایک فرد کا نام ہے۔ گیارہواں یا گیارہویں ایک عدد ہے اور وہ عدد ترتیبی ہے حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں گیارہ ستاروں نے سجدہ کیا تھا، (ایک) گیارہویں ستارے نے نہیں والفجر و لیل عشر میں بھی دس راتوں کا ذکر ہے دسویں ایک رات کا نہیں عشرہ عشرہ بھی دس اصحاب تھے ایک نہیں کہ اس کی وجہ سے چاند کی گیارہ تاریخ کو متبرک بنا دیا جائے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ گیارہویں چلی کہاں سے ہے اور ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے پہلے کیا کبھی گیارہویں کا عمل کسی جگہ ہوا تھا۔ ہم تو اس کی تلاش کرنے کرتے تھک گئے، مگر افسوس کہ ہمارے بریلوی دوستوں نے بھی اس سلسلہ میں ہماری کوئی مدد نہیں کی اور اس باب میں کوئی مستند حوالہ ہمیں نہیں دکھاسکے۔

ہندوستان میں محدثین دہلی (حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ) کے خلاف اٹھنے والے پہلے بزرگ مولانا فضل رسول بدایونی ہیں۔ آپ اپنے ہم ذوق احباب و ملائکہ کو جمع کر کے ایک مجلس کیا کرتے تھے جس میں وہ ان محدثین دہلی کے خلاف دل کی بھر اس نکالا کرتے تھے اس کے لیے آپ کو روزانہ گیارہ روپے ملتے تھے۔ مورخ اسلام جناب محمد نعیم قادری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس بڑھتی ہوئی ہمت اور چڑہتے ہوئے ولولہ نے خیال پیدا کیا کہ کسی جگہ کوئی ایسا تعلق اختیار کیا جائے جو معاش کی جانب سے فارغ البالی ہو آخر اس جستجو پر بارہ ریات گوار کیا گھر سے عقد سفر کیا۔

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں

حکام وقت نے قندھاری اور سرحدی شہنشاہی کے دست طلب بڑھانا شروع کر دیئے  
اور آپ کی خدمات کو سرکاری کاموں کی انجام دہی کے لیے مانگنا چاہا۔

اس وقت اس سے ہمیں بحث نہیں کہ وہ سرکاری کام کیا تھے؛ اس وقت ہم صرف یہ  
بتانا چاہتے ہیں کہ وہاں کے نواب محی الدولہ نے ان کی زاہد معاش قائم کرا دی۔ جناب یعقوب قادری  
صاحب آپ کی سرکاری خدمات کی یہ خواہ بیان کرتے تھے۔

اس وقت سے یہ روپیہ اب تک گیارہ روپے روزانہ کے حساب سے ریاست  
فرخ نہاد سے برابر جاری ہے جس کی قنداد سرکاری سکتے سے دوسو ساٹھ روپے  
ماہوار کے قریب ہوئی۔

یہ گیارہ روپے روزانہ صرف مولانا فضل رسول بدایونی (۱۳۳۱ء) کے ہاں ہی تبرک نہ تھے۔  
مولانا احمد رضا خاں بھی گیارہ روپے کے اس تبرک کے قائل تھے۔ بہت نے جب مولانا کچھ چھوٹی کو اپنے  
ہاں افتخار کے لیے بلایا تو اپنے اسی رقم سے نیک فال لی۔ مولانا کچھ چھوٹی مولانا احمد رضا خاں کے بارے  
میں لکھتے ہیں:-

مجھے کار افتار پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی اپنے پٹنگ پر  
مجھے بٹھا کر۔

اپنے پٹنگ پر کیوں بٹھایا؟ یہ اس لیے کہ مولانا احمد رضا خاں کو بھی تو نواب رامپور اپنے خاص  
پٹنگ پر بٹھایا تھا۔ رامپور کے نواب کلب علی خاں شیعہ مقلول میں اس پہلو سے بہت معروف تھے۔  
انہیں ایک ایسے طالب علم سے ملنے کا اشتیاق ہو ا جس نے چودہ سال کی عمر میں دریات  
سے فراغت حاصل کر لی ہو۔ جب حضرت (مولانا احمد رضا خاں) نواب صاحب کے پاس  
پہنچے تو انہوں نے خاص پٹنگ پر بٹھایا اور بہت لطف و کرم سے باتیں کرتے رہے۔

نواب صاحب کا چودہ سال کی عمر کا انتخاب پھر اپنے خاص پلنگ پر لے جانا اور لطف و محبت کی باتیں کرنا یہ اس وقت زیر بحث نہیں دونوں خان تھے۔ ہم یہاں صرف گیارہ روپے کے متبرک روزینہ کی بات کر رہے ہیں کہ مولانا فضل رسول بدایونی کو سرکار سے یہ جو تنخواہ ملتی تھی مولانا احمد غیاث نے بھی اس عدد متبرک کو یاد رکھا۔ اب ان گیارہ روپوں سے جو مجلس ہوتی تھی اس کا نام گیارہویں کی مجلس ہو گیا۔ ہندوستان میں یہ گیارہویں شریف کی تاریخ ہے۔

انگریزی مملداری میں گیارہویں کی یہ مجلس جس طرح گیارہ روپے کی انگریزی تنخواہ سے چلی اسے انگریزوں کے مخالف حلقوں میں کچھ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

جنگ عظیم اول انگریزوں اور جرمنوں میں لڑی جا رہی تھی ترک جرمنوں کے حلیف تھے اور روس انگریزوں کے ساتھ تھا۔ ہندوستان میں بریلوی شریف کو کے قصیدے پڑھ رہے تھے اور علماء دیوبند کی سہمہ رویاں ترکوں کے ساتھ تھیں ظاہر ہے کہ ان حالات میں جرمن انگریزوں اور ان کے تمام حلیفوں کے سخت خلاف تھے۔

جرمنوں نے دیکھا کہ بریلوی مولوی گیارہویں شریف کے عزائم سے بریلوی حمایت کی صغیں بچا رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں محفل دیا۔ انگان مشہور کر دیا اور اب تک یہ محفل دیا انگان جرمنی میں بڑے اہتمام سے منائی جاتی ہے۔

لوائے وقت لاہور سپریم کورٹ ۱۸ نومبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں ۱۱ نومبر کی یہ خبر پڑھ کر اس عنوان کے شائع کی۔

## پاگلوں کی عید لیکن مذاق اڑانا منع ہے

واشنگٹن ڈائریکشنز ڈسک جرنی میں گیارہویں مہینے کی گیارہ تاریخ کو رات گیارہ بجے گیارہ منٹ پر پاگلوں کی عید منائی گئی۔ تقریب کے شرکا کو اختیار تھا کہ وہ جو چاہیں پہنیں اور جوجی میں آئے کہ گزریں۔ شرکاء نے عجیب و غریب لباس پہن رکھے تھے اور انٹرنیشنل وکٹیں کر رہے تھے۔ میڈیہ میں شریک ہونے کے قواعد کی رو سے ایک دوسرے پر ہنسنے اور مذاق اڑانا منع تھا۔

نوائے وقت نے اپنی ۱۴ نومبر کی اشاعت میں سرا ہے میں یہ بھی لکھا ہے۔

جزمی میں ہر سال گیارہویں مہینے یعنی نومبر کی گیارہ تاریخ کو گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر پاگلوں کی میدانائی جاتی ہے چنانچہ اس سال بھی گیارہ نومبر کو پاگل عید کا بتوار منایا گیا۔ اس تقریب میں شرکار کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ عید لباس چاہیں پہنیں اور عیسیٰ حرکتیں چاہیں کریں چنانچہ لوگ عجیب و غریب لباس پہن کر اس تقریب میں شریک ہوئے جنہیں دیکھ کر کہنی مضطرب کرنا مشکل تھا.....

جزمی میں تو یہ عید سال کے بعد متلی جاتی ہے مگر پاکستان میں ہر ماہ یہ سلسلہ جتا ہے جزمی میں پاگلوں کی اس عید میں دیگوں کی کوئی چیل پہل نہیں ہوتی۔ لیکن ہمارے ہاں اس میں منہ کا مزہ لینے کا پورا سامان ہوتا ہے۔ نوائے وقت کے سپورٹس ایڈیشن میں اس خبر کے ساتھ یہ تصریح بھی موجود ہے۔

ہمارے ہاں بھی اس قسم کے میلے منعقد ہوتے رہتے ہیں بلکہ جزمی کے بکس ہمارے ہاں سال بھر پاگل میلے کا سامان جاری رہتا ہے اور منہ کا مزہ بد لینے کے لیے ہم کبھی ایک آدھ روز سنجیدگی سے کام لیتے ہیں۔

ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ گیارہویں شریف پر جمع ہونے والے لکھنؤ کے یہ بانکے سب ہوشمند بزرگ ہیں یا یہ واقعی اپنے فکری اور علمی حواس کھو چکے ہیں ہمیں اس کی تاریخ اس سے پہلے کی نہیں ملتی۔ جب انگریزی سرکار کی طرف سے اس کے لیے مولانا فضل رسول بدایونی کو گیارہ روپے میہ وظیفہ ملتا تھا۔

یاد رکھیے گیارہویں شریف کی اس رسم یا پاگلوں کی اس عید کا سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ایصالِ ثواب کے لیے بدعات کی آلائش کے بغیر جو کا بغیر سرانجام پائیں اس کا تقدس پاگلوں کی ان مخلصوں سے ہرگز مجروح نہیں ہوتا۔ منہ کا مزہ بد لینے کے لیے ان کے کھانے پینے کے سامان اور خوشبو سے مہکتی دگیں ہی تو وہ سامان جذب ہے جس پر ہر طرف سے جہاں کچھے چمٹے ہیں۔

جو منزل کو ایک طرف رکھتے صرف مسلمانوں کو لیجئے ان کے عوام جس جن معیت سے ان دیگوں اور ملودوں کے جلووں پر ایمان قربان کرتے ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے علماء تو تاویل کر کے اپنے ممکنے کی راہ بنا لیتے ہیں۔ لیکن ذہن حالی ان عوام کی قابلِ رحم ہے جو بھینس کا پورا دودھ اس راہ میں لگا دیتے ہیں مبادا گیارہویں والے پیر صاحب ہمارے بھینس مار نہ دیں یا اس کا دودھ خشک نہ کریں۔

## مسئلہ گیارہویں میں عوام و خواص کے دو مسلک

جہاں تک عوام کا تعلق ہے یہ ایک مشاہدے کا موضوع ہے اس پر کتابی حوالے کی بات نہیں چلتی۔ وہ اپنی بات کتابوں میں لکھیں تو عوام ہی کیا ہوتے۔ اس اہمیت کے لوگ تو پھر ان کے خواص میں بیٹھیں گے سو اس باب میں آپ ان عوام کے عمل اور ان کے انہماک کو دیکھیں۔

گیارہویں دینے والے عوام میں آپ کو ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ملے گی جو باقاعدگی سے نہ نماز پڑھتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور نہ وہ ایصالِ ثواب کے مسئلہ کو سمجھتے ہیں۔ وہ گیارہویں حضرت پیر صاحب کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور انہیں خوش کرنے کے لیے دیتے ہیں۔ جو گیارہویں انہیں دیتا اسے وہ بڑلا کہتے ہیں کہ وہ گیارہویں والے پیر صاحب کو مانتا ہی نہیں۔ گیارہویں دینا حضرت پیر صاحب کے حضور ان کی پیروی کو ماننے کا اقرار ہے۔

اہل علم غور فرمائیں کیا یہ نذرِ بغیر اللہ نہ ہوتی؟ کیا ان جاہلوں کا یہ معتمد نہ ٹھہرا کہ اگر ہم گیارہویں نہ دیں گے ہمارے بھینس مرجائے گی۔ نہ بھی مرے تو پیر صاحب کم از کم اس کا دودھ تو ضرور کم کر دیں گے اور یہ کہ حضرت پیر صاحب متصرف فی الامور ہیں۔ دنیا کا نظام وہی چلا رہا ہے۔

ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بعد ازاں والے کے

بلا میں مال دینا کام کس کا غوثِ اعظم کا

فحسکی نافذ فی کل حال سے ہوا عطا ہر

تصرف اس وجہ سب پر ہے آقا غوثِ اعظم کا ملہ



اس عیشے سے کہ حضرت پوری دنیا میں مستغرق الامور ہیں بلا میں وارد کرنا اور ٹالنا سب انہیں کے ہاتھ میں گیارہویں شریف کا ختم محض ایک ایسا ابواب کا عمل نہیں رہ جاتا۔ حضرت پیر صاحب کے حنظل ایک نذر ہے ایک نیاز ہے اور حضرت کو اپنے اوپر خوش کرنے کی ایک عاجزانہ صدا ہے۔

اب یہ مسئلہ تو فقہا سے پوچھیں کہ کیا اللہ کے سوا کسی کی تدرماننا جائز ہے؟ اگر آپ حنفی ہیں تو فقہ حنفی کی اس صراحت کو دیکھ لیں :-

وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُونُ لِلْمَخْلُوقِ  
ترجمہ۔ اور مخلوق کی تدرماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی روا نہیں۔

اور آگے جا کر علامہ شامی یہ بھی لکھتے ہیں :-

أَنَّ ظَنَّنَا أَنَّ الْمَنِيَّةَ مَبْتَصَرَفٌ فِي الْأُمُورِ دُونَ اللَّهِ تَعَالَى وَاعْتِقَادُهُ  
ذَلِكَ كُفْرٌ

ترجمہ۔ اگر اس نے گمان کیا کہ مروت بزرگ و نبوی امور میں تصرف کرتے ہیں اور اس کا اعتقاد یہی ہے تو اس نے کفر کیا۔

فقہ حنفی کے اس فیصلے کے خلاف بریلویوں کا یہ اعلان ایک دفعہ پھر پڑھ لیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :-

ان کا حکم جہاں میں نافذ      قبضہ کل رکھتے یہ ہیں  
قادر کل کے نائب اکبر      کن کا رنگ دکھاتے یہ ہیں نہ

جہاں تک تصرف کا تعلق ہے ان کا تصدق بدول اعتقاد تصرف ہے ہی نہیں اور اس کے بغیر یہ مل ہی نہیں سکتے۔ یہ اعتقاد تصرف ہی ہے جو انہیں خائفانہوں اور مقبروں پر جمع کئے رکھتا ہے۔

۷ ذی قرفت بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے  
 کار عالم کا مدبر بھی ہے عبد الستارؑ  
 اب اگر ماہنامہ رمضانے مصطفےٰ نے یہ کہہ دیا تو یہ مولانا احمد رضا خاں کی کہی بات ہی کی حد تک  
 بازگشت ہے۔

۷ ٹھکمی نافذ فی کل حال سے ہوا نافذ  
 قرفت انس و جان سب پر ہے آقا غوث اعظم کا  
 اس عربی کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شیخ نے فرمایا ہے۔  
 سو میرا حکم ہر حال میں نافذ ہے کون ہے جو میرے قرفت کو روک سکے۔  
 عوام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اس طرح مدبر عالم اور متصرف فی الامور سمجھتے ہوئے  
 ان کی گیارہویں دیتے ہیں اور اعتقاد کے اس پس منظر کے ساتھ یہ صریحاً نذر بغیر اثر ہے جو شرک کی  
 سرمد کو چھو رہی ہے۔

پھر تاریخ کا تعین عوام کے ہاں واجبات میں سے ہے دن کو ختم ہو تو گیارہ تاریخ کو یہ  
 گیارہ بجے ختم دلوائیں گے۔ رات کو ہو تو یہ رات گیارہ بجے ختم شروع کریں گے اور گیارہ بجکر گیارہ  
 منٹ پر اسے ختم کریں گے۔ خواص کے کھانے کی مجلس میں پہلے گیارہ پلیٹیں رکھی جائیں گی اور پھر  
 گیارہ قسم کے کھانے بڑی گیارہویں شریعت کے موقع پر زیب دستہ خواں ہوں گے۔ عوام اسے گیارہ  
 کے قصور میں اتنے کھو چکے ہیں کہ بے اوقات ان کے بلدا بھی ان کی اس گیارہ پرستی سے تنگ  
 جاتے ہیں۔ جب تک کھانا سامنے نہ لاکر رکھیں۔ ختم خواں کا کھانا بھی پورا کام نہیں کرتا۔

یہ بات بریلوی عوام کی ہر ہی محی۔ اب بریلوی خواص کی بات سن لیں انہیں اپنے ان  
 اہمال بدعت پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ تو وہ صاف اقرار کرتے ہیں کہ اسلام میں یہ کوئی ضروری عمل  
 نہیں ہے۔

مولانا ابوالبرکات کے صاحبزادے مولانا محمود احمد رضوی نے اپنے والد کی زندگی میں گیارہویں

کے بارے میں اعلان کیا تھا:-

نہ ہم فرض سمجھتے ہیں نہ واجب بلکہ تواضع کے درجہ میں رکھتے ہیں۔ جو شخص حضور غوثِ عظم کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب نہیں کرتا اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے کیونکہ مباحِ فعل کو واجب یا فرض کر دینا گمراہی ہے۔  
پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:-

۱. دن معین کرنا بھی حرام ہے ہاں ضروری نہیں۔ ۲. کھانا سامنے رکھا جائے یا پیٹھ کے پیچھے رکھ لیا جائے۔ ۳. غرباء میں کھانا وغیرہ تقسیم کر کے ثواب پہنچایا جائے۔ ۴. یا قرآن پڑھ کر ہر طرح جائز ہے۔

جب دن معین کرنا ضروری نہیں تو ان کے علماء جو گیارہ تاریخ کے افضل ہونے پر یا گیارہ کے عدد کے مشترک ہونے پر تقریریں کرتے ہیں کیا وہ سب کی سب بیکار نہ ہو گئیں۔

ہاں مولانا نے کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھنے کی جو صورت بیان کی ہے یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتی۔ مولانا کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھ کر کیسے کھاتے ہوں گے۔ یہ تو بڑا مشکل کام ہے اور کیا یہ کھانے کی طرح ہے اب وہی نہیں کھانا ہمیشہ سامنے رکھ کر ہی کھانا چاہیئے اور یہی سنت ہے۔

مولانا نے بتائیں یہ بھی تقسیم کیا ہے کہ ختم پڑھنا کھانا کھلانے سے پہلے ضروری نہیں کھانا کھلا کر بھی ایصالِ ثواب کی نیت کی جاسکتی ہے۔ کھانا نہ ہو تو صرف قرآن کریم کا بھی ایصالِ ثواب کیا جا

۱۔ یعنی ثواب کے درجہ میں نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ٹرین سے سفر کرنا جائز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس سے ثواب ملے گا۔ جن کاموں پر ثواب ملے ان کا کم از کم درجہ مستحب کا ہے یہ مستحب ایک شرعی حکم ہے جس کی دلیل شریعت سے لانی پڑتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے رضوی صاحب یہاں مباح کا الفاظ استعمال کرتے ہیں شریعت میں مباح اسے کہتے ہیں جس کے کرنے پر کوئی مواخذہ نہ ہو نہ یہ کہ کوئی اسے کارِ ثواب سمجھے۔ ۲۔ ماہنامہ رمضان لاہور ستمبر ۱۹۵۶ء ایڈیٹر مولانا محمود احمد رضوی۔

سکتا ہے۔ گیارہویں کے بارے میں یہ ان کے خواص کی رائے ہے۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں کے ہاں سکہ گیارہویں پر بالکل دو متضاد ذہن کام کر رہے ہیں۔ ایک ان کے عوام کا اور ایک ان کے خواص کا۔ یہ خواص جب اپنے عوام میں جاتے ہیں تو ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ نہ واجب ہے نہ سنت نہ محبت نہ گیارہ تاریخ کی کوئی تخصیص ہے نہ گیارہ بجے کی آمد نہ کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے کی۔

کیا ہم اس مقام پر پوچھ سکتے ہیں کہ گیارہویں کے موضوع پر مسجدوں میں جو آئے دن سرچھٹیل ہوتی رہتی ہے کیا وہ اتنے کمزور موضوع کی بات ہے جو مستحب یا مباح سے کچھ آگے نہیں بڑھتا اور اگر اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے یہ چھوٹے درجے کے اعمال کیسر چھوڑ دیئے جائیں تو اس میں کون سا آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ بریلویوں کو چاہیے کہ وہ ایسے چھوٹے درجے کے اختلافات کو جو مستحب یا مباح کے آگے کسی درجے میں نہ ہوں کیسر چھوڑ دیں۔

بریلویوں کے مولانا محمود احمد رضوی نے جس طرح کھل کر بات کہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے گیارہویں شریف کو کوئی ضروری عمل نہیں صرف مباح کے درجے کا ہے۔ اس طرح جمعیت علمائے پاکستان کے معتد ر سہنا شاہ فرید احمدی نے بھی مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے لیے ایک بہت اچھی بات کہی ہے۔ روزنامہ جنگ لاہور لپنڈی نے اپنی ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں آپ کے اس بیان کو نمایاں طور پر شائع کیا ہے :-

جو چیزیں فرائض اور واجبات میں شامل نہیں انہیں غنم کو دینا چاہیئے

بریلوی اپنے ان کاموں کو جو آئے دن امت میں اختلاف کا موجب بنتے رہتے ہیں ختم کرتے ہیں یا نہیں ہمیں اس سے بحث نہیں۔ تاہم ہم یہ عرض کیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر آپ نے اس طرح کے ایصال ثواب کو نہیں چھوڑا تو کم از کم اتنا تو کیجئے کہ گیارہویں شریف کا کھانا خود نہ کھائیں نہ دیگر اغنیاء کو کھلائیں۔ اسے صرف غریبوں کا حق سمجھیں اور یہ کھانا انہی تک پہنچائیں۔ پھر دیکھئے اس نیک کام سے

مسلمانوں میں اتفاق بڑھتا ہے یا نہ۔

حالات یہ ہیں کہ کوئی شخص بریلوی مولویوں کو گیارہویں کے ان کھانوں سے نہیں ہٹا سکتا۔ یہ پلاؤ زردہ حملہ اور کھیر توان کے دلوں کی جان اور ان کی دولت ایمان ہیں۔ کاش کہ یہ مولوی مولانا احمد رضا خاں کی اس بات کو ہی مان لیں۔

مردہ (مرحومین) کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہے عام دعوت کے طور پر جو کہتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے بلکہ ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں۔

شرعیات میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن۔ باقی یہ تعین عرفی ہے جب چاہیں کریں۔ انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے بلکہ

### عوام و خواص کے اختلاف کی صورت میں راہِ عمل

آپ یہ بات تفصیل سے پڑھ گئے ہیں کہ گیارہویں کے مسئلے میں عوامی ذہن اور بریلوی علماء کے عقیدے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عوام و خواص کے اس اختلاف کی صورت میں ان کے لیے راہِ عمل کیا ہے۔

فقہ حنفی کی روشنی میں اس صورت حال میں عوام کی بات کا اعتبار ہو گا خواص کا نہیں عوام کو شرک و بدعت کے اس اندھیرے سے نکالنے کے لیے ایسے اعمال کو کبیر ختم کرنا ہو گا۔ رہے علماء تو ان کو نقصان صوف ان طرح طرح کے کھاتوں سے محرومی کا جو گا اور یہ کوئی بڑا نقصان نہیں عوام کا دین و ایمان تو بچ جائے گا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ان کے مولوی جن عوام کی دولت پر چلتے ہیں انہی کے ایمان اور ان کی آخرت کو تباہ کرتے ہیں۔

نماز کے بعد سجدہ کرنا اپنی ذات میں کوئی عمل نا جائز نہیں مباح ہے لیکن عوام اسے سنت

یاد واجب سمجھنے لگیں تو یہ سجدہ شکر خراس کے لیے بھی ناجائز ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسے اختلاف کی صورت میں اعتبار عوام کا ہو گا خراس کا نہیں جلیل القدر حنفی فقیہ علامہ علی لکھتے ہیں :-

وما یفعل عقیب الصلوۃ فمکروہ لان الجمال یعتمد و ہما سنۃ اد واجبة  
وکل مباح یودی الیہ فمکروہ ب

ترجمہ۔ اور یہ جو نماز کے بعد سجدہ کا رواج ہو چلا ہے یہ مکروہ ہے کیونکہ عوام اسے سنت  
یاد واجب سمجھنے لگیں گے اور ہر مباح جو (عوام کی نظر میں) اس درجہ پر سمجھا جائے  
لگے وہ مکروہ ہے۔

اب کیا عوام ادب بریلوی جاہل اس عمل کی یاد ہوئیں کہ اپنے ذہن میں سنت اور واجب کے  
درجے میں نہیں سمجھتے ہیں تو اب بریلوی علماء کو چاہیے کہ انہیں ان بدعات سے روکیں نہ کہ انہیں  
تنبہائی میں کہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف دیوبندی اعتراضات کو ٹالنے کے لیے ایسی باتیں لکھتے  
ہیں یہ نہیں کہ ہمارے اہل عقیدے ایسے ہوں۔ اہل عقیدے میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

واذا دخلوا الی شیا طینہم قالوا انا معکم ابناء عن مستہزءون۔

یاد رکھئے ان لوگوں کو ان کی یہ تجارت ہرگز کوئی فائدہ نہ دے گی انہوں نے خود  
ہدایت کے بدلے گمراہی خرید رکھی ہے۔

اولئک الذین اشتروا الضلالة بالمعدی فارحمت تجارتہم وما  
کانوا مہتدین۔

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔ سو نہ فائدہ دیا ان  
کو ان کی تجارت نے اور نہ ہی وہ ہدایت پانے والے۔

یہ حضرات اندر سے خود بھی اپنے عوام کے ساتھ ہیں اسے محض ایصالِ ثواب نہیں جانتے نہ سمجھتے  
ہیں اسے محض ایک مباح عمل سمجھتے تو شاہ فرید سختی کے مشربے پر اسے چھڑا دیتے۔

اب اگر بریلوی اتحادِ ملت کے وسیع تر مقصد کے لیے گیارہویں کی رسم نہیں چھوڑتے تو سوا اس کے کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اسے صرف ایصالِ ثواب نہیں سمجھتے حضرت اشیر سید عبدالقادر جیلانیؒ کی عظمت و سطوت کے آگے نذر مانتے ہیں۔ مبادا حضرت پیر صاحبؒ کا جلال ان کی بھینسوں کو نہ مار ڈالے۔

اب آپ ہی بتائیں کیا یہ محض ایصالِ ثواب ہے یا نذر غیر اللہ ہے؟ کیا اس میں حضرت پیر صاحبؒ کی تعظیم ساتھ نہیں اور کیا یہ گیارہویں دلانے والے حضرت پیر صاحبؒ کے جلال کے آگے جھکے نہیں جا رہے ایصالِ ثواب عام اموات کا بے شک ایصالِ ثواب ہوگا لیکن گیارہویں کو تو یہ لوگ حضرت پیر صاحبؒ کے حضور ایک نذرانہ تعظیم اور ایک منت سمجھتے ہیں جس سے ان کے بگڑے کام بنتے ہیں اور ڈوبے بیڑے تر تے ہیں۔ یہ ایک نیاز ہے جسے یہ پیر صاحبؒ کے حضور پیش کرتے ہیں۔

اس بات کے ثبوت کے لیے کہ ان کے ہاں گیارہویں صرف ایصالِ ثواب نہیں یہ پیر صاحبؒ کے حضور ایک نذرانہ تعظیم ہے۔ ایک نیاز ہے اور ایک منت ہے۔ بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں کی اس عبارت کو دیکھئے:-

مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے کے ساتھ پہنچاتے ہیں عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں اور لیا کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔

یہ ختم گیارہویں پیر صاحبؒ کی ایک منت ہے۔ اس کے لیے حضور کے مولوی عبید اللہ صاحبؒ کے رسالہ نذرِ اولیاء کا حصہ ۷ ملاحظہ ہو آپ لکھتے ہیں:-

سرکارِ بعداد کی نذریں مانی جاتی تھیں۔

اب آپ ہی انصاف کریں یہ گیارہویں کا ختم کیا محض ایصالِ ثواب ہے یا یہ حضرت پیر صاحبؒ کی منت ہے کہ آپ کہیں ہماری بھینس کو نہ مار دیں اس لیے یہ نذرانہ تعظیم پیش کیا جا رہا ہے۔

نذر کرنا تو دینے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ مگر نذر ماننا دینے کے معنی میں نہیں ہوتا۔ نذر ماننا ان بزرگوں کے تقرب کی تلاش اور ان سے اپنے کام نکلوانے کی ایک التجا ہے اور یہ پیشکش اس کے لیے ایک نذرانہ — جو ان کے بگڑے کام بناتا ہے اور انہیں شرک کی دلدل میں گراتا ہے — ہے کوئی غرض نصیب جو اس دلدل سے نکلے اور شرک سے توبہ کرے

افسوس کہ یہ لوگ تو بتوں پر پڑھائی گئی نذرروں کو بھی حلال سمجھتے ہیں انہیں کھانے سے غرض ہے اور صورت جو بھی ہو جاتی رہے۔ اور گیارہویں میں تو بتوں کی بات نہیں حضرت پیران پیرؒ کو تعظیماً ثواب دہرہ کیا تھا۔ کیا یہ ان کے نام کی نذریں نہیں؟ ایصالِ ثواب میں تعظیم کی نیت آنے سے ہی یہ عمل نذر بن جاتا ہے۔

جب ان کے ہاں کوئی تندر ممنوع نہیں تو گیارہویں شریف جسے یہ حضرت پیران پیرؒ کی نذر مانتے ہیں ظاہر ہے کہ ان پر اس کے تندر فیض نشر ہونے کا کوئی بوجھ نہیں آتا۔ اگر یہ لوگ اپنے عوام کو مغالطہ دینے کے لیے اسے ایصالِ ثواب کہتے رہیں تو یہ صرف ان کی ایک مصیبت ہے لیکن اس مصیبت سے یہ نذر ایصالِ ثواب نہیں بن جاتی۔

## شیخ حسدو کے بکرے اور شاہ مدار کے مرغے

بات صرف گیارہویں کی کھیر کی نہیں نہ یہ کہ یہ ایصالِ ثواب نہیں میلان بزرگوں کی تعظیماً نذر ماننا ہے۔ یہ لوگ جب شیخ حسدو کے مزار پر بکرے لے جاتے ہیں تو انہیں وہاں خدا کے نام سے ذبح کرتے ہیں مگر اس میں تعظیم اور تقرب شیخ حسدو کا ملحوظ ہوتا ہے۔ گھر کی عورتیں بھی جب نذر مان لیں تو ان کے ہاں خادند کو اس نذر کا پورا کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ۔ اب یہ ایصالِ ثواب ہوا یا نذر ماننا۔ آپ فیصلہ کریں یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ اعمال گیارہویں کی کھیر ہو یا شیخ حسدو کے بکرے شیخ عبدالحق



کی سرستی ہو یا شاہ مدار کے مٹنے سے غمزداریں ہیں۔ مگر بریلویوں نے اہل سنت میں پذیرائی پانے کے لیے اس کا نام اعیالِ ثواب بنا رکھا ہے اور اصل نیت ان کا نذر ماننا ہوتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے والد مولانا نعمی علی خاں لکھتے ہیں :-

جب گھر کی بنیابی نے شیخ سدوکا بکرا یا دار صاحب کا مرغی مان لیا تو میاں کو کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ رہے۔

ماننے کے نذر پر غور کیجئے۔ یہ سنت ماننا ہے یا اعیالِ ثواب کرنا۔ آپ ہی فیصلہ کریں ہم کہیں گے تو آپ کو شکایت ہوگی کہ ہمارے رازوں سے پردہ کیوں اٹھ رہا ہے ہم کہیں گے نہاں کے ماندائیں راز کے کند سازندہ مغلہا۔  
کیا مولانا احمد رضا خاں کے والد بھی دیوبندیوں سے ملے ہوئے تھے۔

### بریلوی مولویوں کی اپنے لیے نذر جانز کرنے کی دلیل

جب ہم کہتے ہیں کہ نذر و نیاز کی دہلیں اور ختم کے کھانے اغیار اور مولویوں کے لیے جانز نہیں یہ خاصۃً غریب اور مساکین و یتامی کا حق ہے۔ بریلوی علماء کہتے ہیں کہ فقہ کے اس قانون سے ہم مستثنیٰ ہیں۔ نذر کا کھانا مذہبی پیشواؤں کے لیے مشروع سے جائز رہا ہے۔ انجیل میں اس کی شہادت موجود ہے اور شریعت محمدی نے اسے منسوخ نہیں کیا۔ یہ اصل ہے ہمارے پاس ختم اور اعیالِ ثواب کے جالیسرس کھانے کا یہ اصل مرجع ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان حضرت دائد کے ذکر میں موجود ہے وہ خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی دعائیں کھائیں بن کا کھانا اس کو روا تھا نہ اس کے سامعین کو مگر صوف کا ہنوں کو ملے۔

کاہن یہودیوں کے مذہبی پیشوا تھے۔ وہ نذر کے کھانے بے دریغ ہڑپ کرتے تھے۔ حضرت

۱۔ سرور القلوب ص ۳۶۱ ۲۔ انجیل متی باب ۱۲ آیت ۸-۱۰ مشن سیم پریس لدھیانہ

حضرت علیہ السلام نے ان کے لیے صدقہوں اور فخر کے گمانے کو ہمارے نہیں کیا۔ پھر نے یہ بات ایک ناراض دل سے کہی ہے جیسے آج ہم کہیں کہ بریلوی سرحدی کس طرح غریبوں اور یتیموں کا حق ہلاؤ کار ہم ہم کہتے ہیں۔ اس احمیت سے اگلی آیت ملاحظہ ہو:-

تم نے قورات میں نہیں پڑھا کہ اکابرین سب کے دن بیگل میں سبت کی بے حتمی کرتے ہیں اور بے قصور رہتے ہیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ یہ بات بطور طنز فرما رہے ہیں۔ ان پر دستوں میں بریلوی، مولویوں میں فرق ہے تو سمیت اہل جمعرات کا — وہ سمیت کے دلن ندر کی روٹیاں توڑتے تھے، اہل یہ جمعرات کو۔

ثانیاً عیسائی پادری اگر انجیل کے اس جزئیہ سے استدلال کریں تو کر سکتے ہیں۔ ان کا اصل مذہب یہ ہے کہ پادری تنخواہ نہیں لیتا۔ شادی شدہ نہیں ہوتا۔ نہ وہ کوئی جائیداد خریدتا ہے۔ وہ اگر نذرانوں پر گزارہ اوقات کرے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن بریلوی مولوی تو اس حال میں نہیں ہیں ان کے لیے یہ ایصالِ ثواب کا کھانا اور جھرتا کا ختم کیسے حلال ہو گئے؟ فاعتبہ رعایا اولی الابصار۔

تہ نے اگر عیسائیوں کے پیچھے چلنا ہی ہے تو یہ خطرہ بھی لینا پڑے گا کہ دنیا کہے بریلویت عیسائیت کی ہی ایک نشاۃِ جدید ہے۔

مرانا احمد رضا خاں نے تو مطلقاً یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ اس میں بریلویوں کے لیے انجیل کے بیان کی طرح کوئی استثناء نہیں رکھا تھا۔ ہم کہاں کھڑے گئے۔ اس خلافِ مراد مسئلے پر اپنے اعلیٰ حضرت کو بھی بھڑل گئے۔

ہم اس پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلیہ اتم واحکم۔

## عید میلاد النبیؐ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی اجتماعی طور پر منانا عید میلاد النبیؐ کہلاتا ہے۔ عید یہاں خوشی کے معنی میں ہے۔ جیسے کوئی دوست دیر سے ملے تو سبانتہ کہتے ہیں کہ آج عید ہو گئی۔ عید میلاد النبیؐ میں بھی عید اسی معنی میں ہے۔ عید کی حقیقت شرعی اس میں مراد نہیں ہوتی۔ جس طرح عیدین کے دن اجتماعی خوشی ہوتی ہے۔ کسی خوشی کو عید بنانا اسے اجتماعی شکل میں منانا ہے۔ ولادت النبیؐ کی اجتماعی خوشی کرنے کو عید میلاد النبیؐ کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی کو اجتماعی طور پر منانا ایک ایسا عمل ہے جس کا سبب باعث اور محرکات سب عہد صحابہ میں بھی موجود تھے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو آج سامنے آیا ہو۔ وہ تمام محرکات و دواعی جن پر آج عمل کی بناء رکھی جاتی ہے۔ عہد صحابہؓ اور قرون مشہود لہذا بالآخر میں باحساس اتم موجود تھے۔ لیکن ہمیں کوئی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے کبھی اس موقع پر اجتماعی خوشی کی ہو۔ آخر کیوں؟ اور نہ سہی کبھی آپؐ کی اولاد حضرت سیدہ فاطمہؓ حضرت ام کلثومؓ حضرت امامہؓ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے ہی کبھی اپنے والد اور نانا کا یوم ولادت منایا ہو۔ اس کا آپؐ کو کبھی ثبوت نہ ملے گا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ کیا آپؐ نے اس پر کبھی غور کیا۔

ولادت اور وفات کا تعلق ذاتیات سے ہے۔ نکاح اور اولاد کا موضوع بھی انسان کی ذات ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آمینہ ذات میں نہیں آمینہ رسالت میں دیکھتے تھے۔ آپؐ کی ولادت کی خوشی بھی اسی لیے ہے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ ورنہ محض ولادت کی خوشی تو بالولہب کو بھی ہوتی تھی جس نے آپؐ کی ولادت کی خبر سنتے ہی خبر دینے والی باندی آزاد

کردی تھی۔

ولادت کو ذات کے اعتبار سے دیکھیں تو خوشی کا انداز جہاں باقی ہوگا۔ رسالت کے اعتبار سے دیکھیں تو ہمدن اطاعت غالب ہوگی، مجال ہے اس کی خوشی کسی ایسے طور پر ہو جس کی تعلیم اللہ رب العزت اور اس کے رسول برحق نے خود نہ دی ہو صحابہؓ نے آپ کا کلہ بڑے خلوص اور بڑی ذمہ داری سے پڑھا تھا۔ وہ اس ماحول کو قائم رکھنا جسے حضور رسالت مآبؐ نے ترتیب دیا اور سنوارا اپنے ہر جہاں باقی عمل اور جہاں باقی نعرے سے فائق اور منہمک سمجھتے تھے، بھینک بھی آئے تو وہ یہ دیکھتے تھے کہ ایسے موقع پر خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کیا ہے۔

مطلق محبت جذبات اور ان کا اظہار چاہتی ہے اور جس محبت کے پیچھے کوئی روشن سبب کار فرما ہو اس محبت کے داعی محبوب کی عقیدت اور اطاعت میں گھلے چلے جاتے ہیں۔ وہ پھر کئے بھی نہیں پاتے مگر یہ کہ قربان ہو جاتے ہیں۔

اے سرخ سحر عشق نہ پہرہ اندہ بآمود  
کات سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

آج بھی جس دل و دماغ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جلوہ پیر ہوگی وہ آپ کی ولادت کی خوشی کو ذاتیات کے پہلو سے نہ دیکھے گا۔ آئینہ رسالت میں دیکھتے دیکھتے اپنی زندگی کے ہر قدم کو آپ کی سنت اور سیرت کے ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے گا۔ صحابہؓ آپ کے اسی جذبہ محبت سے سرشار تھے۔ اس لیے انہوں نے کبھی آپ سے مطلق محبت کے جذبات کا اظہار نہ کیا تھا۔

## آپ کی ولادت کی اجتماعی خوشی کرنا کب سے شروع ہوا

صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد دو قرن یہ وہ زمانے ہیں جن کے خیر ہونے کی خبر خود حضورؐ۔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ ان قرونِ ثلاثہ مشہور لہجہ بالخیر میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت کی خوشی اجتماعی طور پر منی گئی تھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود دنیا میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت بھی صحابہ کرام نے کبھی آپ کو آپ کے یوم پیدائش پر مبارکباد نہ کہی تھی۔ نہ ہی آپ کے سامنے آپ کے یوم پیدائش کا کبھی تذکرہ کیا تھا۔

آپ کی تاریخ پیدائش میں تو کچھ اختلاف ہے (محقق بات ۹ ربیع الاول ہے) لیکن یوم ولادت (سوموار) میں کوئی اختلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے غالباً اسی حکمت سے کہ آپ کے یوم پیدائش کو کہیں کوئی شرعی تقدس نہ دے سوموار کو ہی پہلی وحی فرمائی۔ آپ غار حرا میں تھے جب پہلی وحی آئی۔ اور وہ سوموار کا دن تھا۔ اب اس دن کو ایک یاد نہیں دو یادوں نے گھیر لیا۔ باس اس دن کو کوئی شرعی حیثیت نہیں دی گئی۔ شرعی حیثیت دونوں میں سے صرف مجھے کو حاصل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا مگر کبھی صحابہ کو اس کی تعلیم نہ دی نہ کبھی اجتماعی طور پر اسے منانے کا حکم دیا۔ صحابہ نے آپ سے سن کر اسے اپنے ہاں رائج نہ کیا نہ کسی امام اور مجتہد نے اس دن کے روزے کو اجتماعی صورت دی ہے۔

حضرت البرقہ اہل الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے روزے کے دن روزہ روزہ رکھنے کا پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

ذالِ یوم ولدت فیه ویدوم بعثت و انزل علی فیه۔

ترجمہ۔ اس دن میں پیدا ہوا تھا اور اسی دن میری بعثت ہوئی یا فرمایا سوموار کے دن ہی مجھ پر (پہلی) وحی اتری۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی پوچھنے پر ارشاد فرمائی۔ صحابہ کو اس یوم ولادت پر نہ کسی عمل کا حکم دیا نہ روزے کا۔ اللہ رب العزت نے اسی دن آپ پر وحی کا آغاز فرمایا۔ اب کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس ولادت کی خوشی میں سوموار کا روزہ رکھ سکے۔ جب وہ ایسا کرے گا آپ کی بعثت کا تصور خواہ مخواہ اس پر محیط ہوگا اور دونوں کے ملنے سے بات یہاں پر آئے

گئی بہ سنانوں کے لیے آپ کی ولادت کی خوشی بھی رسالت کے باعث ہے۔ مدعہ خوشی جو آپ کی پیدائش پر  
الہیہ نے کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کی بعثت کو احسان فرمایا ہے۔ اس بعثت سے چالیس سال پہلے  
آپ کی ولادت ہو چکی تھی مگر اس ولادت پر بہار اس وقت آئی جب اللہ تعالیٰ نے بطور رسول آپ کی  
بعثت فرمائی اور آپ اللہ تعالیٰ کے نمائندے مٹھرے تقدس من اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولاً  
آپ کی اس حیثیت کو سامنے رکھے بغیر جب آپ کی ولادت کی خوشی منانی جائے گی تو اس میں  
مطلق محبت کا اظہار تو ہو سکے گا ولادت آئینہ رسالت میں نہ دیکھی جائے گی۔ یہ وہ محبت ہے جو ہر کسی  
کی برات نہیں اہل تقویٰ کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کی اجتماعی خوشی منانا عہد صحابہؓ اور اگلے  
دو دنوں قریں میں نہ تھا لیکن یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اس کا آغاز کب ہوا۔

سب سے پہلے ملک اربل منظر البر سعید (۶۲۰ھ) نے محفل میلاد قائم کی اور اس کے بدعت  
ہونے سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے بریلی بھی اسے بدعت تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اس سے آگے وہ اسے  
حسنہ کہہ کر اپنے لیے معافی کی گنجائش پیدا کر لیتے ہیں۔

محفل میلاد کا مرکزی محفل قیام تنظیمی ہوتا ہے اس کے بارے میں مولانا محمد داہود احمد رضوی مدیر  
ماہنامہ دھواں مراحت سے لکھتے ہیں:-

لوگوں کی یہ عادت جاہلی ہو گئی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک کا  
ذکر کرنا۔ فرما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے یہ قیام بدعت ہے  
جس کی کوئی اصل نہیں یعنی بدعت حسنہ

مجاہدہ بدعت بھی جس کی سرے سے کوئی اصل نہ ہو بدعت حسنہ ہر سختی سے اسے پاپ  
خود خود فرما میں تاہم مولانا محمد داہود رضوی کی یہ بات لائق تہنیت ہے کہ انہوں نے سیرت علیہ السلام کی پیروی

میں تسلیم کر لیا کہ یہ قیام تعلیمی بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ وہی یہ بات کہ ان کے نزدیک یہ بدعت حسنہ ہے تو اس کے جواب میں ہم اس پر گفتگو کریں گے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ہمیں کسی بدعت حسنہ کو بھی اپنانے کی اجازت نہیں دی۔ آپ فرماتے ہیں:-

بدعت کیا اور حسن کیا۔ فیر کسی بدعت میں حسن نہیں دیکھتا۔ یہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے

اس سے پوری طرح بخیر چاہیے۔

قیام تعلیمی تو ایک طرف رہا۔ آپ تو خود محفل میلاد کو بھی پسند نہیں کرتے۔ اپنے محفوز زادوں کو کہتے ہیں:-

بہ نظر انصاف بہ پسند کہ فرضاً حضرت ایشاں دریں اداں در دنیا سے بودند و این مجلس

و اجتماع منعقد می شد آیا بہ این راضی می شدند و این اجتماع را سے پسندیدند یا

نہ؟ یقیناً فیر اس است کہ ہرگز اس معنی را تجویز نہ فرمودند بلکہ انکار سے نمودند بلکہ

ترجمہ انصاف سے دیکھئے اور فرض کیجئے کہ اگر حضرت والا اس وقت دنیا میں موجود

ہوتے اور یہ مجالس و اجتماع منعقد ہوتے تو کیا آپ اس سے راضی ہوتے اور اس

اجتماع کو پسند کرتے۔ مجھے یقین ہے آپ اسے ہرگز جائز نہ فرماتے بلکہ اسے منکرات

میں شمار کرتے۔

یہاں یہ بحث نہیں کہ حضرت مجدد ثانیؒ کے عقیدے میں حضرت والاؒ اس وقت اس دنیا میں

موجود ہیں یا نہ؟ ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آپ اگر یہاں ہوتے تو ان محافل و مجالس کو قطعاً

پسند نہ کرتے۔ رہا یہ امر کہ لوگ حضرت کی تعلیم کے لیے کھڑے ہوں۔ آپ نے دنیا میں بہتے ہوئے کبھی

اس کی اجازت نہ دی تھی۔ صحابہ کرامؓ کبھی آپ کے لیے دائرہ باندھ کر یا صف بناکر کھڑے نہ ہوتے تھے

کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اسے ناپسند کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

لَوِیْکُنْ شَخْصٌ اَحَبُّ اِلَیْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانُوْا اِذَا  
لَاوَهُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ کَرَامَتِهِ لِذٰلِكَ ۝

ترجمہ کوئی شخص صحابہ کرامؓ کو اس شخصؓ سے زیادہ پیارا نہ تھا لیکن جب وہ آپ کو  
دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضورؐ اس قیامِ تعلیمی کو  
نا پسند کرتے ہیں۔

یہ کون سا قیام ہے جس سے صحابہؓ کے دہتے تھے اور نذر رسالت سے اسے کمرہ جانتے تھے  
۱۔ یہ وہ قیام ہے جو اتفاقی ہو کہ حضورؐ کہیں اور سے آجکلے اور یہ ادب سے اٹھ کھڑے ہوں۔ ۲۔ حضورؐ  
سامنے ہوں اور یہ قیام آپ کے سامنے ہو — جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قیامِ تعلیمی کو بھی  
کمرہ جانتے تھے جو آپ اگر کہیں وہ قیام دیکھ لیتے تو آج بریلویں میں رائج ہے تو اس سے آپ کس  
قدر پریشان ہوتے یہ آپ سرچیں۔

سامنے حاضری کی صورت میں قیام تو کسی خدمت کے لیے بھی ہو سکتا ہے جیسے حضرت سعد بن ذکوانؓ  
جب آئے تو چونکہ وہ زنجی تھے آپ نے صحابہؓ کو کہا قوموا الی سیدکم — یہ قیامِ خدمت تھا۔  
فانزلوه من المحار۔ (رواہ احمد) اس قیام کی تو کچھ سمجھ آتی ہے لیکن جب سامنے بھی کوئی نفر نہ آئے  
اور یہ قیام تعلیمی صرف غائبانہ تصور باندھ کر ہوا اور اسی تصور میں پھر نماز کی طرح ہاتھ بھی باندھ لیے  
جائیں تو یہ قیام اس قیام سے اور بھی وحشت ناک ہو جائے گا جسے صحابہ کرامؓ نذر رسالت میں کمرہ  
سمجھتے تھے یہ قیام تعلیمی تو اب قیامِ تعبدی کے قریب قریب آگیا ہے۔

پھر اس سے آگے کی منزل اور بھی خطرناک ہے کہ سلام پڑھنے والا آپ کو حاضر و ناظر بھی مقلد  
کہہ رہا ہو اور اسے واجب بھی جانتا ہو مولانا عبدالمسیح رامپوری جو تجویزِ بدعات میں بریلویوں کے  
اعلیٰ حضرت ہیں (جس طرح محفیز میں مولانا احمد رضا خاں ان کے اعلیٰ حضرت ہیں) قائلینِ قیام کے ۵، نمبر  
منفی سے نقل کرتے ہیں اور قیام کو واجب ٹھہراتے ہیں۔



بجاء القیام عند ذکر ولادته صلی اللہ علیہ وسلم استحسنہ العلماء

الاعلام وقد اذی الدین والاسلام

ترجمہ حضورؐ کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا واجب ہے اس واجب کرنے کو بڑے بڑے علماء نے پسند کیا ہے۔

ہم مفتی احمد یار صاحب بکراتی کے شکریہ گزار ہیں کہ انہوں نے انوار ساطعہ کے اس فقرے کی کھلے طور پر تردید فرمادی۔ لیکن افسوس کہ جھوٹ بول کر — کہ وجوب قیام کا فقرے اب تک ان کے کسی عالم نے نہیں دیا۔ دیکھئے کیا یہ کھلا جھوٹ نہیں مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں:

یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں نہ کسی عالم دین نے لکھا ہے کہ قیام واجب ہے۔

جب میلاد شریف قیام کے بغیر بھی ہو جاتا ہے تو آج قیام تعطیلی محفل میلاد کا رکن منظم کیوں بنا ہوا ہے؟ بریلوی علماء اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ دوسرے عقیدے کے لوگ اگر کسی مشترک اجتماع میں آئیں اور وہاں حضورؐ کی ولادت کا بیان ہو تو انہیں مجلس سے نکلنے کے لیے یہ قیام واجب ہو جاتا ہے کہ وہ تو اس بدعت میں شامل ہونے سے معذور ہوں گے یا بیٹھے رہیں یا چلیں جائیں گے پہلی صورت میں وہ تارکب واجب ہوں گے اور دوسری صورت میں وہ آسانی سے درود و سلام کے متکثر قرار دیئے جاسکیں گے بس یہ ایک ضرورت ہے اور اس صورت میں قیام واجب ہو جاتا ہے

سورہ قیام تعطیلی نہ ہوا قیام تفرقہ ہوا جس کا مقصد مسلمانوں کے ایک دوسرے طبقے کو مجلس سے اٹھانا یا تفرقہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ ان کے دل ایک صورت میں یہ قیام واجب بھی ہے اور مفتی احمد یار صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں جو اس کا انکار کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔

محفل میلاد میں بوقت صلوٰۃ و سلام قیام کرنا مستحب و مستحسن ہے اور ایک صورت میں واجب ہے۔

قیام بوقت صلوٰۃ و سلام ہے یا بوقت ذکر و ولادت، اسے ملا نظام الدین مغانی پھر بھول لئے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کی زیادہ تو تجربہ صرف اس حدیث پر مبنی جس میں یہ قیام واجب ہو جاتا ہے اور تفرقہ کی کوئی حدیث نکل ہی آتی ہے۔

بریلوی علماء کا جب اصل مقصد ہی تفرقہ اور اہل السنۃ و الجماعۃ کی باہمی تفریق ہے تو کیا وہ اپنا یہ مقصد کسی اور طریق سے حاصل نہیں کر سکتے۔ اپنے اس مذموم مقصد کے لیے حضورؐ کے نام کو استعمال کرنا کون سا ایمان اور کس قسم کی تعظیم شان رسالت ہے۔ یہ آپ سچ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو تفرقہ بین المسلمین کے فضاہل مقصد کے لیے استعمال کرنا اور وہ چیز جو شرعاً واجب نہ تھی اسے اس لیے واجب کرنا کہ بیٹھ کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے قائلین (مسبک نمازیں بیٹھ کر صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے) مجلس سے نکل جائیں۔ یہ ایسی مذموم حرکت ہے کہ اس کے مجوز بریلوی علماء شاید ہی اس باب میں اللہ کے حضور کوئی غدر پیش کر سکیں۔

### ملک اربل کے محفل میلاد مقرر کرنے پر علماء کا ردِ عمل

ملک اربل کا اصل مقصد علماء کرام کو ائمہ مجتہدین کی پیروی سے ہٹانا اور خود نئے نئے اجتہادات کا غرر کرنا تھا جب وہ قرآن و حدیث سے آزادانہ اجتہاد اور استنباط کریں گے تو پھر کون سی بات ہے جو ثابت نہ ہو سکے اور کون سی بات ہے جو رد نہ ہو سکے۔ اصول فقہ کی جب پیروی نہیں تو اب جو مسئلہ چاہو قرآن و حدیث کے نام سے چلا دو۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی بُردی سیاسی گاڑی اسی راہ سے نہیں چلائی۔ یاد رکھئے اگر کوئی چیز اس بے دین راہِ روی سے روک سکتی ہے تو وہ ائمہ سلف کی پیروی ہے اور ملک اربل اس کا مخالف تھا۔

ملک اربل کے پس پردہ جو غیر متعلقہ عالم اس فتنے کو ہوا دے رہا تھا وہ عمر بن وحید الوائلی

(۶۳۳ھ) تھا۔ اس کا مسلک حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) کی زبان سے سنئے :-

کثیر الوفیعة فی الائمة و فی السلف من العلماء خبیث اللسان احمق

مشہد الکبر قليل النظر في امور الدين متمه و نالہ

ترجمہ۔ وہ ائمہ دین اور علمائے سلف کی شان میں بہت گستاخیاں کیا کرتا تھا بڑا بدگ  
تھا بڑا احمق تھا اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھتا تھا غرور و فکر (دفعہ) میں بہت کم تھا  
دین کے کاموں میں بہت سست تھا۔

اس غیر مقتدہ کے ساتھ اور بھی کئی مولوی لگ گئے۔ بادشاہ اس محفل میلاد پر ہر سال تین لاکھ  
روپیہ خرچ کرتا اور ان مجالس کو دنیوی اعتبار سے ہر طرح کی رونق سے آراستہ و پیراستہ کیا جاتا۔  
دنیا پرست مولوی اس سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے یہ وہ راہ ہے جس سے اس امت میں  
بدعات داخل ہوئیں اور یہی وہ محرک ہے جس نے بریلویت کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ مولانا  
محمد عمر اچھر وی بھی غیر مقتدہ تھے اچانک بریلوی قبا میں جلوہ گر ہوئے اور فقہ سے ہٹ کر قرآن و  
حدیث کے نام سے اپنے عقائد شریک اور اعمال بدعت کو علمی استناد مہیا کیا۔ ۱۹۵۹ء میں انہوں  
نے قوم کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ حضورؐ کے یوم پیدائش پر عید میلاد کی نماز قائم کی جائے اور مسلمان  
اپنے بنی کی پیدائش کی خوشی میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کریں۔ مولانا ابوبحسنت قادری نے  
اس کی مخالفت کی اور اس طرح یہ تجویز آگے نہ چل سکی۔ بریلویوں کے لیے بازار گلیاں سبانا آسمان  
تھا مگر نماز پڑھنے کی زحمت ان کے لیے سخت تھی۔

اہل حدیث حضرات حضورؐ کی پیدائش کی خوشی میں آپ کے یوم پیدائش پر روزہ رکھنے کے  
قائل ہیں۔ اہل السنۃ کے نزدیک یہ عمل صحابہؓ سے ثابت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل جسے  
صحابہؓ نے اختیار نہ کیا ہو کسی علت خفیہ سے متعلق ہوتا ہے وہ امت کے لیے راہ عمل نہیں بنتا  
امت کے لیے آپ نے شاہراہ ما انا علیہ واصحابی قائم کی ہے بہت روزہ تعلیم الحدیث لاہور  
کے ۲۸ نومبر ۱۹۸۶ء کے شمارے میں ہے۔

مسلمان اگر ولادت نبوی کے شکوائے میں یوم ولادت پر روزہ رکھیں تو یہ بلاشبہ

جائز ہے بلکہ سنت رسول ہے۔

حنوف کے سوموار کے روزے میں تو یوم بعثت کا بھی ذکر ہے۔ معلوم نہیں ائمہ حدیث بندہ کوں نے یہ یوم پیدائش کا روزہ اور وہ بھی بد نیت شکرا نہ یہ کہاں سے نکال لیا ہے۔

ہم نہ یوم پیدائش پر شکرا نہ کی نماز کی تائید کرتے ہیں نہ روزے کی۔ اگر یہ کوئی لائق عمل بات ہوتی تو کیا صحابہ کرامؓ اس پر عمل پیرا نہ ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش کو اجتماعی طور پر منانے کی طرح منظر الدین ملک اربل نے اپنے وقت کے غیر مقلد عالم عمر بن وحید ابو خطاب کے فتوے سے ڈالی تھی۔ علمائے اہلسنت نے حنفی ہوں یا صنفی۔ مالکی ہوں یا شافعی کسی نے اس اجتماعی خوشی کو شرعی تقدس نہیں دیا نہ اس باب میں صحابہؓ کا کوئی خاص عمل منقول ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش پیر کا دن ہے جو ہر شیعہ آتا ہے۔ معلوم نہیں بریلوی حضرات اس یوم پیدائش کو ۱۲ ربیع الاول پر کیسے لے آئے اور افسوس ہے کہ ائمہ حدیث معذرت نے آپ کے یوم پیدائش کا روزہ رکھنے کو ۱۲ ربیع الاول کی بحث میں کیسے سیٹ کر دیا۔ اگر ان کے علماء آپ کے یوم پیدائش پر شکرا نہ کا روزہ رکھتے ہیں تو انہیں اس بات کی وضاحت کر دینی چاہیئے معنی کہ ہم سوموار کے دن حنفی کی پیدائش کے شکرا نہ میں روزہ رکھتے ہیں نہ کہ ربیع الاول کے کسی خاص دن جب حنفیوں اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

علمائے دیوبند کے ہاں صرف ذکر ولادت مندوب ہے اور وہ بھی کسی خاص ملای سے مخصوص نہیں غفل میلاد اور چیز ہے اور ذکر ولادت بابتخصیص وقت و دن اور چیز۔ لوگ اس امر مندوب پر حنفی قیدیں بڑھاتے جائیں گے اس عمل میں کراہت آتی جائے گی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۲۲۳ھ) لکھتے ہیں:-

فمن ذکر ولادت مندوب ہے اور اس میں کراہت قیود کے سبب آتی ہے۔

ملک اربل نے غیر مقلد علماء کی کراہت پر جو غفل میلاد ترتیب دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے یوم پیدائش کو اجتماعی طور پر منانے کی طرح ڈالی۔ علامہ نصیر الدین شافعی، علامہ ابن امیر السحاج مالکی، حافظ ابن تیمیہ منبلی (۷۲۸ھ) اور حضرت مجدد الف ثانی حنفی (۱۰۲۵ھ) نے اپنے اپنے وقت میں اس کی پرزور تردید کی اور بدعت کے سیلاب کے آگے ہر طرف سے روک کے پل باندھے۔ علامہ ابن امیر السحاج مالکی لکھتے ہیں:-

ومن جملة ما احدثه من البدع مع اعتقادهم ان ذلك من اكل العبادات  
واظهار الشعائر ما يفعلونه في الشهر الرابع الاول من المولد وقد احتوى  
ذلك على بدع ومعومات ..... لان ذلك زيادة في الدين وليس من عمل  
السلف الماضين

ترجمہ: ان بدعات میں سے جو لوگوں نے اس اعتقاد سے قائم کر رکھی ہیں کہ یہ بڑی عبادت ہیں اور شعائر اسلام کا اظہار ہیں وہ عمل بھی ہے جو یہ ربیع الاول میں آپ کی پیدائش پر کرتے ہیں اور اب یہ کام بہت سی بدعات اور منوعات پر مشتمل ہو گیا ہے..... یہ سب دین میں زیادتی ہے اور اس پر سلف صالحین کا عمل ثابت نہیں۔

کسی عمل کا ناجائز ہونا درکنار اگر ادنیٰ گمان بھی پیدا ہو کہ یہ کام بدعت ہے یا سنت، تو علماء اخلاف نے اس کے چھوڑنے کا ہی حکم دیا ہے۔  
علامہ ابن نجیم (۷۶۹ھ) لکھتے ہیں:-

ويلزم ان ما تردد بين بدعة وواجب اصطلاحه فانها يترك كالسنة  
ترجمہ: اور جو چیز بدعت ہونے اور سنت ہونے میں زیر بحث ہو اُسے چھوڑ دیا جائے۔

اور علامہ رشامی (۱۲۵۳ھ) لکھتے ہیں:-

اذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة واجتماع على فعل البدعة  
ترجمہ جب کوئی مسئلہ سنت اور بدعت میں اسکا ہو تو اس سنت کو چھوڑنا  
بدعت کا خطرہ لینے سے بہتر ہے۔

علامہ شامی کا یہ فیصلہ آپ کے سامنے ہے احناف ہمیشہ اسی اصول پر چلے ہیں۔ اور  
اہل بدعت نے ہمیشہ یہ کہہ کر بدعات کے لیے راہ ہموار کی کہ اس میں حرج کیا ہے۔ ہم اسے گھٹی  
دین کا حکم نہیں سمجھتے۔

### ہندوستان میں زیع الاول کے جلسے

انگریزوں کے ہندوستان آنے پر یہاں کے مذہب کی عجب حالت تھی۔ انگریز اپنی  
ضرورت کے تحت دن میں ترمیم لانے کے ضرورت مند تھے۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف  
شدی اور سنگٹن کی تحریکوں پر لایا جا رہا تھا اور عیسائی اپنے سکولوں ہسپتالوں اور گرجوں میں  
کرسمس کی جھنڈیاں لگاتے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے وقت کا تقاضا تھا کہ وہ حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و سیرت اور صداقت و رسالت پر جلسے شروع کریں۔ اس جلسوں میں  
اس بات کا پورا دھیان رکھا جاتا تھا کہ ان جلسوں کا موضوع محض ولادت نہیں صداقت رسالت  
ہو تاکہ مسلمان عیسائیوں کی کرسمس اور ہندوؤں کی جنم اشٹمی سے کسی مشابہت اور متابعت کا  
خطرہ مول نہ لیں اور یہ بھی ایک وقتی ضرورت تھی۔

مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب محدث دہلوی نے اس موقع پر ان  
جلسوں کی عام اجازت دے دی آپ نے کہا:-

تاریخ کا یہ تعین کسی شرعی پیمانے پر نہیں ایک انتظامی پردہ ہے پر سمجھا جائے تو یہ  
تقریب بدعت نہیں بنتی۔ اس تاریخ پر اس اجتماع کا ہونا دین نہیں سمجھا جائے  
گا اور اسے یوم ولادت کی تخصیص نہ دی جائے کسی دن کو کوئی تخصیص دینا کسی  
عالم یا گروہ کے اختیار میں نہیں یہ صرف شریعت ہے جو کسی عام کی تخصیص کرے

یا کسی مطلق میں تعین لائے۔

## آنحضرتؐ کی ولادت کی تاریخی یاد

مسلمان اپنے دین کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بعثت کو اپنا انعام قرار دیا ہے۔ رہی آپ کی ولادت وہ اس سے چالیس سال پہلے ہو چکی تھی اور حضورؐ نے اپنی قبل از بعثت کی زندگی میں بھی کبھی اپنی تاریخ نہ منائی تھی نہ عربوں میں انگریزوں کی طرح یوم پیدائش منانے کا کہیں کوئی رواج تھا۔

انگریز کرسمس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یاد میں مناتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے خود مسلمانوں کے لیے ۱۲ ربیع الاول کی چھٹی طے کی، مگر علماء اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو محض ایک تاریخی حیثیت دیتے رہے اسے کوئی شرعی حیثیت نہ دی۔

## محمدی اسلام کا آغاز آپ کی بعثت سے

کرۃ ارض کے خصب جاگے جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کرم کو نبی انسان کی الہی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ کی بعثت مومنین کے لیے اللہ رب العزت ایک بہت بڑا احسان تھا

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم (پاک آل عمران ۱۶۴)

آپ کی بعثت کب ہوئی؟ ولادت کے تقریباً چالیس سال بعد جب آپ حرا میں فروکش تھے اور تنہائی میں آپ کا دل لگا ہوا تھا۔ موزعین اس کی تاریخیں مختلف بتاتے ہیں صحابہ کرامؓ اس دن کی تعین چھٹت نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ مسلمان آپ کی بعثت کو آئندہ ہر سال منائیں جن موزعین نے اس کا ذکر کیا ہے وہ ایک تاریخی حیثیت سے ہے شرعی حیثیت سے نہیں اور محدثین اسے درس و تدریس کے پیرایہ میں آگے بیان کرتے رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اسلام نے اسے بھی ایک شرعی حیثیت نہیں دی نہ اس دن کے لیے بطور

اظہار تشکر شریعت میں کچھ اعمال مقرر فرمائے۔ محمد بن نے اسے ایک تاریخی حقیقت کے طور پر ذکر کیا ہے۔ مسلمان ہمیشہ بتا قیمن تاریخ آپ کے ایام ولادت میں ربیع الاول یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد فرداً فرداً خوشی کا اظہار کرتے رہے صحابہ کے عہد میں اجتماعی طور پر اس یاد میں کوئی اجتماعی عمل اختیار نہیں کیا گیا اور اس میں بھی مورخین مختلف رہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ربیع الاول کی کس تاریخ کو ہوئی۔ محققین نے آپ کی تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول بتلائی ہے۔ مسلمان آپ کی ولادت اور اس وقت کے واقعات کو جتنی تاریخی غفلت دیں کم ہے لیکن شریعت میں اس دن کی یاد میں کوئی اجتماعی عمل نہیں رکھا گیا نہ خلفائے راشدینؓ نے کبھی اس دن کی کبھی چھٹی کی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اس دن بنی نوع انسان پر اللہ رب العزت کا اتنا بڑا احسان ہوا کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔

اسی طرح انبیاء سابقین کی دنیا میں تشریف آوری اور ان کے کارنامے اسلام کا عظیم تاریخی سرمایہ ہیں لیکن شریعت محمدی میں ان دنوں کی یاد میں کوئی اعمال طے نہیں کیے گئے۔ تاریخ کے ہر عظیم واقعہ کو سالانہ شرعی آداب دینا دین فطرت میں کسی طرح ممکن نہ تھا۔

قرآن کریم نے ان تاریخی واقعات کو تذکیر کا سامان قرار دیا ہے تقریب کا نہیں۔ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا :-

وَلَقَدْ ارسلنا موسىٰ بايتنا ان اخرج قومك من الظلمات الى النور وذكرهم  
بآياتنا لله . (پ ۱ ابراہیم ۵)

ترجمہ۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنے نشان دے کر بھیجا کہ نکال اپنی قوم کو اندھیرے سے اجلے میں اور یاد دلا ان کو آیات اللہ کے۔

یعنی ان دنوں کے واقعات یاد دلانے کا وجہ ان پر شہادہ و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان سے رہائی نصیب فرمائی۔ یہ خدا کی قدرت کے نشان ہیں۔ دیکھو وہ کس طرح دنوں کو دنوں سے بدلتا ہے۔ تلك الايام نداولها بين الناس۔



حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے پانچ علوم قرآن میں پچھلے تین علوم ان عند انوں سے ذکر فرمائے ہیں :-

۳۔ تذکیر بالآلاء اللہ ۴۔ تذکیر بایام اللہ ۵۔ تذکیر بمجاہد الموت

سومسلمانوں میں اہم ایام گزشتہ کا بیان بطور تذکیر رہا نہ بطور تقریب کہ شریعت نے ان دنوں کے کچھ اعمال مقرر فرمائے ہوں اور صحابہ کرامؓ نے ان وقائع کو تاریخی اہمیت دی۔ لیکن ان دنوں کی کبھی تقریبات نہ کی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے اربابا اور واقعات کو اگر تاریخی حیثیت سے بیان کیا جائے اور ان میں کسی تاریخ کا تعین شرعی حیثیت سے نہ ہو صرف انتظامی طور پر بے شک ہو اور اس میں صرف ذکر ولادت نہیں آپ کی بعثت اور پھر سیرت کا بیان بھی ہو جائے تو اس میں کوئی شرعی گرفت نہ آئے گی۔ ربیع الاول میں یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد ایسے جلسے ہوتے رہیں تو اس سے ربیع الاول کی کچھ تخصیص بھی لازم نہ آئے گی۔

ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو مسلمانوں میں اس کی تاریخی حیثیت نوذبحہ تازہ ہو جاتی ہے۔ ان ایام مولد میں مسلمان اگر آپ کی ولادت، بعثت، معجزات اور سیرت کا عام ذکر کریں کسی دن کی شرعی تعیین نہ سمجھیں تو اس میں اہل سنت کا اہل بدعت سے کوئی اختلاف نہیں۔ اختلافات ان بدعات اور شرعی عقائد کی وجہ سے ہیں جو ان اہل بدعت نے اپنی مروجہ محفل میلاد میں داخل کر رکھے ہیں۔ اکابر علماء اہل سنت نے حضورؐ کے ذکر ولادت کو ہمیشہ مستحسن قرار دیا ہے۔

## علمائے اہل سنت کے ہاں حضورؐ کی ولادت کا ذکر

① حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں :-

فرض ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل

وگر سیر و حالات کے مندوب ہے۔

ذکر ولادت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم مستحسن ہے۔ ص ۱۴۲

رہا نفس ذکر وہ سب کے نزدیک مندوب ہے۔ ص ۱۴۲

معاذ اللہ فخر عالم کے ذکر ولادت کو کوئی بُرا نہیں جانتا ہے مثلاً کہ اکو بُرا جانتے ہیں ص ۱۴۲

② حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-

وہ محفل میلاد جس میں قیود و مروجہ متعارفہ میں سے کوئی قید نہ ہو نہ قید مباح نہ قید مکروہ نہ قید سے مطلق ہو مثلاً کچھ لوگ اتفاقاً جمع ہو گئے کسی نے ان کو اہتمام سے نہیں بلایا کسی اور ضرورت سے بلائے گئے تھے اس مجمع میں خواہ کتاب سے یا زبانی حضور پر نور سرور عالم خدام صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات شریفہ (ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے معجزات وغیرہ) اور دیگر اخلاق و شمائل و معجزات و فضائل مبارکہ صحیح صحیح روایات سے بیان کیے گئے اور اثنا بیان میں اگر ضرورت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی دیکھی جاوے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا گیا یا اصل اجتماع استماع و عطا و احکام و عطا سننے کے لیے) اور اس کے ضمن میں ان وقائع شریفہ (ولادت باسعادت کے واقعات) و فضائل کا بیان بھی آگیا یہ وہ صورت کہ بلا تکبر (انکار) جائز بلکہ مستحب و منت ہے۔

خاص یوم ولادت کی بجائے ایام مولد میں عیسائیوں کے ولادت مسیح منانے (کرسمس منانے) سے بھی مشابہت نہیں رہتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے والد محترم شاہ عبد الرحیم صاحب نقشبندی سلسلے کے ایک بڑے بزرگ تھے۔ آپ یوم ولادت کی بجائے ایام مولد میں کبھی ایسا کرتے کہ لوگوں میں کچھ کھانا اور مٹھائی دے مثلاً یہ کہ فلاں جگہ فلاں صاحب کا وعظ ہو گا اور ایمان و تقویٰ کی باتیں ہوں گی۔

وغیرہ تقسیم کرتے اور اس کا ایصالِ ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ عالی کے لیے ہوتا۔ اتنے بڑے بزرگ کا خاص یومِ ولادت کی تعیین نہ کرنا اور ایامِ مولد کے عنوان سے اسے عام رکھنا بتانا ہے کہ وہ کس قدر محتاط تھے۔ آپ اپنی کتاب الدر الثمین میں بانیسویں حدیث میں لکھتے ہیں:-  
 أخبرنی سید الوالد قال كنت اصنع في ايام المولد طعاماً صلته بالنبي

صلی اللہ علیہ وسلم.... فقسمته سن الناس۔

ترجمہ: مجھے میرے آقا والد محترم نے بتایا کہ میں ایامِ مولد میں کھانا بنانا بنی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال کے لیے.... پھر میں اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتا

یہ اظہارِ خوشی مسجد میں نہیں نہ اس کام کے لیے کوئی مجلس ٹھہرتی۔ شیخ کا عمل شریعت میں حجت نہیں اور نہ ہی دیکھا گیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے خود کبھی یہ عمل کیا ہو کھانے کا ایصالِ ثواب اپنی جگہ جائز ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ بدعات کی آمیزش نہ ہو۔ حضرت مولانا خلیل احمد محمد سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:-

ایصالِ ثواب طعام و قرأت بامرات کو کسی نے منع نہیں کیا۔ اس باب میں جو منع ہے تو اس طرح و ہیئت سے ایصال کو منع کرتے ہیں جس میں تشبہ بکفار لازم آجاء دے یا تنقید مطلق کی آجاء دے۔

حضرت شاہ ولی اللہ ایک دفعہ اتفاقی طور پر خاص آپ کے یومِ ولادت میں (مثلاً ۹ ربیع الاول کو) آپ کے مکان ولادت (کہ محکمہ میں آپ کے مکان) پر جا بکھلے اور وہاں مشاہدہ کیا کہ بڑے عجیب و غریب انوار اتر رہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

قاملت تلك الانوار فوجدتها من قبل الملائكة الموكلين بامثال  
 هذا المشاهد وبامثال هذه المجالس ورايت يخالط الانوار الملائكة  
 انوار الرحمة۔

ترجمہ میں نے ان انوار پر غور کیا میں نے دیکھا کہ وہ ان فرشتوں کی طرف سے آرہے ہیں۔ جو ایسے مقامات پر اور ایسی مجالس پر مومل ہیں اور میں نے دیکھا فرشتوں کے اور انوار رحمت آپس میں مل رہے ہیں۔

کیا وہ انوار اسی دن اتر رہے تھے؟ نہیں ایسے مشاہد (ذیارات گاہوں پر) فرشتے یہ انوار لیے دن رات حاضر رہتے ہیں اور ان کی یہ مجالس ہمیشہ کے لیے ہیں ان کے سپرد یہی حاضری ہے وہ اس کام کے موکلین میں سے ہیں۔ پھر ان انوار ظنک سے انوار رحمت الہیہ ملتے ہیں اور وہاں دن رات یہ سماں بندھا ہے کاش کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو۔

بریلویوں کا یہ کہنا کہ وہ انوار صرف اسی دن اترے تھے جس دن شاہ صاحب نے انہیں دیکھا۔ اس لیے ہم میلاد کی مجلسیں عین میلاد کے دن کرتے ہیں صحیح نہیں۔ شاہ صاحب نے یہ کہیں نہیں کہا کہ وہ انوار صرف اسی دن اترے تھے۔ اس طرح تو بریلوی یہ بھی کہہ دیں گے کہ روضہ انوار پر بھی وہ انوار صرف وفات کے دن اترے ہیں اس لیے وہ بارہ وفات منستے ہیں۔ استغفر اللہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر سیاح فرشتوں کا بھی ایک سلسلہ قائم کر رکھا ہے جو امتیوں کا درود و سلام لے کر دن رات روضہ انوار پر حاضری دیتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی خاص یوم ولادت کی بجائے پورے شہر ربیع الاول میں کچھ ایسی محفلوں کے منعقد ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ کون لوگ تھے جو ایسا کرتے تھے یہ عام اہل اسلام کا تذکرہ ہے معلوم ہوتا ہے اس وقت میلاد النبیؐ کے کسی خاص دن کی تعیین نہ تھی تاہم حضرت شیخ نے ان بدعات کا سختی سے نوٹس لیا ہے جو اہل بدعت نے ان محفلوں میں قائم کر رکھی تھیں آپ لکھتے ہیں:-

ولا يزال اهل الاسلام يحتفلون بشهر مولده صلى الله عليه وسلم... ولقد

اطلب ابن الحاج في المدخل في الانكار على ما حدثه الناس من البدع

والاھواء والغناء بالآلت المعرمة عند عمل مولدہ الشریف قاللہ تعالیٰ  
یشبہ علی قصدہ المجمعیل ویسلک بنا سبیل السنۃ فانہ حسینا ونعم  
الوکیل . لہ

ترجمہ

اور اہل اسلام ربیع الاول میں ایسی محفلیں کرتے چلے آ رہے ہیں اور علامہ ابن امیر الحاج نے  
المغفل میں بڑی تفصیل سے ان بدعات کا رد کیا ہے جو لوگوں نے اس میں پیدا کر لی ہیں وہ خرافات  
کے درپے ہوئے اور حرام کردہ آلات سے حضور کے عمل ولادت پر گانے لگے۔ سوائے تعالیٰ علامہ  
ابن امیر الحاج کو اپنے اس قصد پر اجبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں سبیل سنت پر چلائے وہ ہمیں  
کافی ہے اور بہت اچھا کار سنا ہے۔

حضرت شیخ نے جو یہ کہا ہے کہ لوگ ہمیشہ سے یہ محفلیں منعقد کرتے چلے آ رہے ہیں اس سے ان  
کی مراد ساتویں صدی سے لے کر جب ان محافل کی ابتدا ہوئی تھی، ان کے اپنے دود کی بات ہے۔  
یہ منہیں کہ قرونِ ثلاثہ مشہور لہا بالخیر میں بھی یہ محفلیں ہوتی تھیں، پھر جب یہ محفلیں قائم ہوئیں تو بہت کم  
محافل ایسی ہوں گی جن میں یہ بدعات اور خرافات نہ آگئی ہوں تاہم علمائے حق کو اللہ تعالیٰ جزائے  
خیر دے کہ وہ ہمیشہ ان بدعات پر انکار کرتے رہتے ہیں۔

### علامہ امیر ابن الحاج مالکی د ۵ کا انکار علی البدعات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے علامہ امیر ابن الحاج کے انکار علی البدعات کی بہت  
تقریف فرمائی ہے اور انہیں دعائیں دی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان کی بھی ایک عبارت ہدیہ قارئین  
کو دیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

لہ ما ثبت بالسنۃ ص ۱۱

من جلہ ما احدثہ من البدع مع اعتقادہم ان ذلک من اکبر العبادات  
 داظهار الشرائع ما یفعلونہ فی الشهر الربیع الاول من المولد وقد  
 احتوی ذلک علی بدع ومحمدات.... لان ذلک زیادۃ فی الدین لیس  
 من عمل السلف الماہنین۔<sup>۱</sup>

ترجمہ۔ ان بدعات میں سے جو لوگوں نے اس اعتقاد سے کر رکھی ہیں کہ یہ بڑی  
 عبادات ہیں اور شاعر اسلام کا اظہار ہیں ان میں وہ عمل بھی جو یہ ربیع الاول میں  
 آپ کی پیدائش پر کرتے ہیں اور اب یہ کام بہت سی بدعات اور ممنوعات پر  
 مشتمل ہو گیا ہے.... یہ سب دین میں زیادتی ہے اور اس پر سلف صالحین کا  
 عمل ثابت نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق کی نظر میں یہ محافل میلاد کیا ہیں اسے ان کی اس عبارت کے آئینہ میں  
 دیکھیں۔

بے شک امام ابن الحاج نے اپنی کتاب مدخل میں ان بدعتوں نفسانی خواہشوں  
 اور حرام آلات کے ساتھ گائے بجانے پر شدید انکار کیا ہے جو لوگ محفل میلاد  
 میں کہتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ کے دور میں عام محافل میلاد ان بدعات سے پوری طرح  
 طیف ہو چکی تھیں۔ آج بریلوی حضرات حضرت شیخ کے انکار کے وارث نہیں۔ وہ ان محافل میلاد کے  
 پوری بدعات سمیت دیکھا ہو چکے ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیثمی (۷۹۷ھ) حضرت شیخ (۵۲۰ھ) سے کچھ پہلے ہوئے ہیں۔ آپ نے  
 اکثر محافل میلاد کو شیرو شر کا مجموعہ بتلایا ہے ظاہر ہے کہ حق و باطل کا مجموعہ اسفل کے تابع ہو گا نہ کہ  
 اعلیٰ کے تابع۔ آپ لکھتے ہیں۔

اگر معاملہ میلاد جو ہمارے ہاں رائج ہیں ان میں اچھی اور بُری دونوں طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں، خیر کی باتیں مثلاً صدقہ و خیرات، ذکر و درود اور سلام اور حضورؐ کی تعریف اور بُری باتوں میں سے (میلاد شریف میں آنے والی) عورتوں کا اجنبی مردوں (نفت پڑھنے والوں) کی طرف دیکھنا، لے

علامہ ابن حجر کے دور میں کچھ ایسی محفلیں بھی تھیں جن میں کوئی عیب اور شرعی خرابیاں نہ ہوتی تھیں، لیکن آپ فرماتے ہیں :-

لیکن ایسی محفلیں بہت کم اور نادر ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی قسم کی محفلیں (جن میں بدعات گھس چکی ہوں) ممنوع اور ناجائز ہیں کیونکہ شریعت کا یہ قاعدہ بڑا مشہور ہے کہ فوائد حاصل کرنے سے نقصانات کا دور کرنا مقدم ہے لہذا جو شخص ہانتہ ہے کہ کسی محفل میلاد میں ایک بھی شرعی خرابی پائی جاتی ہے، بایں ہمہ وہ اس میں شرکت کرتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کر لے والا ہے اور گنہگار ہے، اگر فرض کر لیا جائے کہ اس شخص نے اس محفل میلاد میں خیر کے کام بھی کیے تو بھی یہ خیر اس شرکاء تک نہیں کر سکتا جو اس میں پایا جاتا ہے۔ لے

### محفل میلاد کا مرکزی نقطہ عمل

بریلویوں نے مجلس میلاد میں کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کو اپنے اس عمل کا مرکزی نقطہ قرار دے رکھا ہے، علامہ ابن حجر کے دور میں بھی بدعتی اسے بڑے اہتمام سے عمل میں لانے تھے بدعتی عوام نے اس گناہ کا بوجھ بھی ان بدعتی مولویوں کے سر ہے جو جاموں میں اسے تنظیم کے نام سے فروغ دیتے ہیں اور ان کا نفت خراں اعلان کرتا ہے :-

سے مکمل جائے مجلس سے جو بے ادب ہو

علامہ ابن حجر اس عمل کے بارے میں لکھتے ہیں :-

وَنظِيرَ ذَلِكَ فَعَلَ كَثِيرٌ عِنْدَ ذِكْرِ مَوْلَاهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَضِعَ أَمَّهُ  
لَهُ مِنَ الْقِيَامِ وَهُوَ أَيْضًا بَعْدَهُ لَمْ يَرِدْ فِيهِ شَيْءٌ عَلَى أَنَّ النَّاسَ إِنَّمَا يَفْعَلُونَ  
ذَلِكَ تَعْظِيمًا لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالْعَوَامُّ مَعَهُ وَرُونَ لِذَلِكَ بِخِلَافِ

الْخَوَاصِّ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَقَالُوا لِي أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ بِه

ترجمہ: بہت سے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت محفل میں  
کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث وغیرہ نہیں  
آئی۔ البتہ عوام منذور سمجھے جاسکتے ہیں لیکن اس کے برعکس ان کے خواص (بریلوی  
مولوی) منذور نہیں ہیں۔ (یعنی سب اٹھنے والوں کے گناہ کا بوجھ ان کے سر ہوگا)

### ولادت شریفہ کی تصویری یاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کی تاریخی یاد اور اس کا درس و تدریس کے پیرائے میں  
ذکر محدثین اور مؤرخین ہمیشہ کرتے آئے ہیں لیکن اس ولادت باسعادت کی تصویر یاد کہ اسے  
اس وقت کی حقیقت سمجھ کر اس کے تقاضے بحال لائے جائیں پوری تاریخ اہل سنت میں کہیں نہیں  
ملتی۔ مولوی عبدالسبع رامپوری پہلے شخص ہیں جنہوں نے ولادت شریفہ کی تصویر یاد اور تذکرہ  
ولادت پر معاً اٹھ کھڑا ہونا اس عمل کی طرح ڈالی۔ مولوی صاحب موصوف نے ولادت کی اس  
تصویری یاد میں جو دلائل دیئے ہیں انہیں ملاحظہ فرمائیں :-

ولادت شریفہ تو کوئی امر فرضی نہیں۔ یہ تذکرہ تو امر حسی موجود فی الحاضر ہے۔  
ربانوں پر اس کے الفاظ جاری کانوں میں اسکی صورت طاری اور دلوں میں اسکا ذوق  
ماری ہے پس اسوقت میں اگر اصل حقیقت کی طرح کہ گویا یہ واقعہ ابھی ہوا ہے تنظیم  
دی جائے تو اس کی نگیریں انشاء اللہ شرع شریفہ میں مل جائیں گی۔



آپ اس سے ایک صفحہ پہلے لکھ آئے ہیں :-

اس وقت دؤظیریں لکھتا ہوں۔ بی بی عائشہؓ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو قبل احرام باندھنے کے خوشبو لگائی تھی جب حضرت عائشہؓ نے بعد مدت اس حال کو ایک موقع میں روایت کیا تو فرماتی ہیں :-

كأني انظر إلى دبص الطيب في مفارق رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو معمر - (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۸۸)

گویا میں دیکھ رہی ہوں چمک خوشبو کی سر مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے اور البو حلیفہ فرماتے ہیں سرخ حلقہ پہننے ہوئے تھے۔ کافی انتظار الی برین ساقیہ گویا میں دیکھ رہی ہوں چمک نورانی پنڈ لیوں کی۔ (جامع ترمذی جلد ۱ ص ۲۸۸)

**الجواب :** ان روایات میں حضرت عائشہؓ یا حضرت ابو حلیفہؓ نے جو اپنی صورت ذہنی کافی انتظار سے بیان فرمائی ہے اسے انہوں نے اس وقت کا واقعہ قرار نہیں دیا تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ الیہ میں فرق لازمی ہے یہ ذکر مشبہ ہے اور جب یہ واقع ہوا تھا وہ صورت مشبہ الیہ ہے ان حضرات نے ان دو بیانات کو اصل سے تو تشبیہ دی لیکن اس مشبہ (ذکر) سے مشبہ الیہ (اصل) واقعہ کا سامنا نہ کیا نہ اس وقت ان دونوں چمکوں کی یاد میں کوئی عملی تعظیم اختیار فرمائی نہ اُٹھے اور نہ سننے والوں سے تعظیمی قیام کا مطالبہ کیا۔

مولوی عبدالسمیعؒ کی کم مہنی ہے کہ وہ اس تاریخی یاد کو تصوری یاد میں بدل کر اس تصور سے اصل کا معاملہ کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ کے ذکر ولادت کو وہ تعظیم دی جانی چاہیے جو آپ کی اصل ولادت اور قدم وجودی کو دی جاسکتی تھی۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں :-

ہم حضرت کے نام پر ہر جگہ تو کھڑے نہیں ہوتے محض وقت ذکر ولادت شریف کھڑے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ چونکہ حضرت کی شان عظیم ہے تو جو کچھ بادشاہ یا امیر کے

عین قدم میں تعلیم دی جاتی ہے وہ آپ کے ذکر قدم وجودی میں دی جاتی ہے۔ ۱۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں نے حضورؐ کی ولادت شریفہ کی تاریخی یاد کی بجائے اس کی ایک تصدیق یا دیکھ بھال کی راہ نکالی ہوئی ہے اور اس تصدیق یا دیکھ بھال سے وہ اصل والا معاملہ کرتے ہیں اور تعلیم فراکھڑے ہو جاتے ہیں حالانکہ حضرت ام المؤمنینؓ نے اور حضرت ابو حنیفہؒ نے کافی انتظار کے الفاظ سے ان واقعات کی تصدیق یا دیکھ بھال سے اس کے خارج میں واقع ہونے کا رد نہیں دیا نہ اس ذکر مبارک پر کوئی حسی تعلیم کا معاملہ کیا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری لکھتے ہیں :-

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ آدمی جب کسی گزشتہ امر کو حکایت کرتا ہے تو وہ محکی عنہ ذہن میں پیش نظر ذہن کے ہوتا ہے تو صحابہؓ حالات فخر عالم کے بیان کرتے تھے تو وہ محکی پاک نظر میں آجاتا تھا خواہ وہ علیہ ہوتا یا کوئی اور قصہ ہوتا اور اس کی یاد پر سرور یا رقت یا کوئی حال مناسب آتا تھا..... مگر یہ تو دیکھو کہ اس حکایت اور صورت ذہنیہ کے ساتھ معاملہ خود محکی عنہ کا ہوا ہو یہ ان دونوں راہوں سے ہرگز کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ ۲۔

افسوس کہ بریلی حضرات ولادت اور ذکر ولادت کو ایک درجہ دینے پر تھے ہوئے ہیں اور اس وقت (یعنی وقت ولادت) جو ظہور انوار ہوا اسے اس کے ذکر پر بھی مرتب ملتے ہیں۔  
اصوبوری صاحب لکھتے ہیں :-

اے حضرت اگر ولادت مکرر نہیں ہوتی (معلوم ہوتا ہے مولوی صاحب کو اس میں بھی شک ہے) ذکر ولادت باسعادت تو مکرر ہوتا ہے اور ابوقت جو ظہور انوار و برکات و عجائب حالات ہوا تھا وہ تو مکرر مذکور ہوتا ہے۔ ۳۔

ذکر میں وہ انوار و برکات ماننا جو ولادت میں پیش آئے یہ کند ذہنی اور دھکا زوری نہیں تو اور کیا ہے۔

## تاریخی واقعات پر شرعی اعمال کے ترتیب کا مبالغہ

عن ابن عباس قال قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة فرأى اليهود تصوم يوم عاشوراء فقال ما هذا قالوا هذا يوم صالح هذا يوم نجى الله بني إسرائيل من عدوهم فضامه موسى قال فانا احق بموسى منك فضاومه وامر بصيامه۔ لہ

ترجمہ۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور دیکھا کہ یہود یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں آپ نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ بہت اچھا دن ہے وہ دن جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات بخشی تھی اور اس پر موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے زیادہ حضرت موسیٰ پر حق رکھتا ہوں۔ پس آپ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس روزے کا دوسروں کو بھی حکم دیا۔

یہود عاشورہ کا روزہ اپنے قیاس سے نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن نجات دی اور آل فرعون کو غرق کیا تھا بلکہ ان کے عمل کی بنا اس دن حضرت موسیٰ کا روزہ رکھنا تھا گو وہ اندر راہ تشکر ہو اور ظاہر ہے کہ پیغمبر کی اتباع امت کے لیے شرعی دلیل ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سالانہ اپنی ولادت کا دن اس طرح منایا۔ عاشورہ کے روزہ پر تو عمل موسیٰ کی سند موجود تھی حضور کی ولادت سالانہ اس طرح منانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کون سا حکم یا عمل موجود ہے۔ افسوس کہ مولوی عبد السمیع رامپوری نے صوم عاشورہ کی روایت سے حضور کا یوم ولادت منانے پر استدلال کر لیا۔ موصوف لکھتے ہیں۔

کہاں فرعون کا ڈوبنا اور موسے علیہ السلام کا نجات پانا اور اس کے شکر یہ میں  
موسے علیہ السلام کا روزہ رکھنا اور کہاں یہ ہمارا زمانہ کہ اب تک وہ روزہ  
چلا آتا ہے۔ حالانکہ حقیقت واقعہ طرغ فرعون و نجات موسیٰ تو اسی دور میں ہوئی  
معتیٰ اب وہ اصل حقیقت موجود نہیں..... لیکن ہمیشہ تعظیم کا جاری رہنا بعد  
افتضاء اصل واقعہ کے نظیر یوم عاشوراء سے ثابت ہو گیا۔  
یوم عاشوراء پر یہود کے دو عمل تھے:-

۱۔ تعلیم اس دن کی کرنا۔

۲۔ اس دن روزہ رکھنا۔

۶ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے روزہ کو تمہاقی رکھا لیکن اپنی امت کو تنظیم یوم عاشورہ کا حکم نہ دیا۔

عن أبي موسى قال كان يوم عاشوراء يوماً يعظمه اليهود وتختذونه عيداً فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم صوموه انتم -

ترجمہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں کا عاشرہ کی تعظیم بجالانے اور اسے عید بناتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا تم بھی اس دن روزہ رکھو۔

كان اهل خيبر يصومون يوم عاشوراء يتخذونه عيداً ويلبسون لباسهم فيه حليهم وشارتهم.

ترجمہ اہل خیر یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے اسے عید بناتے اور اپنی عورتوں کو اس دن زیورات اور عمدہ لباس پہننے کا کہتے۔

کیا حضرت نے مسلمانوں کو بھی اس دن یہ اچھا لباس پہننے اور دن منانے کا حکم فرمایا؟

اس میں یہ نہیں ہے کہ حضورؐ نے مسلمانوں کو اس دن کی تقسیم کا حکم دیا ہو یا آپ اس دن منانے میں یہود کے ساتھ شریک ہوئے۔ آپ کا اس دن روزہ رکھنا فرعون کے غرق ہونے پر بطور شکر نہ تھا بلکہ آپ پہلے سے مکہ میں بھی اس دن کا روزہ رکھتے آ رہے تھے۔ پھر جب آپ نے مدینہ میں اس کا روزہ رکھا تو اس لیے کہ یہود سے مشابہت نہ رہے۔ آپ نے نوحرم کے روزہ کا بھی ارادہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے حضورؐ نے فرمایا۔

فَاذْكَانَ الْعَامَ الْمُقْبِلَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَحْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ دَوَاهٍ مُّسْلَمٍ۔

ترجمہ۔ پس جو اگلا سال آئے اگر اللہ نے چاہا تو ہم نویں محرم کا روزہ بھی رکھیں گے (تاکہ یہود سے مشابہت نہ رہے)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات موسیٰ کے تاریخی واقعہ پر اپنے کسی شرعی عمل کی بنا نہیں کی اور علمائے یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپ کا یہود مدینہ کو کہنا خانہ احق بموسیٰ منکم بطور الزام تھا نہ یہ کہ آپ نے حضرت موسیٰ کی پیروی میں عاشوراء کا روزہ رکھا تھا موسیٰ علیہ السلام تو خود بھی اگر اس دور میں دوبارہ آجاتے تو حضورؐ کی پیروی سے چارہ نہ تھا۔ یہود نجات موسیٰ کی یاد میں بطور شکر اس دن روزہ رکھیں اس میں اس پرانے واقعہ پر اظہار شکر ہے لیکن اس نئے عاشوراء کی تقسیم کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

### مولانا عبد السمیع کا دوسرا مغالطہ

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں بخاری میامری محبی مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو مدینہ کے بھارنے مست اور زار و نزار کر دیئے ہیں ان سے طواف بھی نہ ہو سکے گا..... حضرت نے صحابہ کو فرمایا کہ ان مشرکوں کے سامنے طواف کے وقت رمل کرو انہوں نے رمل کیا یعنی

جس طرح پہلوان لوگ وقت لڑائی کے کوڑتے ہوتے اور مونڈھوں کو ہلاتے ہوئے بہادرانہ چال چلتے ہیں اسی طرح صحابہ ان مشرکوں کے سامنے چلتے تھے اور کفار یوں بول اٹھے یہ تو ہرن کی طرح چوکرٹیاں مہرتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ رمل یعنی اچھل کود مونڈھے ہلا کر چلنا اس وقت تو واسطے دکھانے کفار کے کیا گیا لیکن پھر بعد اس زمانہ کے جو حجۃ الوداع واقع ہوا اس وقت بھی وہی قوت رفتار رمل کے طور پر وقوع میں آئی حالانکہ کوئی مشرک وہاں نہ تھا۔۔۔۔۔ اب تک بھی وہی پہلوانوں کی چال کود اچھل وقت طواف کی جاتی ہے۔

الجواب: جب پہلی دفعہ طواف میں رمل کیا گیا تو اس وقت بے شک یہی علت تھی کہ کفار و مشرکین مسلمانوں کی شان و قوت دیکھ پائیں لیکن پھر جب حجۃ الوداع میں بھی حضورؐ نے اسے قائم رکھا تو مسلمانوں کے اس عمل کی بنا سنت نبوی قرار پائی نہ کہ مسلمان اب بھی اسے بطور اظہار شوکت و قوت کر رہے ہیں۔ یہ اس عمل کا صرف پہلا سبب تھا۔ آئندہ اسے جاری رکھنے کی کوئی دوسری علت بھی ہو سکتی ہے جسے حضورؐ نے بیان نہیں کیا۔ آپؐ نے یہ عمل رمل جاری رکھا۔ فقہار نے تعقید سے اس کی علت یہ معلوم کی کہ اب آپؐ کا ایسا کرنا بطور تشکر تھا۔ یہ دوسری علت ہمیں نہ بھی معلوم ہو تو بھی ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ حضورؐ نے آئندہ بھی اس عمل رمل کو جاری رکھا۔ شریعت یہی ہے کہ حضورؐ سے اس کا ثبوت مل جائے ہم اس کی علت اور سبب کو پاسکیں یا نہ۔

ایک کام میں جب کئی علتیں ہو سکتی ہیں تو اگر وقت گزرنے سے اس عمل کا پہلا سبب اٹھ گیا تو اب کیا اس کا کوئی دوسرا سبب نہیں ہو سکتا تھا۔ محدث کبیر اعلیٰ قاریؒ لکھتے ہیں:-

لا یتقال الاصل فی الحکم ان یزول بذوال الحلة فانما تقول قد فعله رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد زوال المشروعیۃ تذکر النعمۃ الامن بعد الخوف

یشکر علیہا فہذہ علۃ اخری والحکم قد ثبت بطلان متبادلہ۔

ترجمہ: یہ نہ کہا جائے اصل یہ ہے کہ حکم اپنی علت کے اُٹ جانے پر اٹھ جاتا ہے ہم کہیں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مشروعیت اٹھنے پر بھی اسے امن بعد انخوف کی نعمت پر شکر کے طور پر باقی رکھا۔ سو یہ ایک دوسری علت نظر آئی۔ سو حکم اپنی دوسری علتوں کے باعث بھی باقی رہ سکتا ہے۔

اور آپ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

ولعل الحكمة في بقائه تذكو ذلك الحال والحمد على الانتقال بعون الله  
الملك المتعال ۛ

ترجمہ۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کے باقی رکھنے میں اس حال کی یاد اور اس جدوجہد کی یاد ہو جو اللہ کی مدد سے ان کے وہاں سے چلنے کا سبب ہوئی۔

ہمیں یہ دوسری علت نہ بھی معلوم ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہمارے لیے حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کافی ہے :-

وما لنا وللومل انما كنا دأينا به المشركين وقد اهلكهم الله (ثم قال)

شيء صنع الله رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تحب ان نتركه ۛ

ترجمہ۔ اور ہمیں اس رمل سے کیا ہم نے اسے مشرکین میں پایا اور اللہ تعالیٰ نے

انہیں ہلاک اور برباد کر دیا۔ تاہم یہ وہ عمل ہے جو حضورؐ نے کیا سو ہم نہیں چاہتے

کہ اسے ترک کر دیں۔

حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو

یہ کہتے ہوئے سنا :-

فيم الرمل وكشف المنالك وقد اعز الله الاسلام ونفى الكفر ومع ذلك فلا

ندع شيئا كنا نفعله على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ۛ

لے شرح نقایہ جلد ۱۹ طبع دیوبند ص ۱۵ صحیح بخاری جلد ۱۵ ص ۱۵ شرح نقایہ عن سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ

ترجمہ۔ یہ رمل اور اس میں کندھا کھولنا کیا؟ اور اللہ نے اسلام کو غالب کیا اور کفر کی نفی فرمادی اس کے باوجود ہم اس عمل کو نہیں چھوڑتے جس پر ہم حضور صلی اللہ کے عہد میں عمل پیرا رہے۔

افسوس مولوی عبدالسمیع یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسلمانوں میں یہ رمل کا عمل صرف اس عمل کی بقا رہا ہے جو پہلی دفعہ کیا گیا تھا ایسا ہرگز نہیں۔ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابقا سے باقی رہا اور مسلمان آج تک اسے حضور کے اسی حکم سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ مولوی صاحب ذکر ولادت میں تو آپ ایک ثبوت بھی دے نہ پائے کہ جب اس کا آغاز ہوا پھر یہ عمل چلتا ہی رہا اور پھر کس رمل میں کیا کسی نے کہا کہ رمل کرتے وقت مشرکین کا دیکھنا فرض کر لیا کرو اور انہیں دکھانے کے لیے رمل کیا کرو۔ ولادت نبوی کی تصوری یاد میں تو آپ اس سے وہ معاملہ کرتے ہیں جو آپ کے ہاں عین سے کیا جاتا ہے۔

حضرت کے نام پر ہر جگہ تو کھڑے نہیں ہوتے محض ذکر ولادت شریف کے کھڑے ہوتے ہیں۔

ولادت کے وقت جو تعظیم ہو سکتی تھی آپ اسے ذکر ولادت کے وقت بھی بجالانے لگے۔

یہ تصوری یاد سے وہ معاملہ کرنا ہے جو آپ کے ہاں عین واقعہ میں کیے جانے کے لائق تھا۔ مسلمان اب رمل کرتے ہوئے کیا کفار و مشرکین کی تصوری یاد کرتے ہیں اور کیا وہ پھر وہ اپنے تصور میں ان صورت ذہنیہ کو اپنا یہ رمل دکھا رہے ہوتے ہیں؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ پھر آپ نے حضور کی تصوری یاد میں اس صورت ذہنیہ کے ساتھ یہ عین کا معاملہ کیسے کر لیا کہ فوراً تعظیم میں کھڑے ہو گئے۔ حکایت کو محکی عنہ کا درجہ شریعت میں کہیں نہیں دیا گیا اور مولوی عبدالسمیع صاحب کو اس پر اصرار ہے کہ ذکر ولادت کو ولادت کا درجہ اس وقت دے قیام تعظیمی کیا جائے۔ میلاد کے موضوع پر ہم اہل سنت کا اہل بدعت سے اختلاف حضور کی ولادت شریفہ کی تاویلی یاد سے نہیں تصوری یاد سے ہے جس میں لوگ وہ معاملہ کرنے لگیں جو ان کے عین واقعہ پر ہوا تھا۔

مولوی عبدالسمیع صاحب نے اعراض کے ضمن میں خود سیرت شامی سے نقل کیا ہے کہ



جو لوگ ذکر و ولادت کے وقت تعظیماً قیام کے لیے اٹھتے ہیں یہ بدعت ہے جس کی شرح میں کوئی اصل نہیں پائی جاتی۔ کاش کہ مولوی صاحب اس پر ہی غور کر لیتے کہ تصوری کے ساتھ اصل کا تعظیمی والا معاملہ نہیں کیا جاتا۔ ان بدعات سے بچنے کے لیے کیا یہی صورت بہتر نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف تاریخی یاد کی جائے اور تصوری یاد سے پرہیز کی جائے اور اگر تصوری یاد کی جائے تو قیام تعظیمی سے پرہیز کر کے کہ تصوری یاد سے اصل والا معاملہ نہیں کیا جاتا ہے۔

سوال: مولوی عبدالسمیع رامپوری نے انوارِ مساطعہ میں بدعات کی حمایت میں روایات کی بہت غلط توجیہات کی ہیں لیکن انہیں ان کے فہم ردی پر بھی تو محمول کیا جاسکتا ہے۔ سوال دین میں نیتہ فساد پیدا کرنے کے بارے میں ہے کہ جس طرح مولوی احمد رضا خاں نے حسام الحرمین میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تین عبارات کو ان کی کتاب تنذیر الناس کے مختلف مقامات سے لے کر ایک عبارت بنایا ہے اور انہیں ایک اپنی ترتیب دی ہے جو مولوی احمد رضا خاں کی بدعتی کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ کیا مولوی عبدالسمیع بھی اسی طرح بدعت تھے یا یہ اس کی خود ساختہ توجیہات محض اس کی کم علمی کے باعث اس سے صادر ہوئیں؟

جواب: مولانا احمد رضا خاں مولوی عبدالسمیع رامپوری کو اپنا بڑا بھائی کہتے تھے ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنی جگہ کوئی نیک نیت شخص معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی ہم اس وقت صرف ایک مثال آپ کے سامنے لگاتے ہیں۔

مردِ مجرب رحمہ اللہ کے خلاف علماء کا ایک فتویٰ مطبع ہاشمی سے چھپا تھا۔ مولوی عبدالسمیع اس کی عبارات بار بار اعتراض کے عنوان سے لکھتا ہے ایک اعتراض ملاحظہ ہو:-

مسئلہ پر ایک عالم نے تحریر فرمایا ہے "یا یہ وجہ ہے کہ روح پاک علیہ السلام کی جو عالم ارواح سے عالم شہادت میں تشریف لائی اس کی تعظیم کو قیام ہے تو یہ بھی محض حماقت ہے کیونکہ اس وجہ سے قیام کرنا وقت وقوع ولادت شریفہ کے ہونا چاہیے۔ اب ہر روز کون سی ولادت مقرر ہوتی ہے۔۔۔۔۔ اس امر کی شروع

میں کوئی تغیر نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے۔  
 اس عہدیت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ عالم جس کی بات مولوی عبدالمسیح نے یہاں نقل کی ہے  
 اس نے یہ بات علی وجہ الزام کہی ہے نہ کہ علی وجہ الاعتراف۔ یعنی اگر تم اس پر قیام کرتے ہو کہ حضورؐ  
 دنیا میں تشریف لائے تو ایسا تو صرف ولادت شریفہ کے وقت ہو سکتا تھا۔ ہر ربیع الاول میں تو آپ کی  
 ولادت نہیں ہوتی یہ ذکر ولادت پر عین ولادت کا معاملہ کیا۔

مولوی عبدالمسیح راہپوری اس عبادت کو علی وجہ الزام سے نکال کر علی وجہ الاعتراف میں  
 لے آئے اور اس پر یوں گویا ہوئے :-

”الحمد للہ آپ کی زبان سے اتنا تو نکلا کہ قیام کرنا وقت ولادت شریفہ کے ہونا  
 چاہیے۔“

اب یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ مولوی عبدالمسیح صاحب اپنی اس عبارت میں غلط فہمی  
 کے مرتکب ہوئے یا ”بدنیتی“ سے مانعین کو ”قیام کرنا چاہیے“ والوں کے ساتھ ملا دیئے ہیں۔  
 یہ بھی نہیں اب ان کے پیروؤں نے اپنی بات چلانے کے لیے ۲۲ء کی اس عبارت پر لفظ  
 ولادت کے اوپر بین السطور لفظ ذکر بھی لکھ دیا ہے اور اب عبارت یوں گئی جسے کسی بھی توجہ سے  
 مانعین کی بات نہیں کہا جاسکتا۔ یہ خیانت علی الحیثیت ہے مولوی احمد رضا خاں اپنے اس بڑے  
 بھائی کی خیانت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے بھی محمدیرا اناس کے ۳۱ء کی عبارت کو ہی  
 بے محل کیا۔

مولوی عبدالمسیح نے صرف یہیں نہیں بلکہ بار بار مانعین پر اس تسلیم قیام کی تہمت رکھی ہے  
 ۲۳۵ء کی دوسری سطر دیکھئے :-

”پس جب کہ آپ قائل ہوئے کہ وقوع ولادت میں قیام ہونا چاہیے“

پھر آگے ۲۳۶ء سطر ۱۲ میں لکھتے ہیں :-

الحاصل جب آپ قائل ہو چکے کہ اصل حقیقت یعنی وقوع ولادت شریفیہ میں

قیام ہونا چاہیے اور ہم کہتے ہیں کہ واقعی آپ اس امر میں حق پر ہیں۔

اب آپ ہی غور فرمائیں کہ ناخن کی بات جو محض وجہ الامزام تھی مولوی عبد السمیع نے

بدنیقی سے کیسے علی وجہ الاعتراف کے طور پر لکھ دی ہے۔ تاہم اتنی بات ہے کہ بریلویوں نے ان

دونوں عبارات پر لفظ ولادت کو ذکر ولادت کے الفاظ سے نہیں بدلانا ۲۳۳ کی طرح لفظ ولادت

کے اوپر بین السطور لفظ ذکر کا اضافہ کیا ہے۔

### حقیقی اور تصویری وجود کے معاملات اپنے اپنے ہیں

حقیقی وجود اور تصویری وجود کے اپنے اپنے معاملات ہیں۔ بریلویوں کی یہ اصولی غلطی ہے

کہ وہ تصویری وجود سے حقیقی وجود کا معاملہ کرتے ہیں جنسور کی ولادت اسی وقت ہوئی جسے اب

کئی صدیاں ہو چکی ہیں۔ اہل بدعت نے ساتویں یا آٹھویں صدی سے ولادت کے تصویری وجود پر

حقیقت کا معاملہ کیا قیام تعظیم کیا اور اصل اختلاف کھل کر سامنے آ گیا کہ وہ تصویری وجود سے حقیقی

وجود کا معاملہ کرتے ہیں۔ ہر مہر بچہ حقیقت میں رد رہا ہوتا ہے تو ماں اسے دودھ پلا کر خاموش

کرتی ہے۔ بیٹا دوسرے شہر گیا ہو تو ماں اس کی تصویری یاد میں کبھی اس کے لیے کھانے نہیں

چنتی۔ تصویری یاد میں حقیقت والا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

### قیام تعظیم کا تعلق وجود حقیقی سے ہے تصویری سے نہیں

حقیقت میں کوئی بزرگ آئے تو اس کے لیے گھر ہونا وہ اس کی مدد کے لیے ہو یا عزت کے

لیے یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کسی بزرگ کی تصویری یاد میں اس کے لیے رستہ بنانا یا

جمنڈیاں لگانا یہ کیسا ہے۔

بریلوی دوستوں کی یہ بات بہت مغالطہ آمیز ہے کہ وہ قیام کے حقیقی وجود سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور ولادت پر قیام ثابت کرتے ہیں ہم بندگان کی حقیقی تشریف آوری پر ان کی مدیاعت کے لیے قیام کرنے کو ناجائز نہیں کہتے بشرطیکہ وہ دائرہ باندھ کر نہ ہو وہ جس میں ان بزرگوں کی طرف سے کچھ اشارہ ہو کہ ہمارے لئے پر تم تخطیاً کھڑے ہو جایا کرو اگر کوئی بزرگ خود اپنے لیے اس تخطی قیام کا خواہش مند ہو تو وہ اپنے لیے جہنم کا انتخاب کر چکا ان قباحتوں کے بغیر کسی دوست بزرگ یا غمزدہ کے آنے پر اس کی مدیاعت کے لیے قیام کرنا انفرادی صورت میں ہو تو اس میں ہمیں کلام نہیں ہے۔

علامہ خطابی (۷۳۱ھ) صاحب معالم السنن فرماتے ہیں :-

ان قیام المدووس للدریس الفاضل والامام العادل والمتعلم العالم المستحب  
ترجمہ بے شک کسی ماتحت کا اپنے فاضل آقا اور امام عادل کے لیے کھڑا ہونا  
اور کسی طالب علم کا کسی عالم کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے۔  
امام بیہقی رحمہ (۵۵۸ھ) بھی کہتے ہیں :-

القیام علی وجه البرود والاكرام جائز کقیام الانصار لسعد وطلحة  
لکعب۔

ترجمہ۔ بڑا در نیکی کے طور پر اور دوسرے کے اکرام کے کھڑا جائز ہے جیسا کہ انصار حضرت  
سعد کے لیے کھڑے ہوئے اور حضرت طلحہ کعب کے لیے کھڑے ہوئے۔  
حضرت طلحہ کے بارے میں حضرت کعب بن مالک خود کہتے ہیں :-  
نقام الی طلحة بن عبید اللہ یہدول حتی صافحنی وھتانی۔

ترجمہ۔ سو میری طرف حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑتے ہوئے آئے یہاں  
تک کہ آپ نے مجھ سے مسافروں کی اور خوش آمدید کہی۔

فتح الباری جلد ۱ ص ۵۲۵ ایضاً ص ۵۲۵ صحیح بخاری جلد ۵ ص

حضرت جعفر بن ابی طالب جو مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئے تھے، بحکمہ سمری مدینہ آئے یہ فتح خیبر کا دن تھا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں، حضرت جعفرؓ کے آنے کی خوشی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا :-

ما اددی بایمنا انا اسر بقدم جعفر اذ بفتح خیبر  
ترجمہ میں نہیں جانتا کس کام کی خوشی زیادہ سمجھوں (۱)، جعفر کے آنے کی یا (۲) خیبر کی فتح کی۔

اس سے امام نووی (۷۶۷ھ) نے آئے والے کے لیے قیام کرنے پر استدلال کیا ہے۔ حضرت علامہ عینی (۷۵۵ھ) بھی قدوم قادم پر قیام کرنے کو مستحب کہتے ہیں، آپ نے قیام کے چار پیرائے لکھے ہیں :-

الاول محط وروہوان یقع لمن یرید ان یقام الیہ تکبرا وتعاظما علی  
القائمین الیہ والثانی مکروہ وروہوان یقع لمن لا یتکبر ولا یتعاضل علی القایین  
ولکن یخشی ان یدخل لعنہ بسبب ذلک ما یحذر ولما فیہ من التشبه  
بالجبابرة والثالث جائز وروہوان یقع علی سبیل امیر والاکرام لمن لا یرید  
ذلک ویؤمن معہ التشبه بالجبابرة الرابع مندوبا وروہوان یقوم لمن  
قدم من سفر فرحا بقدمہ وسلم لیسلم علیہ والی من تجددت له نعمتہ  
فیہنہ بحصولہا اومصیبتہ فیغز بہ بسببہا۔

ترجمہ ابن رشد کہتا ہے قیام چار ہی پیرایہ میں ہو سکتا ہے (۱) یہ پیرایہ بالکل منع (حرام) ہے کہ قیام اس کے لیے ہو جو اپنے لیے یہ عزت چاہے، تکبر کے لیے یا بڑا بننے کے لیے (۲) وہ بطور تکبر اور بڑائی وہ یہ نہ چاہے لیکن اندیشہ ہو کہ وہ اس میں گھر جائے گا اور اس میں بڑے جابر لوگوں سے تشبیہ

ہو گا یہ قیام مکروہ درجے میں ہے (۳) بطور نیکی اور اکرام کسی کے لیے قیام کیا جائے مگر وہ خود اسیانہ چاہتا ہو اور اس میں جابر حکمرانوں سے تشبہ بھی نہ ہو یہ قیام مباح ہے اور جائز درجے میں ہے (۴) چوتھا یہ قیام مستحب درجے میں ہے یہ اس کے لیے ہے جو سفر سے لے کر اور قیام کرنے والا اس کی آنے کی خوشی میں کھڑا ہو تاکہ اسے السلام علیکم کہے یا کسی کو کسی کام میں کامیابی ہوئی اور یہ قیام کرنے والا اسے مبارک دینے کے لیے کھڑا ہو یا کوئی مصیبت زدہ آیا اور یہ اس کی تعزیت کے لیے کھڑا ہو۔

اہل سنت کے ہاں قیام کے یہ چار پیرائے ہیں اور ان سب میں جن کے لیے قیام ہوا وہ کسی طور پر مباح ہے اور یہ قیام کرنے والا بھی وہی حسی طور پر موجود ہے۔ ان چار پیرائے قیام میں کہیں کسی تصوری وجود کے لیے قیام تنظیم نہیں کیا جا رہا۔ علمائے دیوبند بھی اسے جائز سمجھتے ہیں باس طور کہ اسے ضروری نہ سمجھا جائے حضرت علامہ اند شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

واعلم ان القیام للتوقیر رخصۃ اذ مستحب ہے

ترجمہ۔ اور جان لو کہ دوسرے کی عزت اور توقیر کے لیے کھڑا ہونا ماذون یا مستحب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قصد کر کے سامنے لانا اور ایک دائرہ بنا کر آپ کے لیے قیام کرنا قیام کی اس پانچویں قسم کا صحابہ و تابعین اور فقہاء و محدثین کے ہاں کوئی پتہ نہیں ملتا۔ احناف کے ہاں یہ چار پیرایہ کا ہی قیام ہے۔ اگر اس کی کچھ گنجائش ہوئی تو علامہ عینی رحمہ اللہ کی اس عبارت کو نقل کر لے کے بعد اس پر پانچویں تنظیمی قیام کا مزور اضافہ فرما دیتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تین پیرائے نقل کیے ہیں لیکن ان میں بھی کسی تصوری وجود کے

سلسلے دائرہ بنا کر قیام کرنے اور سلام پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :-

والقیام منقسم الی ثلاث مراتب ۱۔ قیام علی رأس الرجل وهو فعل

المجاورة وقیام الیہ عند قدومه ولا یأس به ۲۔ وقیام عند رؤیتہ

وهو المتنازع فیہ۔ ۳۔

ترجمہ۔ اہل قیام کے تین مراتب ہیں (۱) کسی کے سامنے آنے پر کھڑے ہو جانا جیسا کہ جابر قوموں میں  
چلا آئے ہیں اور (۲) اس کے آنے پر کھڑا ہونا اس میں کوئی حرج نہیں اور (۳) اسے دیکھتے ہی  
کھڑے ہونا۔ اس قیام میں اختلاف ہے

یہ جو دیکھتے کھڑے ہو جانا ہے یہ وہ تعظیم ہے جو اپنے ذہن میں ہی سائی ہوئی ہے۔

### قیام غاس

ایک شخص بیٹھا ہو اور لوگ اس کے ارد گرد کھڑے ہوں جیسا کہ عجمی مسکین اور بعض سلاطین

کا طریقہ ہے یہ ممنوع اور حرام ہے۔

### قیام سادس

کسی قابل تعظیم و اکرام شخص کی خاطر اس کے آنے کے وقت کھڑا ہونا اس میں کوئی حرج

نہیں ہے۔

### قیام سابع

کسی کو اتنا دیکھتے اس کے لیے قیام کرنا یہ نہ عامی مسئلہ ہے۔

حنفیہ کے ہاں اس قیام کا کوئی وجہ نہیں کہ وہ شخص ابھی سامنے بھی نہیں آیا صرف آ رہا ہے

اس کے لیے کھڑے ہو جانا۔ ہاں بعض شافعیوں کے ہاں اس کی گنجائش ہے لیکن سب اس پر متفق

نہیں ان کے ہاں یہ ایک نزاعی مسئلہ ہے۔ علامہ سبکی صرف اس کی رویت پر قیام جائز سمجھتے

ہیں۔

## احناف کے ہاں ایک اور یہی قیام جو جائز نہیں

قرآن پڑھتے ہوئے کوئی بزرگ یا استاد یا والد آجائیں تو ان کے لیے تعظیماً قیام نہ کرے  
فتاویٰ قاضی خاں سے نقل ہے:-

قوم یقرءون القرآن من المصاحف او یقرء رجل واحد فدخل علیہ  
واحد من الاجلۃ اولادہ شواف ققام القارئ لاجلہ وما سوی ذلک  
لا یجوز۔ لہ

ترجمہ بزرگ بیٹھے مصاحف سے قرآن پڑھ رہے ہیں یا ایک شخص قرآن پڑھ رہا ہے  
بڑے لوگوں میں کوئی ادھر آنکلا اور پڑھنے والا اس کے اکرام میں کھڑا ہو گیا۔  
یہ جائز نہیں۔

پڑھنے والے پر قرآن کی تعظیم لازم تھی اس میں اور کسی کی تعظیم کو شامل کرنا وہ بزرگ استاد  
ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کی تعظیم میں کسی اور تعظیم کو لانا ہے یا قرآن کی تعظیم سے بہت کہ اس نے والے  
کی عزت کرنا ہے۔ یہ صرف ہمت ہے کہ توجہ قرآن سے ہٹا کر کسی اور پر لگا دی جائے یہ کسی طرح بھی  
جائز نہیں ہے۔



# یوم ولادت منانے کی رسم دو قوموں میں پہلے سے تھی

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى (امام بعد :

یہ دینا دو بڑے حصوں میں بٹی ہے۔ مشرق اور مغرب ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش،

افغانستان اور ایران مشرق کی آبادیاں ہیں۔ مراکش اور یوپی اور انگلینڈ وغیرہ مغرب کی آبادیاں ہیں

مشرق میں ہندوؤں میں جنم اشٹمی کی رسم رائج ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کرشن کنہیا ہر سال نیا جنم لیتا

ہے اور مغرب میں کرسمس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی یاد میں ایک تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔

سو یوم ولادت منانے میں ہندو اور عیسائی قومیں دونوں پہلے متفق علی آدھی ہیں اور دونوں اپنے ان

تہواروں کو میلے کی صورت میں مناتی ہیں اور عید کی طرح خوشی کرتی ہیں۔

ہندو کرشن کنہیا کے جنم کی خوشی کرتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی یاد

میں خوشی مناتے ہیں۔ مسلمانوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت منانے کی رسم کب سے شروع

ہوئی؟ ساتویں صدی ہجری میں آپ یہ پڑھ آئے ہیں۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے

اس عمل میں کہیں ان دو فرقوں قوموں کے اجماع مرکب میں تو شامل نہیں ہو رہے۔ اس پر ہمارے برٹری

مبانیوں کو خالی اللہ بن ہو کر سوچنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من تشبه بقوم فهو منهم۔<sup>۱</sup>

ترجمہ جو کسی قوم سے (ان کے خاص مذہبی شعائیں) تشبہ کرے وہ انہی میں سے ہے۔

برٹری اس کے جواب میں کیا کہتے ہیں اسے بھی ملاحظہ فرمائیں :-

اگر خدا نخواستہ مسلمان لوگ نصاریٰ کے بڑے دن کو ان کی طرح کے افعال کرنے لگتے تو جو

شعائر اس قوم کا ہے اس میں شرکت لازم آتی اور مانند ان کے ہو جاتے۔<sup>۲</sup>

نصاری کے وہ افعال کیا ہیں جو وہ کرسس کے موقعہ پر کرتے ہیں :-

① اس دن لوگ کام نہیں جلتے حکومت کی طرف سے چھٹی ہوتی ہے۔

② مسیحی قریں اس اچھے لباس میں نکلتی ہیں۔

③ صبح گرجوں میں جلتے ہیں اور وہاں بائبل پڑھی جاتی ہے۔

④ ولادت مسیح کی خوشی کے طور پر بازاروں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔

⑤ رات مکانوں اور دکانوں پر چراغاں کیا جاتا ہے۔

⑥ دوستوں کے کھانے پینے کی دعوتیں کی جاتی ہیں۔

⑦ کرسس فادر کے نام سے چوکوں میں پتے رکھے جلتے ہیں۔

⑧ گرجوں سے جلوس کی شکل میں نکلتے ہیں۔

⑨ اعزہ و اقارب کو کرسس تحفے دیتے ہیں۔

⑩ شراب کی محفلیں لگتی ہیں اور بے برسر عام پی جاتی ہے۔

بریلوی کہتے ہیں کہ ہم گیارہویں اس لیے کرتے ہیں کہ ان سے تشبیہ نہ رہے وہ صرف دس میں بند ہو کر رہ گئے ہیں پھر ہم ان دس میں بھی ان سے مختلف ہیں تو ہم کس طرح نصاریٰ کے تشبیہ میں آجاتے ہیں۔ ہمارے افعال اور ان کے افعال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ میلاد مسیح منانے گرجوں میں جاتے ہیں ہم میلاد النبی کی محفلیں مسجدوں میں کرتے ہیں۔ وہ بائبل پڑھتے ہیں ہم قرآن پڑھتے ہیں۔ وہ راستوں میں مسیح کی تصویریں آویزاں کرتے ہیں ہم تصویر کے سرے سے خلاف ہیں ہاں جھنڈیاں ہم ضرور لگاتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ میلاد مسیح پر ان کے افعال میں اور عید میلاد النبی پر ہمارے افعال میں گہرا کتنا فاصلہ ہو مگر اس مسئلہ میں کہ نبیوں کی ولادت منانا ایک کارِ خیر ہے کیا اس میں ہم دونوں کے برابر نہیں۔ دوسری قوموں سے تشبیہ پانے میں ان کے ہر عمل میں مماثلت ضروری نہیں کچھ رسموں میں بھی ہم ان کی راہ پر چلیں تو ہم تشبیہ کے مرکب ہو جاتے ہیں۔

## بریلویوں کا قرآن سے استدلال

مولوی عبدالسمیع صاحب رامپوری لکھتے ہیں :-

جس طرح قواعد حرب پلٹن اور رسالہ وغیرہ میں ان کے (کافروں کے) یہاں  
تھے اس طرف (مسلمانوں کے) ہاں، بھی اسی طرح کر کے مقابلہ کیا گیا اس کو  
تشبیہ نہیں کہتے۔ یہ آیت کی تعمیل میں ہے۔

فمن اعتدٰی علیک فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدٰی علیک (پ البقرہ ۱۹۴)  
ترجمہ: سو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسے  
اس نے تم پر زیادتی کی۔

اسی طرح ممالک مغرب میں کہ حدود اقوام نصاریٰ سے ملتی ہیں جب وہ لوگ  
اپنے پیغمبر مسیح کے یوم ولادت میں اختتام و شوکت ظاہر کرتے فخر دکھلاتے  
تھے اور ضعفاء اسلام وہ ظاہر شوکت دیکھ کر افسردہ خاطر اور خستہ دل ہوتے  
تھے۔۔۔ ملوک مصر و اندلس نے بہت رونق و جلال کے ساتھ اپنے نبی مختار صلی  
اللہ علیہ وسلم کے روز میلاد ماہ ربیع الاول میں تزنگ و احتشام ظاہر کیا۔

اس عبارت میں جہاں یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو منانا  
مسلمانوں میں قدیم سے نہ تھا۔ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور تک مسلمانوں میں یہ رسم نہ  
تھی۔ یہ راہ بہت بعد میں نصاریٰ کے عمل کو دیکھ کر اپنائی گئی۔ وہاں یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کامیاب  
عمل وہ علاقہ چاہیے جہاں کفار کثرت سے آباد ہوں اور وہ مسلمان ضعفاء کی صورت میں ہوں  
خالص اسلامی آبادیوں میں اس جوابی کاروائی کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی کہ اس صورت  
میں یہ اپنے دین میں وہ بات داخل کرنا ہے جو دین میں نہ تھی نہ صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ میں سے

کسی نے اسے اختیار کیا تھا۔

پھر مولانا رامپوری کی اس بات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ربیع الاول میں میلاد شریف منانے والوں کے سامنے خلفاء راشدینؓ صحابہ کرامؓ اور تابعین کرامؓ کی کوئی سنت نہ تھی نصاریٰ کی ایک رسم تھی جس کے جواب میں ملوک مصر نے میلاد النبی منانا شروع کیا۔ یہ تشبہ بالنصاری کا ایک قوی ثبوت ہے کہ منانے والوں نے خود ہی اقرار کر لیا کہ اس میں ہمارے پیش نظر نصاریٰ کی ہی یہ رسم تھی۔ سو یہ کوئی تشبہ اتفاقی عمل نہیں۔ یہ نیت ان کی پیروی میں ہی اختیار کیا گیا۔ اور تشبہ کس کو کہتے ہیں نصاریٰ اسے ایک دینی نسبت سے مناتے تھے اب مسلمانوں نے بھی اسے اپنے دین میں ایک کاربغر سمجھ لیا ہے

## کافروں کی ہتھیاروں کی نمائش میں بھی ان کا تشبہ نہ کریں

مشرکین نے ایک درخت پر ایک خاص دن ہتھیار لٹکانے کی رسم قائم کر رکھی تھی اسی دن وہ اس پر ہتھیار لٹکا کر اس کے گرد مجلسیں کرتے سرور و مسرت کا اظہار کرتے اور اسے عید کی طرح مناتے تھے۔ اس درخت کو ذات النواط (جس پر چیزیں لٹکی ہوں) کا نام دے رکھا تھا بعض صحابہؓ نے کافروں کی اس رسم کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے لیے بھی ایک ذات النواط مقرر فرمادیں تاکہ کافروں کی اس حربی شرکت کے مقابلہ میں ہم بھی اپنی شرکت ظاہر کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بہت ناراض ہوئے اور آپؐ نے فرمایا کیا تم بھی ان لوگوں کی طرح ہونگے جنہوں نے موسےؑ سے کہا تھا :-

اجعل لنا الناطک كما لهم الناطة۔ (پ اعراف ۱۳۸)

ترجمہ۔ آپ ہمارے لیے بھی ایک الناطہ مقرر کر دیں جیسا کہ ان کے الہ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہتھیاروں کی نمائش میں اپنی شرکت ظاہر کرنے میں بھی دوسری قوموں سے تشبہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

آپ اس حدیث کی روشنی میں انصاف فرمائیں کہ مولانا عبد السمیع رامپوری کا قرآن کی آیت سے یہ استدلال کہ تم بھی ایسا کہ یہ لوگ کرتے ہیں یہ عقیدہ کہاں تک درست ہے۔ ہمیں تو اس میں مولانا رامپوری کے جہل کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ آنحضرتؐ نے تو درخت ذاتِ انواط کے تشبہ سے یکسر روک دیا تھا۔ یہاں اس روایت کو ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابی واقد اللیثیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خرج الی حنین  
مریثجۃ للمشرکین یقال لہا ذات انواط یعلقون علیہا اسلحتہم  
قالوا یا رسول اللہ اجعل لنا ذات انواط کما لہم ذات انواط فقال للنبی  
صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ ہذا کما قال قوم موسیٰ اجعل لنا الہما  
کما لہم الہمۃ۔ ۱

ترجمہ حضرت ابی واقد اللیثیؓ (۷۶۸ھ) سے مروی ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین کی طرف نکلے تو آپؐ مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گزرے جسے ذاتِ انواط کہا جاتا تھا مشرکین اس پر اپنے ہتھیار آویزاں کرتے تھے بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کی آپؐ ہمارے لیے بھی ہتھیاروں کی نمائش کے لیے کوئی جگہ مقرر کر دیں جیسا کہ ان کے لیے یہ درخت ہے۔ آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ اللہ پاک ہے کہ اس کے ماننے والے مشرکوں کی پیروی میں آگلیں، یہ تو اسی طرح ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ آپؐ ہمارے لیے بھی کوئی معبود ٹھہرا دیں جیسا کہ ان مشرکین نے اپنے اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں۔

مسند امام احمد جلد ۸ ص ۲۰۷ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بیری کا درخت تھا۔ کان للکفار سدرۃ یعلقون عندها اور مسلمانوں نے ایک دوسرے سدرہ سے گزرتے حضورؐ سے یہ گزارش کی تھی کہ ان کا موضوع صرف ہتھیار لٹکانے کی شوکت قائم کرنے کا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔

## ہندوستان میں انگریزوں نے ۱۲ ربیع الاول کو میلاد النبی مقرر کیا

ہندوستان میں گو ہندو صدیوں سے جنم اشٹمی منارہے تھے۔ کرشن کہنیا کا یوم جنم ہر سال بڑے تزک و احتشام اور رونق سے مناتے۔ لیکن مسلمان ان سے متاثر نہ ہوئے۔ انہوں نے نہیں دیکھ کر اپنے میں ایک خاص دن میلاد النبی منانے کی راہ اختیار نہ کی۔ متوجہ قوموں کی عادتیں فاحشین کے لیے کبھی سامانِ جذب نہیں بنتیں۔ لیکن فاتح اقوام کی عظمت کمزور ذہنوں میں خواہ مخواہ گھسی چلی جاتی ہے۔ ہندوؤں کی جنم اشٹمی سے تو ہندوستان کے مسلمان متاثر نہ ہوئے۔ لیکن انگریزوں کے کرسمس کی پیروی ان کے لیے چنداں معیوب نہ تھی کیونکہ یہ ایک فاتح قوم کا عمل تھا۔ انگریزوں نے میلاد النبی کی ۱۲ ربیع الاول ان کے لیے مقرر کی تا وہ عیدین کی طرح اس دن بھی خوشی منائیں انگریزوں نے اپنے حقوقِ خدمت میلاد النبی کی خوشی کے لیے موقوف اور اس دن ان کی چھٹی کا اعلان کرایا۔ مولانا احمد رضا خاں کے بڑے بھائی مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں :-

اس وقت میں جو حکام فرمانروا انگریز ہیں کہ ان کو کچھ علاقہ تعلیم و آداب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں باس ہمہ انہوں نے اپنی کچہری اور محکمہ میں جا بجا اہل اسلام کے لیے مثل عید اور بقرعید کے ایک دن چھٹی اور تعطیل کا واسطے خوشی میلاد حضرت خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں تاریخ ربیع الاول کو مقرر کر رکھا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ انگریز حکام کا روبرو ضروری میں اپنے حرج منظور کریں اور اپنے حقوقِ خدمت اور کارگزاری کو اس روز (میلاد النبی کے) واسطے بجا آوری مراسمِ فرحت و سرور و تعظیم حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے موقوف کریں اور یہ لوگ اس کے مقابل (انگریزوں کی اس تحریک کے مقابل) زبان مبارک سے فرمادیں کہ یہ فعل بدعت ہے۔

بریلویوں کو سوچنا چاہیے تھا کہ جب انگریزوں کو حضورؐ پیغمبر اسلام کی تعظیم سے کوئی تہقادی تعلق نہیں۔ پھر وہ میلاد النبیؐ کے مراسم فرحت و سرور میں کیوں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں، اگر وہ سوچتے تو پالیتے کہ ان کی خواہش ہے کہ کسی طرح مسلمان ان رسوم میں گھرجائیں جن میں نصاریٰؑ گرسس پر گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس سے جہاں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں یہ رسم انگریزوں نے یہاں صدی ہجری کے آخر میں جاری کی تھی۔ انوارِ ساطعہ ۳۱۰ ہجری میں لکھی گئی تھی، اس طرح یہ بھی پتہ چلتا ہے اسے عید کی طرح منانے کا جذبہ بھی پہلے انگریزوں کے دلوں میں ابھرا تھا اور انہوں نے اس دن کی چھٹی اسی لیے مقرر کی کہ مسلمان اسی دن کو منانے میں وہ سب کام کر گزریں جو نصاریٰؑ کر سس پر کرتے ہیں۔

## عیسائیوں کا حضرت عیسیٰؑ کو ان کے ذکر کی اپنی محفلوں میں حاضر سمجھنا

یہ عقیدہ عیسائیوں کا ہے کہ ان کے ہاں جو مجلس حضرت مسیح کے نام پر منعقد کی جاتی ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود تشریف لے آتے ہیں۔ انجیل متی میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :-  
جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں۔  
بریلوی بھی اپنی محافل میلاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح حاضر کرتے ہیں :-  
اٹھو بہر تعظیم اے اہل محفل نبی جلوہ فرما ہوا چاہتا ہے  
حضورؐ کے جلوہ فرما ہونے سے مراد آپ کی اس مجلس میلاد میں تشریف آوری ہے۔ پھر یہ لوگ اس تصور میں کہ حضورؐ آگئے ہیں سب تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزوں نے اس لائن پر لگایا کہ وہ اپنے نبی کا میلاد منائیں اور اس کے لیے انہوں نے ۱۲ ربیع الاول کی چھٹی سرکاری طور پر مقرر کر دی، جو مسلمان ان کی باتوں میں

آگئے۔ ان کا بھی یہ عقیدہ ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں میلاد النبی اور میلاد مسیح میں یہ قدر مشترک ہے۔

## بریلویوں کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش

بریلویوں نے اس بات پر پردہ ڈالنے کے لیے کہ انگریزوں نے خود مسلمانوں کے لیے بارہ وفات کی چھٹی مقرر کی تاکہ وہ میلاد مسیح کی طرح سالانہ میلاد النبی منائیں انہوں نے یہ چھٹی منظور کرانے کا یہ سہرہ اپنے مولوی محمد نور بخش توکلی (۱۳۶۷ھ) کے سر پر باندھا اور اس کے لیے اپنے دو عالموں کی گواہی پیش کر دی۔

ان کے مولوی عبدالحکیم شرف قادری پروفیسر نور بخش توکلی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :-  
آپ ہی کی مساعی جمید سے متحدہ ہندوپاک میں بارہ وفات کی بجائے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تعطیل ہونا قرار پائی تھی۔

ان کے دوسرے عالم علامہ اقبال احمد فاروقی بھی نور بخش توکلی کے ذکر میں لکھتے ہیں :-  
آپ نے گورنمنٹ کے گزٹ اور سرکاری کاغذات میں ۱۲ وفات کو عید میلاد النبی کے نام سے تبدیل کرانے کی جدوجہد کی اور اس میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ گورنمنٹ سے اس مقدس دن کی تعطیل منظور کرائی۔ آج یہی تعطیل خدا کے فضل سے اسلامیان پاکستان کی ایک اہم تقریب میں تبدیل ہو گئی ہے۔

جناب نور بخش توکلی کی وفات ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء ہوئی مولانا عبدالباقی امپوری مولانا احمد رضا خاں سے بھی پہلے ہوئے ہیں۔ مولانا عبدالباقی نے ۱۳۰۰ھ میں انوار ساطعہ لکھی۔ اس میں منہ پر آپ یہ لکھ چکے کہ یہ ۱۲ ربیع الاول کی تعطیل انگریزوں کی مقرر کی ہوئی ہے۔ اب اس کا سہرہ پروفیسر نور بخش توکلی (۱۳۶۷ھ) کے سر پر کیسے باندھا جاسکتا ہے یہ تاریخ کو مسخ کرنیکی بڑی جرأت ہے۔



## مسلمانوں کو کرشن کہنیا سے بھی وہ پہلے کی سی نفرت نہ رہی

جب مسلمانوں نے انگریز حکومت کی تحریک پر میلاد النبی منانا اختیار کیا تو اب انہیں ہندوؤں کی جنم اشٹمی سے بھی وہ زیادہ بعد رہا جو پہلے تھا۔ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے پیروؤں کو ان قوموں کے قریب کرنے کے لیے کرشن کہنیا کے سینکڑوں جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ اختیار کر لیا اور پھر یہ وقت بھی آیا کہ بریلویوں نے اپنے بزرگوں کے لیے بھی کئی جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ وضع کر لیا۔ مولانا احمد رضا خاں ایک جگہ فرماتے ہیں :-

کرشن کہنیا کا فرمنا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا۔ فتح محمد اگر چند جگہ ایک وقت میں ہو تو کیا تعجب ہے۔

ہم اس وقت یہ نہیں کہتے کہ فتح محمد کو تو چند جگہ حاضر و ناظر مانا لیکن کرشن کہنیا کو کئی سو جگہ۔ یہ کیوں؟ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کرشن کہنیا مولانا احمد رضا خاں کے دل میں گھسا ہو۔ اس وقت آپ صرف یہ دیکھیں کہ :-

کرشن کہنیا کو کافر بھی تسلیم کیا جا رہا ہے اور اسے حاضر و ناظر بھی مانا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک حاضر و ناظر ہونا کوئی کمال نہ تھا ان کے نزدیک یہ ایک ایسی صفت ہے جو کافروں میں بھی ہو سکتی ہے اور علم غیب بھی ان کے ہاں کوئی روحانی کمال نہ تھا۔ ان کے عقیدہ میں علم غیب ایک گدھے کو بھی ہو سکتا ہے۔ آپ نے ایک دفعہ اپنے پیروؤں کو بتایا :-

دیکھا ایک شخص ہے اس کے پاس ایک گدھا ہے اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے ایک چیز ایک شخص کی دوسرے پاس رکھ دی جاتی ہے۔ اس گدھے سے پوچھا جاتا ہے گدھا پوری مجلس میں دورہ کرتا ہے جس کے پاس ہوتی ہے سامنے جا کر سرٹیک دیتا ہے۔۔۔۔۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ صفت جو غیر انسان کے لیے ہو سکتی

ہے انسان کے لیے کمال نہیں اور وہ جو غیر مسلم کے لیے ہو سکتی ہے مسلم کے لیے کمال نہیں یعنی کشفِ بلہ

## نبیوں کے کمالات کو ادنیٰ مخلوق پر قیاس کرنا بے ادبی ہے

عقائد کتاب و سنت سے ثابت کیے جاتے ہیں نہ کہ قیاسات سے۔ بریلویوں نے اپنے امتیازی عقائد جیسے انبیاء کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا اور کشفِ غیب وغیرہ کا عقیدہ انہوں نے ادنیٰ معنویات کی صفات پر قیاس کرنے کی وہ کوشش کی ہے کہ اسے ذکر کرتے ہر صاحبِ ایمان کا پٹ اٹھتا ہے اور ان کی گستاخی اور بے ادبی کی یہ انتہا کسی سے دیکھی اور سنی نہیں جاتی۔ مثلاً یہ بیان کر کے کہ شیطان بیک وقت مشرق و مغرب میں اپنی کار دایاں کرتا ہے تو جب وہ ہر جگہ پہنچتا ہے تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر جگہ پر نظر رکھتے ہوں تو اس سے کیا وجہ انکار ہے (استغفر اللہ العظیم) حضور کی وسعتِ نظر کو شیطان پر قیاس کر کے ثابت کرنا یہ بڑے ہی دل گروے کی بات ہے۔ مسلمان تو کبھی ایسا حوصلہ نہیں رکھتا۔ مولوی عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں:-

دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔ درختوں کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا۔۔۔۔۔ پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ موجود ہو کر وہ چوتھے آسمان پر ہے روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علین میں ہے اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل زمین پر یا چند موضع و مقامات پڑ جائے اور تشریح انوارِ فیضانِ احمدی سے کل مجالسِ مطہرہ کو ہر طرف مثل شمع شمسی محیط ہو جائے تو کیا محال اور کیا بعید ہے۔

اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک و ناپاک اور مجاہد مذہبی وغیرہ سبھی میں حاضر ہونا رسول اللہ کا نہیں دعویٰ کرتے، بلکہ الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ مقامات پاک و ناپاک کفر اور غیر کفر میں پایا جاتا ہے بلکہ اس پر حضرت مولانا غیل احمد محدث سہارنپوری لکھتے ہیں:-

ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعت علم دی اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا۔ اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے..... ثابت کرنا کسی عاقل کا کام نہیں اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں بلکہ قطعی ہیں۔ قطعیات نصوص سے ثابت ہوتی ہیں۔

اس طرح گدھے میں علم غیب مان کر پھرا سے انبیاء و اولیاء کے کمالات میں لانا بھی نبیوں اور ولیوں کی سخت بے ادبی ہوگی۔ یہاں ہم اس وقت مسئلہ حاضر و ناظر یا علم غیب سے بحث نہیں کر رہے یہ بات ضمنتاً آگئی تھی۔ اصل بات یہاں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں انگیزیوں کی ہندوستان میں میلاد النبی منانے کی تحریک بالآخر کرشن کنہیا کو بھی مسلمانوں کے قریب لے آئی اور انہوں نے برملا کرشن کنہیا کے گئی جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ بنالیا۔

## میلاد النبی کو جنم اشٹمی کے قریب کرنے کی ناروا حرکت

ہندوؤں کا عقیدہ کرشن کنہیا کی صدیوں پہلے کی ولادت کی یاد منانے کی نہیں وہ ہر سال کرشن کا نیا جنم مانتے ہیں اور اس کو وہ جنم اشٹمی کا نام دیتے ہیں ان کے ہاں اس نئے جنم سے کچھ لمحے پہلے پہلا جنم ختم ہوتا ہے اور کرشن کنہیا دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے۔ سو ضروری تھا کہ وفات اور ولادت کے لیے ایک ہی دن مقرر کیا جائے اور انہوں نے وہ کر لیا۔

جاہل مسلمانوں نے ۱۲ ربیع الاول کو یہی عقیدہ دہرایا اور انہوں نے یہ نہ سوچا کہ اس عقیدہ

میں کیا وہ ہندوؤں کی جنم اشٹمی کے قریب تو نہیں جا رہے۔ ان کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مغل میلاد میں اس مقبیت کو سنو :-

نبی آج پیدا ہوا چاہتا ہے      یہ کعبہ گھر اس کا ہوا چاہتا ہے  
خریدے گا عصیاں کو رحمت کے بدلے      خریدار پیدا ہوا چاہتا ہے لے  
مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ گنہگاروں کے گناہ حضورؐ اپنے ذمہ لیں گے حضورؐ کی شفاعت سے ان کے گناہ معاف ہوں گے۔ یہ معاذ اللہ حضورؐ پر نہ لاوے جائیں گے۔ یہ عقیدہ عیسائیوں کا ہے کہ گنہگاروں کے گناہ حضرت مسیح نے اپنے ذمہ لے لیے اور ان کی مزدوری بصورت موت ادا کر دی۔ بریلویوں نے حضورؐ پر جو گناہ ٹھینے کا بہتان باندھا ہے یہ ان کی بڑی زیادتی ہے اور مسلمانوں کو مسیحی فکر کے قریب کرنے کی ایک گہری سازش ہے تیسری جلد میں اس پر ایک بحث پہلے آچکی ہے۔

## ذکر ولادت آنحضرتؐ ہر سال کے نزدیک مندوب و مستحسن ہے

علماء دیوبند ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ مندوب و مستحسن مانتے چلے آئے ہیں لیکن اسی پر ایہ میں جو صحابہ و تابعین میں تعلیم و تبلیغ اور درس و تدریس کی صورت میں قائم تھا اسے ایک یوم کی تعیین سے منانا مسلمانوں میں انگریزوں اور ہندوؤں سے آیا حضرت سہارنپوریؒ لکھتے ہیں :-

ذکر ولادت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم مستحسن ہے ۔

تعیین مطلق کا بدعت ہوتا ہے ۔

رہا نفس ذکر وہ سب کے نزدیک مندوب ہے ۔

معاذ اللہ فخر عالم کی ولادت کو کوئی برا نہیں کہتا      کو برا جانتے ہیں ۔

جو مباح و مندوب اپنی حد سے نکل کر مکروہ و بدعت ہو گیا وہ ممنوع ہے ۔

## ولادت اور وفات کو ایک دن کرنے کی ضرورت

ہندوؤں کا جنم اشٹمی آپ جان چاچکے ہیں۔ کرشن کنہیا کا نیا جنم اس کی سالانہ وفات کے متقبل بعد ہونا ضروری تھا لیکن مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بے شک ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی اور انگریزوں نے مسلمانوں میں یہی دن بارہ وفات منانے کا ٹھہرایا، معلوم نہیں میلاد النبی منانے والوں کو کیوں یہی تاریخ پسند آئی کہ انہوں نے آپ کی تاریخ ولادت بھی ۱۲ ربیع الاول مقرر کر لی اور پھر اسی کو عید میلاد النبی کا عنوان دے دیا گیا اس میں ہندوؤں کی جنم اشٹمی کی پیروی کیوں ضروری سمجھی گئی، ہم اس وقت اس پر کچھ نہیں کہتے، ہاں ہم ضرور کہہ دیتے ہیں کہ تہذیبی طور پر حضور کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول کو نہ تھی، ۹ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔

## آنحضرت کی تاریخ ولادت ۱۲ نہیں ۹ ربیع الاول تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر کے دن (سوموار کو) ہوئی اس پر سب محدثین کا اتفاق ہے۔ آپ کی پیدائش کے سال تقویم کی مدد سے ۱۲ ربیع الاول کسی طرح سوموار کا دن نہیں بنتا، جمعرات کا دن بنتا ہے سوموار ۹ ربیع الاول کو تھا، سو یہ بات صحیح نہیں کہ حضور کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی، ۱۲ ربیع الاول آپ کی وفات کی تاریخ تھی پیدائش ۹ ربیع الاول کو تھی، انگریز بارہ وفات کا لفظ آپ کی پیدائش پر ہی بولتے رہے اور یہی دن انہوں نے چھٹی کا دن ٹھہرایا ہوا تھا، نور بخش نوکلی نے اسے بارہ وفات کہنے کی بجائے عید میلاد النبی کہنے کی طرح ڈالی اور وہ اس پر مصر ہوا کہ آپ کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول کو ہی ہوئی، ولادت اور وفات کو ایک دن پر لانا اس کی مسلمانوں کو ہرگز کوئی ضرورت نہ تھی جنم اشٹمی منانے کے لیے یہ ہندوؤں کی ضرورت ہے کہ وہ کرشن کنہیا کے مٹ جانے اور پھر جنم لینے کو ایک ہی دن میں لائے تاکہ وہ جنم اشٹمی کے عقیدہ کو قائم رکھ سکیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی ان تصریحات کے باوجود جو بریلوی مذہبی حلقوں میں یہ غلط پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ علماء دیوبند ذکر ولادت فخر و دو عالم کو مندوب و مستحسن نہیں مانتے۔ یہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم اور دیانت داری سے محروم کر رکھا ہے۔ نفس ذکر تو سب کے نزدیک مندوب و مستحسن ہے۔ ہاں جو مباح و مندوب اپنی حد سے نکل کر کوئی دوسری ہیئت اختیار کر لے تو اب وہ مباح و مندوب نہ رہا مکروہ اور بدعت ہو گیا یہ بات اصول میں طے ہو چکی ہے کہ تعین مطلق عبت ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اھنوا الال جعقد الطعام اہل علم سے مخفی نہیں اس کی رو سے حادثہ موت پر اہل میت کو طعام دینا اول روز مستحب تھا بسبب رسم کے مکروہ ہو گیا۔

سنن ابن ماجہ میں ہے :-

قال ابو عبد الله فما زالت ستة حتى كان حديثا فتركه

ترجمہ یہ عمل برابرت چلا آ رہا تھا یہاں تک کہ (ہیئت عمل بدل گئی اور) وہ بعت

ہو گیا اور اس پر وہ متروک ٹھہرا۔

معاذ اللہ ان فخر عالم کی ولادت کو کوئی برا نہیں کہتا مناکیر کو بُرا جانتے ہیں جن کی وجہ سے اصل

مسئلہ اپنی اصل صورت میں نہیں رہا تھا۔ حافظ ابو عبد اللہ ابن ماجہ (۲۷۲ھ) کی اس بات کا فقہاء و محدثین

محدثین میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ سو اس سے چارہ نہیں کہ ہم اس پر فقہاء محدثین کا اجماع تسلیم

کریں۔ یہ جائز کاموں کی بدعت بننے کی دوسری وجہ ہے اسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ یہاں ہم

مسئلہ تشبہ بیان کر رہے ہیں کہ عمل کی ہیئت نہ بھی بدلے صرف دوسری قوموں کی مشابہت لازم

آ رہی ہو تو بھی مسئلہ کا حکم بدل جاتا ہے

ہندوؤں کا بنم اشٹمی اور عیسائیوں کا کرسمن دونوں ان کے مذہبی شعار ہیں

ہمیں دوسری قوموں کی مشابہت سے مطلقاً منع نہیں کیا گیا۔ ہمیں صرف ان کے مذہبی شعار

میں تشبہ سے روکا گیا ہے کیونکہ یہ اپنے دین میں ایک دوسروں کی بات کو داخل کرنا ہے۔ ان کی ایک مذہبی رسم میں مشابہت کرنا ہے وہ کرشن کہنیا کا جنم منائیں اور ہم اپنے نبی کے یوم ولادت پر میلے لگائیں

## خاص ولادت کے دن ولادت کی خوشی کا التزام

اسلام کی پہلی چھ صدیوں میں خاص ولادت کے دن میلاد النبی کی خوشی کا اجتماعی اظہار کہیں نہیں پایا گیا۔ سوجہ حضرت بھی ولادت کی خوشی کرتے تھے اسے تاریخی حقیقت کے اظہار کے طور پر کرتے تھے اور یہ پیرایہ درس و تدریس اس کا چرچا جاری تھا۔ پھر جب اس میں قیود لگتی گئیں اور اہتمام بڑھتا گیا تو اس نے ایک تہوار کی صورت لے لی اور ہندوستان میں انگیزیوں نے مسلمانوں کو اس دن چٹنی منانے پر آمادہ کیا یہاں تک کہ بعض جاہل اسے ایک تیسری عید سمجھنے لگے تب علماء حق کے لیے ضروری ہو گیا کہ ان بدلے حالات میں محض صیانت شریعت کے لیے وہ حکم شرعی جاری کریں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں :-

اس وقت کی مجال میں کوئی امر غیر شریع نہ ہوتا تھا اور نفص ذکر ولادت کو محیب اور کوئی عالم منع نہیں کرتا۔ اس وقت کی محافل میں اگر کوئی امر مباح اتفاقی تھا اس پر تاکہ کا گمان نہ تھا۔ اب جو قلوب عوام میں تاکہ و وجوب نسخ ہوا تو مکروہ ہو گیا گا کہ کوئی امر ہوتا ہے اور علماء کو اسی وقت اباحت موجودہ کا خیال ہوتا ہے اور مال کاری مضدہ پر دھیان نہیں ہوتا تو اس وقت جواز کا فتوے دیتے ہیں اور پھر آخر میں اس میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت ممنوع ہو جاتا ہے پس تعامل ان لوگوں کا موجب جواز نہیں ہوتا البتہ قرونِ ثلثہ کا تعامل ہو جاتا ہے معہذا خود امر منصوص مباح بھی بعض اوقات بسبب اس تاکہ کے مکروہ ہو جاتا ہے جیسے صلوة ضحیٰ کہ تداعی و اہتمام سے

مساجد میں ادا کرنے سے صلوٰۃ ضعیٰ مستحب کو حضرت ابن عمرؓ نے بدعت فرمایا تو بس شیخ عبدالحقؒ اور ابن حجرؒ کی تحریر سے اس حالت موجودہ بہ محفل مروجہ ہرگز جائز نہیں ہو سکتی۔ گو اس وقت مباح تھی۔

کیا حضرت ابن عمرؓ کو علم نہ تھا کہ آنحضرتؐ نے نماز ضعیٰ پڑھی؟ کیا انہیں پتہ نہ تھا کہ صلوٰۃ ضعیٰ مستحب ہے؟ یقیناً پتہ تھا حضور اکرمؐ چار رکعت نماز چاشت پڑھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کے اصلاً ممکن نہ تھے، وصفاً ممکن تھے کہ نئے حالات میں صلوٰۃ الضعیٰ اپنی اصل صورت میں قائم نہ رہی تھی۔ آپ نے اسے نئے صورت حال میں اسے بدعت کہا۔ معلوم ہوا کسی چیز (گو وہ اصلاً ثابت ہو) کی ہیئت ادا بدل جاتے سے بھی اس کا حکم بدل جاتا ہے۔

ساتویں صدی کے حلیل القدر محدث امام نوویؒ شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں :-  
 واما ما صح عن ابن عمر انه قال في الضعیٰ هی بدعة فمحمول  
 علی انها صلوٰۃ تہائی المسجد والتظاہر بها لما کاوا یفعلونہ بدعة لا ان  
 اصلہا فی البیوت ونحوها مذموم اذ یقال قوله بدعة ای المواظبة علیہا  
 لان النبیؐ لم یواظب علیہا خشية ان تقرض۔

درجہ بات حضرت ابن عمرؓ سے صحیح طور پر مروی ہے کہ آپ نے نماز چاشت کے بارے میں فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔ سو یہ اس پر محمول ہے کہ اسے مسجد میں اعلان نہ پیرائے میں ادا کرنا جیسا کہ لوگ کرنے لگ گئے تھے بدعت ہے یہ نہیں کہ اس کا گھر میں پڑھنا بھی مذموم ہے یا ان کے اسے بدعت کہنے سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اس پر ہمیشگی کہنا بدعت ہے کیونکہ نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت نہ فرمائی باس خوف کہ کہیں یہ نماز بھی (آپ پر) فرض نہ ہو جائے۔

اس سے بھی یہی پتہ چلا کہ "من احدث فی امرنا هذا" میں احداث سے مراد کسی چیز کا نئے سرے سے قائم کرنا ہی نہیں۔ کوئی چیز جو اصلاً پہلے سے قائم ہو۔ مگر وصفاً اس میں کچھ نئی قیود



آجائیں یہاں تک کہ اس کی بنیت بدل جائے تو یہ بھی احداث ہے اور حدیث اس عمل کو بھی مردود ٹھہراتی ہے۔ اور یہ بات وزن نہیں رکھتی کہ یہ عمل اپنی اصل میں جائز تھا اسے بدعت کیوں کر کہا جا رہا ہے۔

## شیخ عبدالحق کے عہد اور مولانا عبد السمیع کے عہد میں فرق

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے عہد میں ایسے اعمال کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ میں دو جماعتوں کی کوئی تفریق نہ تھی۔ ولادت بیان کرنے والے اور نہ بیان کرنے والے سب ایک تھے کسی کے ہاں اس عمل کو واجب اور لازم سمجھ کر نہ کیا جاتا تھا اور نہ کہیں تقید مطلق کی گئی تھی ہر فریق اسے صرف مندوب و مستحسن جانتا تھا۔ لیکن مولانا عبد السمیع کے دور میں انگریز اس ملک میں آگئے تھے اور وہ مسلمانوں میں اسی طرح میلاد النبی قائم کرنا چاہتے تھے جس طرح ان کے ہاں کرسمس (میلاد مسیح) منائی جاتی تھی۔ اب میلاد النبی اور میلاد مسیح میں تاریخی یاد نہیں شہوار منانے کی بنیت آج کی تھی تشبہ کے گہرے سائے برابر اس پر نظر آ رہے تھے۔

پھر آج بریلویوں سے پوچھو تو وہ میلاد النبی کے دن اظہار عید کرنا اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ماننا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ یاد ولادت اب مندوب و مستحسن درہی افروض الفرائض کے درجہ میں آگئی اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ مندوب و مستحسن پر اگر اس درجے میں اصرار کیا جائے تو اس کا کرنا مکروہ ہو جاتا ہے۔

## بریلوی میلاد منانے کو کس افراط میں لے گئے ہیں

آج اگر ان مسائل کے باعث سوادِ عظم و صغیر میں بٹ گئی ہے (اہل بدعت اور اہل سنت) تو کیا پھر بھی اس میں کوئی تشبہ نہ جاتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے عہد میں جو عمل مکروہ نہ تھا مندوب و مستحسن تھا آج ناجائز ہو گیا ہے۔ کیا حضورؐ نہیں فرما گئے کہ جو شخص کسی دوسری قوم کے

مذہبی شعار میں اس سے تشبیہ کرے وہ انہی میں اٹھایا جائے گا۔ او کا قال النبئی

بریلویوں کے قاضی فضل احمد (ہ) لکھتے ہیں :-

پہلے زمانے میں مولود شریف کو ناصرف مستحق یا مستحب اور مسنون تھا لیکن اب

اس زمانے میں اس کو ضروری تصور کر کے فرض کفایہ تحریر فرمایا ہے۔

ان کے مفتی احمد یار خاں گجراتی لکھتے ہیں :-

بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو جمع نہیں

ہوتے۔ ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہوتے ہیں۔

خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا ہے۔

مفتی صاحب کا جب اپنا تجربہ بھی یہ ہے کہ میلاد شریف کے لیے بڑے شوق سے چلتے ہیں

تو عوام کے شوق و ذوق کا آپ خود اندازہ لگالیں اور پھر سوچیں کہ جو کام شیخ عبدالحق رحمہ کے دور میں

صرف مندوب و مستحق تھا اب اس درجے میں فرض کیوں ہو گیا ہے اور اگر لوگوں نے اسے

فرض نہ لیا ہے تو آج اس کا حکم بدلنا نہ چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تو نماز چاشت کو باوجودیکہ

یہ حضورؐ سے ثابت مطلق محض مہیت بدلنے پر ایک روٹی پھینے پر بدعت ٹھہرایا تھا۔

یہ جو محفل میلاد میں قیام کیا جاتا ہے اسے بریلویوں نے یہاں تک بڑھایا کہ اس پر وہ کفر و

سلام کے فاصلے پر پہنچ گئے ہیں۔ ان کے قاضی فضل احمد لکھتے ہیں :-

ترک کرنا قیام کا حضورؐ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں استخفاف اور توہین

ہے جو کفر ہے۔

مولانا احمد رضا خاں اور ان کے دیگر چالیس علماء نے قاضی صاحب کی اس کتاب کی تصدیق

کی ہے۔

# اسلام میں عیدیں صرف دو ہیں

## عید الفطر اور عید الاضحیٰ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :

### وقائع اور فرائض میں فرق

اسلام میں عبادات فرائض میں سے ہیں اور وقائع محض تاریخی یادیں کسی واقعہ کو ہمیشہ کا تہوار بنانا صرف شریعت سے ہو سکتا ہے اپنے جذبات سے نہیں۔ تہوار خوشی کا اظہار ہیں فرائض پر عقیدے پختہ ہوتے ہیں اور آخرت سورتی ہے اور تہواروں میں نسبتیں نکھرتی ہیں اور قومی زندگی بنتی ہے۔ فرائض ایک ذمہ داری سمجھ کر ادا کیے جاتے ہیں اور تہوار قومی سطح پر اجتماعی خوشیوں کا اظہار ہوتے ہیں بشرطیکہ شریعت نے انہیں اجتماعیت دی ہو۔

مسلمانوں کی تاریخی نسبتیں صرف دو پیغمبروں سے قائم ہوئیں۔ ایک وہ جن کی ہم امت ہیں اور ایک وہ جن کی ہم ملت ہیں۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے عید الفطر ہماری خوشیوں کا دن ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انتساب سے عید الاضحیٰ ہماری خوشیوں کا دن بنی مسلمان درود شریف میں ان دونوں پیغمبروں کو جمع کرتے ہیں اور دونوں سے اپنی نسبت قائم رکھتے ہیں۔ ایک نسبت سے ہم ایک امت ہیں اور دوسری نسبت سے ہم ایک ملت ہیں۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو دیکھا۔ وہاں کے لوگ دو دن خوشی کرتے ہیں۔ آپ نے ان سے کہا :-

ما هذا ان الیوم ان

یہ دو دن کیا ہیں ؟

انہوں نے کہا ہم عہد جاہلیت میں ان دو موقوفوں پر کھیل رکھتے اور خوشی کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا:   
 ان الله قد ابد لكم بهما خيرا منهما يوم الاضحى ويوم الفطر۔<sup>۱</sup>

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان دو کے بدلے تمہیں ان میں بہتر دو دینے دیئے ہیں۔ یوم الاضحیٰ   
 اور یوم الفطر۔

ان دو عیدوں کے سوا مسلمانوں نے اور کسی واقعہ کو ہر سال عود کرنے والی خوشی (عید) نہیں   
 بنایا مختلف واقعات اپنے اپنے وقت میں واقع ہوئے مگر جو شان اس تاریخی دن کی تھی جب حضورؐ   
 پیدا ہوئے وہ ہر سال عود کرنے والی نہ مانی گئی وہ ایک ہی دن تھا جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس کی عظمت   
 کا اختتام صرف اسی دن سے رہا۔

### وہ اوقات جن کا تقدس بار بار لوٹتا ہے

جو خوشی ہر سال لوٹے وہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی رہی ان کی ابتدا ایک زائد نماز سے ہوتی   
 عبادت کے اوقات گردش اوقات سے بار بار آتے ہیں۔ جمعہ کا دن بھی ہر سات دن کے بعد جاتا ہے۔   
 اور رمضان بھی ہر سال آجاتا ہے۔ یہ دو عیدیں بھی اور حج بھی یہ سب عبادات ہیں جن کے اوقات بار بار   
 لوٹتے ہیں مگر تاریخی وقائع ہر سال نہیں لوٹتے۔ یہ ایک ہی دفعہ واقع ہوئے۔ ان دنوں کی عظمت اسلام   
 میں ہر سال آنے والے ان دنوں کو نہیں دی جاسکتی۔ حضورؐ کے یوم ولادت کی جو شان اور عظمت تھی   
 وہ ہر سال آنے والے ۱۲ ربیع الاول کو نہیں دی جاسکتی ہاں اس دن کا ذکر تاریخی پیرایہ میں آپ جب   
 چاہیں ذکر کر سکتے ہیں۔

### تاریخی وقائع جو ایک ہی دفعہ واقع ہوئے

① آنحضرتؐ پر جب وحی کا آغاز ہوا وہ گھڑی کتنی مبارک اور سہانی تھی جو جبریل امین حضورؐ را کرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں پہلی دفعہ ملے مگر مسلمانوں میں یہ یوم بعثت آئندہ کسی سال نہ منایا گیا اور اسی دن کی شان کو اور کوئی دن نہ پاسکا۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات معراج کی سیر کرائی گئی اس کے لیے کوئی دن بطور تہوار نہیں منایا گیا اور نہ اس رات کا شرف کسی اور رات کو دیا گیا ہے اس رات کی تاریخی یاد تو ہوتی رہی لیکن وہ رات میں اپنی شان میں ایک ہی مانی گئی نہ ہر سال آنے والی۔

③ جس رات آیت تکمیل دین اتری (تو ذوالحجہ) اس سے بڑھ کر اور خوشی کس دن ہوگی لیکن اس دن کی یاد میں اس دین میں کوئی یوم عید نہ رکھا گیا عرفہ کی عظمت پہلے سے قائم تھی اور جمعہ کی فضیلت بھی پہلے سے چلی آ رہی تھی یہودیوں نے کوشش کی کہ مسلمان اس دن ایک تیسری عید قائم کریں لیکن امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمرؓ نے عرفہ اور جمعہ کی عظمتوں اور خوشیوں کا تو ذکر کیا جو پہلے سے قائم تھیں۔ اس آیت تکمیل دین پر کسی تیسری عید کو اسلام میں داخل نہیں کیا گیا۔

④ بدر کی فتح مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا سنگ میل تھا اور جہاد کی یہ عبادت بھی قیامت تک چلنے والا اسلامی حکم تھا مگر آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے اس دن کی خوشی کو بھی ہر سال نہیں منایا اور نہ اس سے اسلام کی کسی سالانہ عظمت کی تقویم کی۔

⑤ کیا اسلام میں شبِ ہجرت کو ہر سال کوئی تاریخی عظمت دی گئی؟ نہیں وہ ایک ہی رات تھی جس میں حضورؐ مکہ سے نکلے۔ آئندہ والی کوئی رات شبِ ہجرت نہیں کہلا سکتی اور نہ اس گزشتہ رات کی عظمت پاسکتی ہے۔

⑥ فتح مکہ پر مسلمان ایک نئی سیاسی قوت کے طور پر ابھرے اسے فتحِ مبین کہا گیا لیکن اس خوشی کو ہر سال توٹنے کا تقدس نہیں دیا گیا اور نہ اسلام میں اس عنوان سے کوئی نئی عید منائی گئی۔ اسلام میں عیدیں دو ہی ہیں اس میں کسی تیسری عید کو جگہ نہیں دی گئی۔

ان چھ شہادتوں کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضورؐ کی ولادت شریف کی یاد میں بھی اسلام میں کسی تیسری عید کا اضافہ نہیں کیا گیا۔

## یہودی کی پیشکش مسلمان ایک اور عید منائیں

۹ ذوالحجہ کو آیت الیوم اکملت لکم دینکم (المائدہ) اتری تھی۔ یہودیوں نے حضرت عمرؓ کو اس دن کی یاد میں عید منانے کا مشورہ دیا آپ نے اسے قبول نہ کیا۔ اسلام میں دو ہی عیدیں ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ اب کوئی تیسری عید قائم نہ کی جاسکے گی۔ دیکھئے صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۶۲۔ یوم ولادت ہو یا یوم بعثت۔ شب معراج ہو یا شب ہجرت۔ یوم بدر ہو یا یوم فتح مکہ کسی موقع کی خوشی اسلام میں عید کے پیرائے میں نہیں بتلائی گئی۔ یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایک اور عید کا اضافہ ہو جائے اور ان کے دین میں بدعات محض خوشیوں کی راہ سے داخل ہو جائیں حضرت عمرؓ نے سوچا ہو گا آنحضرتؐ کی زندگی کا تو ایک ایک دن ہمارے لیے سرمایہ مسرت ہے تو اب اگر ہم آپ کی یاد میں پورا سال عیدوں میں لگا دیں تو ان متاعہ کی تکمیل کیسے ہو سکے گی جن کے لیے حضور اکرمؐ کی بعثت ہوئی تھی تو میں اپنے مشن میں آگے بڑھتی ہوں وہ میلوں اور خوشیوں میں گم ہو کر نہیں رہ جاتیں۔

## قبروں پر سالانہ حاضری دینے کی رسم عید کے پیرایہ میں

بریلوی ادویائے کرام کی قبروں پر عرس کے نام سے سالانہ خوشی کرتے ہیں یہ ان کی عید ہوتی ہے یہ چومنی عید ہے۔ ہر علاقے میں کوئی نہ کوئی سرکاری مزار ضرور ہوتا ہے جہاں ہر سال عرس کے لنگر چلتے ہیں لغوی اعتبار سے ہر خوشی کو عید کہا جاسکتا ہے۔ درختار میں ہے۔

و یستعمل فی کل یوم فیہ مسرۃ ولذا اقبل ۛ

عید و عید و عید صرن مجتمعۃ دجہ الحبیب یوم العید والجمعۃ ۛ

نثر جبر: اور لفظ ”عید“ کا استعمال ہر اُس دن کے لیے کیا جاسکتا ہے۔ جس میں خوشی ہو۔ اسی لیے لگا گیا ہے۔

سہ عید اور عید اور عید اٹھی ہو گئیں۔ محبوب کا دیدار، عید کا دن اور جمعہ

ۛ درختار مع رد المحتار جلد ۴ ص ۴۴

لیکن جو عید مسلمانوں کا متہوار ہوتی ہے وہ یوم العید کے نام سے معروف ہوئی نہ کہ فقط عید ادبی پیرائے میں یہ لفظ خوشی کے معنی تو دے گا لیکن یہ متہوار نہیں ہوگا۔ متہوار کو یوم العید کہیں

گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وصیت میں فرمایا :-

لا تجعلوا بیوتکم قبوراً ولا تجعلوا قبری عیذاً۔<sup>۱</sup>

ترجمہ۔ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (کہ وہاں کوئی نہمان نہ پڑھی جائے) اور میری قبر کو تم عید نہ بنالینا۔

قبروں پر میلوں کی چہل پہل بنانا اور ایک معین دن وہاں حاضری دینا جیسا کہ اس دور کے لوگ اپنے گھروں میں ۱۲ وفات پر مٹھائیاں بانٹتے ہیں اور چھٹی مناتے ہیں تم میری وفات کی اس طرح خوشیاں نہ منانا۔ اسے آپ نے قبر پر عید کرنے سے تعبیر فرمایا۔

جب آپ نے اپنے روضہ پر بھی سالانہ حاضری درج عید منانے کے پیرایہ میں ہو جیسا کہ سبکل عرسوں میں ہوتا ہے، کی اجازت نہیں دی تو بزرگوں کی قبروں پر عرس کے نام سے یہ سالانہ میلے کس طرح کارخیر سمجھے جاسکتے ہیں انہیں یہ لوگ گو عید کا نام نہ دیں عرس ہی کہیں لیکن اس کا ثبوت بھی تو کتاب و سنت سے ہونا چاہیے۔ اس شخصیت یقین سے جو یہ بریلوی لوگ اپنے عرسوں میں بجالاتے ہیں کوئی امر گو وہ اصلاً مباح و مندوب بھی کیوں نہ ہو جائز نہیں رہتا۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ تعین مطلق بدعت ہے سو اسلام میں اس چوتھی عید کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں ہے جو عرس کے نام سے برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے ہر بڑے شہر میں منائی جاتی ہے۔

## مجالس عرس میں عورتوں کی حاضری

مجالس عرس میں حاضری کے لیے جب عورتیں گھروں سے نکلتی ہیں اسی وقت سے اُن پر

لعنت اُترتی شروع ہو جاتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

لے سنن ابی داؤد و جلد ۱ ص ۲۹۹ و رواہ السنن الکبریٰ

یہ نہ پوچھو کہ مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور صاحب قبر کی طرف سے جس وقت گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملکہ لعنت کرتے رہتے ہیں سوائے روضہ انور کے اور کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :-

عورتوں کو مزارات اور لیار اور مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔ عورتوں کا قبروں پر جانا بدرجہ رخصت جائز تھا لیکن عرسوں پر عورتوں کی حاضری ایسے حالات پیدا کر گئی کہ اب انہیں مزارات پر جانے کی ممانعت ہے اگر وہ اسے ایک نیکی کا کام سمجھتی ہے تو یہ ایک امر ممنوع کے ارتکاب کے ساتھ ایک بدعت کا ارتکاب بھی ہے۔

## مسلمان ساتویں صدی میں اس سالانہ رسم پر آئے

مولانا عبد السمیع رامپوری لکھتے ہیں :-

ہر چند وہ تذکرہ (ولادت) دواں آسا تو قدیم سے صحابہؓ سے چلا آتا ہے لیکن یہ سامان فرح و سرور کرنا اور اس کو مخصوص شہر ربیع الاول کے ساتھ کرنا اور اس میں بھی خاص وہی بارہواں دن میلاد شریف کا معین کرنا یہ بعد میں ہوا یعنی پچھٹی صدی کے آخر میں اور اول یہ عمل ربیع الاول میں کرنا تخصیص اور تعیین کے ساتھ ایسا ہی شہر موصل میں ہوا کہ ایک شہر ہے ملک عراق میں۔ وہاں ایک متقی دیندار شیخ عمرو جو صلی نے روزگار سے تھے انہوں نے یہ عمل ایجاد کیا یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ سات سو برس سے مولد شریف نکلا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ بعض خصوصیات کے ساتھ استخدفوں سے ہے۔



ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں :-

محس میلاد اگرچہ بدیں بہت مجموعی کسی مجتہد مطلق نے خود ایجاد نہیں فرمائی لیکن مجتہدان مطلق نے ایسے عمدہ قواعد کلیہ ایجاد کیے کہ یہ محس ان قاعدوں میں داخل ہو گئی مثلاً حضرت امام مالک حدیث کی تعلیم اس طرح کرتے تھے کہ اول غسل کرتے تھے

یعنی پہلے ذکر ولادت تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کے پیرائے میں ملتا تھا یہ بعد والی بہت اسے حاصل نہ تھی۔ امام مالک درس ہی تو دیتے تھے جن تخصیصات سے یہ عمل بدعت ٹھہرا وہ تو نہ بجالائے تھے یہ جو اس دن کو عید کا نام دیا گیا یہ اس کے بھی بہت بعد کی ایجاد ہے۔ یہاں سے بریلویوں کے ہاں عید میلاد النبی کی تاریخ ہوتی ہے صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ کے دور میں مسلمانوں کی عیدیں دو ہی تھیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ سو یوم عید صرف انہی دونوں کو کہا جاسکتا ہے۔ بریلویوں کے پروفیسر نور بخش تو کلی نے میلاد النبی کو عید کا نام دے کر اسلام میں ایک تیسری عید کا تصور پیش کیا، مولوی عبدالحکیم شرف قادری آپ کے ذکر میں لکھتے ہیں :-

”آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہند و پاک میں بارہ وفات کی بجائے عید میلاد النبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے نام تعطیل ہونا قرار پائی تھی“ ۱۷

مولوی محمد عمر اچھر دی نے تو یہاں تک کوشش کی کہ اس تیسری عید کو ایک نماز شکرانہ بھی مہیا کی جائے اور عام مسلمان اس دن حضور کی پیدائش کی خوشی میں دو رکعت شکرانہ باجماعت ادا کریں مولانا نے گول باغ لاہور میں یہ تیسری نماز عید پڑھائی بھی تھی لیکن اس میں حاضری بہت کم رہی۔

## یوم ولادت کو سالانہ منانے والا پہلا شخص

مولوی عبدالمصیح رامپوری کا یہ بیان آپ پڑھ آئے ہیں کہ یوم ولادت کو سالانہ منانے والا پہلا شخص شیخ عمر تھا۔ اب یہ بھی دیکھیں کہ وہ کس قسم کا شخص تھا اور مذاہب اربعہ میں وہ کس مذہب

کا تھا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کوئی غیر متقلد ہو۔

## بریلویوں کا یہ پیشوا کس قسم کا دیندار تھا

مولانا عبدالصمیم راسپوری نے جو یہ کہا ہے کہ یہ عمل ربیع الاول تھپی صدی کے آخر میں ایک متقی دیندار شخص نے ایجاد کیا یہ اس عمل کے بہ نسبت کئی بدعت ہونے پر ایک کافی شہادت ہے۔

۷۔ دعی لاکھ پہ مجاہدی ہے گواہی تیری

جو شخص کچھ بھی پڑھا لکھا ہو وہ سوچ سکتا ہے کہ جو عمل مسلمانوں میں چھ سو سال تک کہیں دیکھنے میں نہ آیا اور اس میں وہ تین زمانے بھی گزرے جن کو قرونِ ثلثہ مشہور لہا بالیج کہا جاتا ہے وہ کس طرح سنت ہو سکتا ہے اور اس کے کرنے والے کس طرح اہل سنت میں جگہ پاسکتے ہیں تاہم نامناسب ہوگا کہ ہم بریلویوں کے اس متقی دیندار کی بھی کچھ خانہ تلاشی لیں جس نے مسلمانوں میں یہ رسم چلائی اور اس پر شاہ اربل نے اسے ایک بڑا انعام دیا۔

## رسم میلاد کا بانی عمرو بن دحیہ

میلاد النبی پر پہلی کتاب مولوی عمرو بن دحیہ نے تھپی صدی کے اخیر میں لکھی اور اربل کے بادشاہ ابوسعید مظفر الدین نے اسے ایک ہزار اشرفی انعام دیا۔ شاہ اربل کے چچے کون سا خفیہ ہاتھ تھا جو اسے مسلمانوں میں رسم میلاد قائم کرنے پر آمادہ کر رہا تھا اسے ہم یہاں چھوڑے دیتے ہیں۔ پہلے یہ پتہ لگائیں

## یہ کون تھا جس نے اس نئے دینی کام کی بنیاد رکھی

عمرو بن دحیہ ایک خبیث فطرت غیر متقلد ذہن کا آدمی تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت اہل حدیث (باصطلاح جدید) معرض وجود میں نہ آئے تھے۔ غیر متقلدین بطور فرقہ تیرہویں صدی کی ایجاد ہیں لیکن اس قسم کے لوگ ظاہر یہ کہ نام سے پہلے بھی کہیں کہیں ملتے ہیں۔ ائمہ فقہ کی شان میں یہ لوگ بہت گستاخ ہوتے تھے

قیاس کے یہ بیشتر ممکنہ ہے اہل السنۃ والجماعۃ نے انہیں کبھی اپنی صفوں میں جگہ نہیں دی۔ امام ابن حزم بے شک ظاہری تھا لیکن وہ مجتہد درجے کے عالم تھے انہیں غیر مقلدین میں نہیں گنا جاسکتا۔ تاہم بیشتر ظاہری لوگ غیر مقلدین کے سے دیندار رہے ہیں انہی میں یہ عمرو بن دحیہ تھا جس نے اس امت میں میلاد النبی کی رسم ڈالی عیسائیوں اور ہندوؤں نے اس رسم کو باہر سے قوت بہم پہنچائی۔ یہاں تک کہ اہل بدعت اس خبیث الفطرت بد مذہب اور ائمہ کلام کے گستاخ کے پیچھے اپنی پوری جماعتی قوت سے چڑھ دوڑے۔ بریلویوں کو قیادت میں ہمیشہ ایسے ہی لوگ ملتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اس درباری مولوی عمرو بن دحیہ کے بارے میں (جسے مولوی عبدالسمیع رامپوری ایک متقی اور دیندار شخص لکھتا ہے) لکھتے ہیں :-

كان ظاهري المذهب كشيده الوقيعة في الامة وفي السلف من العلماء  
خبثت اللسان احمق شديد الكبر قليل النظر في امور الدين متهاونا مله  
ترجمہ۔ یہ شخص ظاہری مذہب تھا (جیسے غیر مقلدین فقہ کے بغیر صرف ظاہر پر چلتے ہیں)  
ائمہ فقہ کی شان میں بہت بُری باتیں کہتا۔ پہلے گزرے علماء کی بھی گستاخی کرتا یہ  
خبثت اللسان شخص تھا احمق بھی تھا اور اپنے آپ کو بڑا مولوی سمجھتا تھا علم  
کم تھا اور دینی کاموں میں سُست تھا (اپنے وقت کا احمد رضا خاں تھا)۔

حافظ ابن حجر نے اس کے بارے میں مشہور محدث ابن بخارد (۸۴۰ھ) کی یہ رائے نقل کی ہے۔  
رأيت الناس مجتمعين على كذبه وضعفه وادعائه سماع مالم يسمعه  
ولقاه من لم يلقه وكانت امارته ذل عليه لانه لا تحته مله

ترجمہ۔ میں نے سب علماء کو اس کے جھوٹا ہونے اور ناقابل اعتماد ہونے پر متفق  
پایا ہے نہ سنی باتوں کے سننے کا دعویٰ کرتا اور جن سے نہ ملا ہوا انکی ملاقات بتلا۔

علماء دیوبند فقہ حنفی پر بڑی سختی سے کاربند رہے ہیں۔ وہ بریلویوں کی اس غیر مقلدانہ تحریک

کاسا ساتھ زندے رکھتے تھے۔ انہوں نے عمرو بن دجیہ کے میلاد النبی منانے کے اس بدی طریقے سے اتفاق نہیں کیا۔ تاہم محفل میلاد میں قیام کرنا اس وقت شروع نہ ہوا تھا۔ قیام میلاد کو بریلوی آٹھویں صدی سے ثابت کرتے ہیں ملتان کے بریلوی عالم مولانا احمد سعید کاظمی قیام میلاد کے ثبوت میں امام تقی الدین اسبکی الشافعی (۷۵۶ھ) کو پیش کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

مسئلہ قیام میلاد میں امام سبکی اور ان کے ہم عصر علماء و مشائخ (آٹھویں صدی کے علماء) کی اقتدار کافی ہے۔

اس وقت ہم قیام میلاد پر بحث نہیں کر رہے یہ عنوان آگے کہیں آئے گا۔ ہم یہاں صرف اس بات کا تاریخی تجزیہ کر رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اس تیسری عید کا رواج کب سے ہوا اور پھر اس میں ایک ایک بات کیسے بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اب یہ رسم تاریخ اسلام کے نصف اول میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں کہیں نظر نہیں آتی۔ آج بریلوی مسجدیں اسی امتیاز سے پہچانی جاتی ہیں اور پھر طرفہ تماشایہ کہ یہ لوگ باس ہمہ اپنے آپ کو اہل سنت بھی کہتے ہیں ایسے ہی ہے جیسے کوئی حبشی اپنا نام شیخ کا فورہ رکھ لے۔

اس کے بعد اہل بدعت نے اپنی چوتھی عید ہر قصبہ و شہر میں بڑے بڑے مزارات پر عرسوں کی شکل میں قائم رکھی ہے۔ اس وقت یہ عرس ذریعہ بحث نہیں کہ ہم ان کا تنقیدی جائزہ لیں بات صرف یہ ہو رہی تھی کہ اہل بدعت نے کس طرح اس قسم کے میلوں کو داخل دین کر رکھا ہے۔ ننگر چلتے ہیں اور بدعتی مولوی میشرابہنی پر پلٹتے ہیں۔

محافل میلاد کے تین بڑے کام ہیں انہیں میلاد النبی کی تقریبات میں رکن کی حیثیت حاصل ہے رکن اسے کہتے ہیں جس کے بغیر وہ کام ہو ہی نہ سکے۔ وہ تین کام کیا ہیں۔

۱۔ مولود خوانی ۲۔ نعت خوانی ۳۔ دسترخوانی

اس موقع پر تقریریں ضروری نہیں سمجھی جاتیں۔ تقریروں میں زیادہ سیرت، عظمت اور

شان رسالت کے مضامین آجاتے ہیں اور ذکر ولادت بہت کم ہوتا ہے اس لیے محافل میلاد میں تقریروں کی بجائے مولود خوانی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ مولود میں ولادت کا موضوع شعروں میں بیان ہوتا ہے مختلف شعرا نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مولود لکھے ہیں جو محافل میلاد میں پڑھے جاتے ہیں کہیں کسی کے لکھے مولود کو پسند کیا جاتا ہے اور کہیں کسی کے لکھے کو مختلف مولود دینے اپنے اپنے مولود میں ماہر ہوتے ہیں۔ مولود خوانی نہایت سوز و گداز سے کی جاتی ہے اور واقعات ولادت ایک ترتیب سے بیان کیے جاتے ہیں ان میں رطب و یابس ہر طرح کی روایات کی کھلی آمد ہوتی ہے۔

پھر مجالس میلاد میں نعت خوانی بھی ہوتی ہے۔ ان نعتوں میں زیادہ حضورؐ کی شان و عظمت کا بیان ہوتا ہے مولود خواں زیادہ تر دیہاتوں میں مولود پڑھتے ہیں، شہروں میں محافل میلاد میں نعت خوانوں سے رونق پکڑتی ہیں۔ مولود خوانی اور شعر خوانی کے بعد میلاد شریف کی مجالس میں دسترخوان بچھتے ہیں اور پھر گئی رات تک لنگ چلتے ہیں علماء کے لیے دسترخوان علیحدہ بچھتے ہیں ایک غریب نعت خوان نے ایک اسی مجلس کو دیکھ کر کہا تھا کہ

پلاؤ روز پکتا ہے میاں بدھو کی بھیک پر میری آلو کی ترکاری جو پہلے تھی سواب بھی ہے

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ان محافل میلاد کے لیے چندے کہاں سے وصول کیے جاتے ہیں۔ عام مشاہدہ میں یہی آیا ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں چھوٹے چھوٹے بچے گلیوں اور بازاروں میں بڑے بڑے طشت لیے میلاد شریف کے لیے خرچہ مانگتے ہیں اور راہ گزرنے والے کو کچھ دیئے بغیر ہاں سے گزرنا مشکل ہوتا ہے۔ رضا خانی، مولود خوانی اور نعت خوانی کی منزلوں کا اسے زادِ راہ سمجھتے ہیں ہم اس میں بھی ان سے کوئی تفرص نہ کرتے اگر یہ مسئلہ ہمیں اس میں حائل نہ ہوتا کہ مساجد میں شعر خوانی کی محافل میلاد مسجدوں کے اس تقدس کے بحیر خلاف ہیں جس کے لیے یہ مسجدیں بنی ہیں نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس پر بھی کچھ تفصیل دہیہ قارئین کر دیں۔

واللہ هو الموفق لما یحبہ ویرضی بہ وھو المستعان وعلیہ التکلان۔

## مساجد میں محافل نعت کا انعقاد

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد

آج کل دیکھنے میں آرہا ہے کہ لوگوں نے مسجدوں میں مستقل طور پر نعت کی محفلیں بھی شروع کر دی ہیں۔ ان محافل میں اول، دوم اور سوم آنے والے نعت خوانوں کو انعام بھی دیئے جاتے ہیں اور نعت پڑھنے کے دوران ان کی تحسین نقد رقم دینے سے بھی کی جاتی ہے۔ اس جذبہ مسابقت میں وہ نوجوان بھی حصہ لیتے ہیں جن کے چہرہ دل پر سنت کا نور قریب سے بھی نظر نہیں آتا۔ یہ کوئی وعظ و تقریر کی مجلسیں نہیں ہوتیں انہیں محافل نعت کہا جاتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسجدوں میں اس پیرایہ میں اشعار پڑھنا کہ اس وقت پوری مسجد کا یہ نقشہ عمل ہو کیا اس قسم کی شعر خوانی کی مجالس عہد صحابہ میں بھی کبھی قائم ہوئیں یا مسجدوں میں اس پیرایہ میں شعر خوانی گو وہ اچھے اشعار پر مشتمل ہو ایک نیا عمل ہے اور لوگ اسے دین سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں۔

غفلت کسے کہتے ہیں، وضع الشئ فی غیر محلہ کسی چیز کو وہاں رکھنا جو اس کا محل نہ ہو۔ مسجدیں کن کاموں کے لیے بنی ہیں؟ اسے قرآن کریم میں مطالعہ کیجئے :

### مسجدوں کا مقصد وجود اللہ کی یاد اور اس کی عبادت ہے

مسجدیں اس لیے بنی ہیں کہ ان میں اللہ کی یاد ہو اس کی عبادت ہو اور آخرت میں اس کی گرفت کے ڈر سے اس کی یاد کی جائے اور اس کے نام کی آواز لگائی جائے۔ مسجد کس کا گھر سمجھی جاتی ہیں، قرآن کریم کی رو سے وہ اللہ کے گھر ہیں جن میں اس کا نام بلند کیا جاتا ہے۔ اس میں اللہ کے سوا اور کسی کی پکار نہیں ہوتی۔

ہم اس وقت اس پر قرآن کریم کی پانچ شہادتیں پیش کرتے ہیں :-

## قرآن کریم کی پہلی شہادت

فی بیوتِ اذن اللہ ان ترفع و یذکریہا اسمہ یستح لہ بالغدّ والاصال  
 رجال لاتلمیہم تجارتہ ولا بیع عن ذکر اللہ و اقام الصلوٰۃ (پ البقرہ ۲۶)  
 ترجمہ ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا کہ ان میں مینار ہوں  
 اور ان میں خدا کے نام کی اونچی آواز لگے، اور حکم دیا وہاں اس کا نام پڑھنے کا  
 یاد کرتے ہیں وہاں (مسجدوں میں) اس کو صبح و شام وہ مرد کہ غافل نہیں ہوتے تجارت  
 میں اور سودا کرنے میں وہ اللہ کی یاد سے اور نمازیں قائم کرنے سے اور زکوٰۃ  
 دینے سے ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے جس میں اُلٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔  
 اس آیت میں قرآن کریم نے مسجدوں کا مقصد وجود پورا کھول کر رکھ دیا ہے۔ سو ضروری ہے کہ ان کی  
 تعلیم و تعلیم ہر اس عمل سے بالا رکھی جائے جن کے لیے یہ بنائی نہیں گئیں۔

## قرآن کریم کی دوسری شہادت

ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکریہا اسماء (پ البقرہ ۱۱۴)  
 ترجمہ۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ کی مسجدوں کو وہاں اس کا  
 نام لینے سے روکا۔  
 معلوم ہوا کہ مسجدوں کو نماز سے روکے رکھنے کی چند گھنٹوں کے لیے بھی پابندی نہیں لگائی  
 جاسکتی اور اس دوران کسی نمازی یا متکلف کو نماز کے دوران کسی خوش آوازی، نعت خوانی یا ذکر بالجہر  
 سے نماز چھو لنے کے وہم میں نہیں ڈالا جاسکتا۔  
 کوئی متکلف سو یا ہوا ہو تو اسے بھی محض نعت یا ذکر بالجہر سے تشویش میں ڈالنے کی اجازت نہیں  
 نہیں۔ مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکنے کی اتنے وقت کے لیے اجازت نہیں جتنے میں کوئی نمازی

وہاں نماز پڑھ سکے۔ مسجدیں اپنے مقصد و جوہر میں عبادت گاہیں ہیں۔

## قرآن کریم کی تیسری شہادت

ان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احداً۔ (پ۲ النہج ۱۸)

ترجمہ۔ اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں سو نہ پکارو (ان میں) اللہ کے ساتھ کسی کو اور یہ کہ اللہ کا بندہ جب کھڑا ہو کہ اس کو پکارے تو لوگوں کا ایک ٹھٹھ بندھنے لگتا ہے۔ تو کہہ میں پکارتا ہوں صرف اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کے ساتھ کسی کو۔

مسجدوں میں اللہ کے ساتھ کسی کو پکارنے کی اجازت نہیں۔ ایک طرف یا اللہ لکھنا اور اس کے سامنے یا محمد لکھنا کیا یہ مسجد میں دوسری پکار تو سنہیں۔ یا نعمتوں میں حضور کو سیکڑوں اور ہزاروں مسلوں سے پکارنا کیا یہ آپ کی شان میں بے ادبی تو سنہیں۔ کاش کہ اہل بدعت حضرات قرآن کی اس آیت پر بھی کچھ غور کر لیتے۔

ان الذين ينادونك من داء الحجوات اكثرهم لا يعقلون (پ۲ الحجرات ۴)

ترجمہ۔ جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو دیواروں کے پیچھے سے (دور کے فاصلوں سے) ان میں زیادہ وہ ہیں جو عقل سے خالی ہیں۔

کیا آپ نے دیکھے کہ یہ بے عقل لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ سے آوازیں دیتے ہیں اور آگے کچھ بھی نہیں کہتے اتنا بھی نہیں کہتے صلی اللہ علیہ وسلم تاکہ پکارنا ایک بے محل آواز ہو کر نہ رہ جائے۔

## قرآن کریم کی چوتھی شہادت

ولو ادفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت صوامع وبيع وصداوات



ومساجد یدکر فیہا اسم اللہ کثیراً۔ (پک انج ۴۰)

ترجمہ۔ اور اگر نہ ٹہایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے تڑوہا دیئے جاتے

تیکئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت

یہ آیت بھی مسجدوں کے مقصد وجود کی نشاندہی کر رہی ہے کہ یہ اس لیے بنی ہیں کہ ان میں

زیادہ سے زیادہ لیا جائے اور اذان کا اقامت لا الہ الا اللہ پر اور نماز کا اقامت اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

پر۔ دعا کا اقامت ذوالجلال والاکرام پر۔ خطبہ جمعہ کا اقامت ولہ کر اللہ تعالیٰ اعلیٰ واعز وجل واکبر پر۔

اور تسبیح تراویح کا اقامت یا مجیر پر اور تسبیحات سبحان اللہ والحمد للہ اور اللہ اکبر پر ختم ہوتی ہیں۔ یہ اس

حقیقت کی عملی شہادت ہے کہ مسجدیں اللہ کے نام کے لیے بنائی گئی ہیں اور یہی ان کا مقصد وجود ہے۔

## قرآن کریم کی پانچویں شہادت

واقیموا وجوہکم عند کل مسجد وادعوا مخلصین لہ الدین کما

بدأکم فتودون۔ (پک الاعراف ۲۹)

ترجمہ۔ اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر مسجد کے وقت اور پکارو اس کو خالص اس

کے فرمانبردار ہو کر۔ جیسے اس نے تمہیں پہلے پیدا کیا دوسری بار بھی تم اُٹھو گے

اس آیت میں لفظ مسجد سے مراد مسجد ہی لیا گیا ہے۔ سو یہاں جس ایک کے سوا کسی کو مسجد

جائز نہیں۔ یہ مساجد بھی سب اسی کے لیے ہیں۔ یہاں اسی کا نام بلند کرنا اور اسی کے نام کی تحکیر ہو۔

مسجد میں اس ایک ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کی پکار جائز ہوتی اسے مافوق الاسباب

آواز دینا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس طرح مخلصین کو پابند نہ کرتے کہ تم ایک اللہ کے سوا کسی کے نام

کی دہاں دہاں نہ دو۔

## مساجد اللہ کے ذکر اور اس کی تعظیم اور تجلیل کے لیے

مسجدوں میں جو اللہ کا ذکر بیان ہوتا ہے اور اس کی تعظیم و تجلیل کے خطبے دیتے جاتے ہیں یہ سب اللہ کے ذکر میں داخل ہیں۔ جمعہ کے خطبہ میں آنے والے کو واسعوالی ذکر اللہ و ذکر والیبیع (پٹ الحجہ) کی روشنی میں اللہ کے ذکر کی طرف آنے والا کہا جاتا ہے۔ یہاں تذکیر و تبلیغ بھی اس لیے ہے کہ لوگ اللہ کی طرف جھکیں اور دنیا میں نیکیاں قائم ہوں اور اللہ کا نام بلند ہو۔ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں اللہ کے نام کی آواز لگتی ہے۔

مجالس و غلط و تذکیر میں مہمانت آجائے تو مجلس اپنے موضوع سے باہر نہیں نکلتی لیکن اگر مجلس کا موضوع غلط و تذکیر اور جلسہ و تقریر نہ ہو اور پوری محفل صرف نعت خوانی کے لیے قائم کی جائے اور شعراء انعام طلبی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنے فن کے جوہر دکھائیں بعض نعتیں ترنم سے بھی پڑھی جائیں اور سارے نعت پڑھنے والے متشرع ضرورت بھی نہ ہوں تو مساجد کی یہ شعر خوانی مساجد کو اپنے مقصد و جود سے کافی دور لے جائے گی۔ قرآن کریم میں مساجد کا مقصد وجود یہ بتلایا گیا ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے نہ کہ پوری مجلس شعر خوانی اور اس پر مقابلہ آرائی کے لیے کی گئی ہو۔ سلف میں مساجد میں اس طرح مستقل طور پر نعت خوانی کی مجالس نہ لگتی تھیں اور مسجدیں کبھی ایک گھنٹہ کے لیے بھی ذکر اللہ اور نمازوں سے فارغ نہ کی جاتی تھیں۔

## مساجد میں اشعار پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جس طرح ہم نے قرآن کریم سے مساجد کے مقصد و جود پر پانچ شہادتیں پیش کی ہیں یہاں ہم احادیث سے پانچ شہادتیں پیش کریں گے کہ ہمیں مساجد میں شعر پڑھنے سے روکا گیا ہے۔

① 26 مولود کعبہ حضرت حکیم بن حزام (۵۴ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔ 6

نعمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ینتقاد فی المسجد وان ینشد  
فیہ الاشعار وان تقام فیہ الحدود۔<sup>۱</sup>

ترجمہ۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا کہ مسجد میں (۱) کسی سے  
قصاص لیا جائے (۲) اس میں اشعار پڑھے جائیں اور (۳) یہ کہ اس میں  
حدود جاری کی جائیں۔

(۲) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عن الشراء والبیع فی المسجد و  
ان تنشد فیہ ضالة وان ینشد فیہ شعر ونعمی عن التعلق قبل الصلوة  
یوم الجمعة۔<sup>۲</sup>

ترجمہ۔ نبی پاک نے مسجد میں خرید و فروخت سے منع فرمایا۔ اس میں گمشدہ چیز کی  
بھی تلاش نہ کی جائے۔ اس میں شعر خوانی بھی نہ ہو اور آپ نے مسجدوں میں نماز  
جمعہ سے پہلے لوگوں کے حلقہ بنا کر بیٹھنے کو بھی منع فرمایا۔

(۳) ابن خزیمہ اپنی صحیح میں بسند عمر بن شعیب عن ابرہہ عن جده روایت کرتے ہیں :-  
نعمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تناسد الاشعار فی المساجد.....  
واسنادہ صحیح۔<sup>۳</sup>

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا  
ہے۔

(۴) ایک شاعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور مسجد میں حمد باری پر کچھ اشعار  
پڑھنے کی اجازت مانگی آپ نے اسے اجازت نہ دی اور اسے مسجد سے نکل کر پڑھنے کا کہا وہ مسجد  
سے باہر آیا اور اس نے حمد باری تعالیٰ پر شعر پڑھے آپ نے پھر اسے ایک چادر انعام میں دی :-

۱۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۶۱ مشکوٰۃ ص ۲۷ سنن ابی داؤد جلد ۴ ص ۵۵ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۷ فتح الباری ص ۱۱۹

ان شاعرًا جاء الى النبي وهو في المسجد فقال المشدك يا رسول الله .....

فاخرج من المسجد فخرج فانشده فاعطاه رسول الله ثوبًا. ۱۰

ترجمہ: ایک شاعر بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ اس وقت مسجد میں تھے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے (حمد باری پر) شعر پڑھنے کی اجازت مانگی۔ اسے مسجد سے باہر آنے کا کہا گیا۔ وہ نکلا اور اس نے وہ شعر پڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے انعام میں چادر عطا فرمائی۔  
 (۵) امام نسائی کے شاگرد امام ابن السنی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من رايتموه ينشد في المسجد شعرا فقولوا فض الله فاك ثلاث مرات. ۱۱

ترجمہ: تم کسی کو مسجد میں شعر پڑھتے پاؤ تو کہو اللہ تیرا مزہ بند کرے ایسا تین دفعہ کہو۔  
 اس سے اندازہ کریں مسجدوں میں نعت خوانی کی مجالس قائم کرنے کا کیا حکم ہے۔

### حضرت عمرؓ کا فیصلہ مسجد میں اشعار پڑھنے کے بارے میں

حضرت عمرؓ نے مسجد سے باہر ایک طرف ایک کھلی جگہ بنوا دی جہاں لوگ شعر خوانی وغیرہ کر سکیں۔ یہ اس لیے تھا کہ آپ مسجد میں شعر خوانی کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ آپ نے اس کے لیے جو جگہ بنوائی اسے رجبہ کہتے تھے۔ اس جگہ کا ایک نام بطیحاء بھی تھا۔ امام مالکؒ اپنے موطا میں روایت کرتے ہیں:-

ان عمر بن الخطاب بنی رحبة فی ناحية المسجد تسعی البطیحاء وقال من

كان يريد ان يلفظ ادينشده شعرا او يرفع صوته فليخرج الى هذه الرحبة. ۱۲

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے مسجد کے ایک کونے میں ایک کھلی جگہ چھوڑی تھی جسے بطیحاء کہا جاتا۔ آپ نے فرمایا جو چاہے کہ کوئی بات کہے یا شعر پڑھے یا آواز اونچی کرے اس رجبہ میں جانا چاہیے۔

یہاں شعر پڑھنے سے کون سا شعر مراد ہے وہی جو خیر کی آواز ہو نہ کہ وہ جس سے شر پھوٹے

## مسجد میں کس حد تک ذکر بالجہر کی اجازت ہے

عن ابی سعید قال اعتكف رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد فسمعهم  
يجهرن بالقرأة فكشف الستر وقال ألا ان كلكم مناج ربه فلا  
يؤذین بعضکم بعضاً ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القرأة او  
قال فی الصلوة۔<sup>۱</sup>

ترجمہ

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف فرمایا۔ آپ نے پڑھنے کے پیچھے (صحابہ کو جہر اقرأت کہتے سنا۔ آپ نے فرمایا جان لو! تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے باتیں کر رہا ہے۔ پس ایک دوسرے کو کوئی اذیت نہ دے نہ ایک دوسرے سے قرأت ادبھی کہے یا نماز میں وہ کسی دوسرے کے مبنائی کو کوئی تکلیف دے۔ پس ذکر بالجہر اسی حد تک جائز ہے کہ کوئی شخص (نعت خواں) کسی دوسرے کے لیے تکلیف کا سبب نہ بنے کوئی دوسرے سے اپنی آواز نہ بڑھائے نماز میں بھی کسی دوسرے کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو اس میں یہ سب باتیں آگئیں۔

- ۱۔ اگر کوئی متکلف مسجد میں سویا ہوا ہے تو مہتمم را جہر (ادبھی آواز) اسے پریشان نہ کرے۔
- ۲۔ اگر کوئی دوسرا مسجد میں پاس بیٹھا قرآن پڑھ رہا ہو تو مہتمم را آواز اسے پڑھنے میں رکاوٹ نہ ڈالے۔
- ۳۔ اگر کوئی شخص مسجد میں دیر سے آیا اور اسے اپنے طور پر نماز پڑھنی ہے تو وہ نماز سکون سے پڑھ سکے اسے بھول میں نہ ڈالا جائے۔

۴۔ مسجد میں اذان دینی ہو تو آواز چیخنے کی حد تک ادبھی نہ کرے اتنی ہر جتنی اقامت میں ہوتی ہے

۵۔ اس انداز میں مسجد میں ذکر نہ کرے کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ یہ ہوسٹس میں نہیں گودہ خود ہوش میں ہو۔

ہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد سے باہر رجہ (دوہ کھلی جگر) اس لیے بنائی تھی کہ بُرے اشعار مسجد میں نہ پڑھے جائیں بُرے اشعار پڑھنا تو مطلقاً منع ہے کہیں بھی پڑھے جائیں، حضرت عمرؓ جیسے مرد خدا ان کی کیسے اجازت دے سکتے تھے۔

یہ درست ہے کہ حافظ ابن حجر کا مقام رجال حدیث منکان حدیث اور طرق حدیث میں اپنی جگہ بہت ادا سچا ہے لیکن فہم حدیث میں طاعلی قاریؒ ان سے آگے نکل گئے ہیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں فہتار ہی حدیث کے معنی بہتر سمجھتے ہیں، طاعلی قاریؒ بلند پایہ فقیہ ہیں انہوں نے یہاں حافظ ابن حجرؒ کی اچھی اصلاح فرمادی ہے۔ آپ لکھتے ہیں :-

وَقَالَ ابْنُ حَجْرٍ اَيُّ شَعْرٍ اَمْ ذُو مَالٍ فِي مَحَلِّهِ لَانَّهُ لَا يَبَاحُ مَطْلَقًا. ۱۰

ترجمہ ابن حجر کا کہنا کہ اس سے بُرے اشعار کی ممانعت ہے صحیح نہیں کیونکہ بُرے اشعار تو مطلقاً ممنوع ہیں کہیں بھی نہ پڑھنے چاہئیں۔

اگر مسجد میں اچھے شعر پڑھنے کی عام اجازت ہوتی تو حضرت عمرؓ مسجد کے ساتھ رجہ نہ بنواتے آپ کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بھی لازمًا ہو گا، جسے ہم پہلے احادیث منع میں چوتھے منبر پر ذکر کرتے ہیں۔

اسید بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ایک شاعر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ اس وقت مسجد میں تھے اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میں آپ کو کچھ شعر سنانا چاہتا ہوں (ظاہر ہے کہ وہ کوئی شعر مذموم تو نہیں سنانا چاہتا تھا وہ اشعار مدح باری تعالیٰ میں تھے) آپ نے اجازت نہ دی، اس نے اصرار کیا کہ مجھے اجازت دیں، آپ نے فرمایا ایسا کرنا ہے تو پھر مسجد سے باہر نکل آؤ، وہ باہر نکلے اور آپ کو وہ شعر سنانے، محدث عبدالرزاق (۲۱۰ھ) روایت کرتے ہیں :-

ان شاعر آجاء الی النبی وهو فی المسجد فقال انشد لک یرسلہ اللہ قال لا  
قال بلی فأذن لی قال النبی فاخرج من المسجد قال فاعطاه النبی صلی  
اللہ علیہ وسلم ثوباً وقال ہذا بدل ما مدحت بہ ربک ۛ

ترجمہ۔ ایک شاعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ اس وقت مسجد میں تھے۔  
اس نے حضور سے کہا میں آپ کو شعر سناؤں؟ آپ نے فرمایا نہ۔ اس نے کہا کیوں نہیں؟  
مجھے اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا تو مسجد سے نکل جا (اس نے باہر نکل کر حضور کو شعر سنائے)  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک چادر عطا کی اور فرمایا یہ اس کا عوض ہے جو تو نے اپنے  
رب کی حمد کی ہے۔

(نوٹ) یہاں فاخرج من المسجد کے بعد ایک جملہ رہ گیا ہے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ ”پھر وہ نکلا  
اور اس نے مسجد سے باہر مدح باری تعالیٰ میں شعر پڑھے اس پر حضور نے اسے ایک چادر دی“ اگر اس  
نے شعر نہ پڑھے ہوتے اور حضور نے نہ سنے ہوتے تو اس شاعر کو انعام دینے کی پھر کیا ضرورت تھی؟  
الحمد للہ وہ الفاظ ہیں عبدالرزاق کے حوالے سے اس طرح مل گئے ہیں۔

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں المصنف لعبدالرزاق کی یہ روایت اس طرح نقل کی ہے اس  
میں یہ الفاظ موجود ہیں :-

فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخرج من المسجد فقخرج فانشدہ فاعطاه  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثوباً ۛ

ترجمہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا تو مسجد سے نکل آؤ وہ مسجد سے نکلا اور حضور کو شعر سنائے  
اس پر حضور نے اسے چادر انعام میں دی۔

اس سے صاف پتہ چلا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ان اشعار کی بھی اجازت نہ دی جو  
مدح باری تعالیٰ میں تھے سو یہ بات کسی طرح تسلیم کرنے کے لائق نہیں کہ مسجد میں صرف شعر مذہب منع ہیں

دوسرے نہیں۔ کبار تابعین جن کا مرتبہ علمی ائمہ اربعہ سے بھی آگے کا ہے جیسے مسروق بن اجدعؓ (۵۹۳ھ) ابراہیم بن نخیؓ (۹۶۲ھ) سالم بن عبد اللہؓ (۱۰۶ھ) اور امام حسن بصریؓ (۱۱۰ھ) یہ سب اس پر متفق ہیں کہ مسجد میں شعر خوانی جائز نہیں ہے۔

ان روایات کے خلاف صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت حسان بن ثابتؓ کے مسجد میں اشعار پڑھنے کی روایت بڑے شد و مد سے پیش کی جاتی ہے۔ محدثین نے اس سے ان روایات کا معارفہ کیا ہے اور پھر ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تطبیق کی راہ میں مختلف حضرات مختلف سمتوں میں چلے ہیں۔ ہم پہلے وہ روایت پیش کرتے ہیں اس کی اسانید میں ہمیں جو الجھن نظر آئی وہ بھی ہم ہدیہ قارئین کریں گے اور پھر کچھ تطبیق کی راہیں ہدیہ قارئین کی جائیں گی۔ واللہ العلیٰ

### حضرت حسان بن ثابتؓ کا مسجد میں حضورؐ کی مدح میں شعر پڑھنا

امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ میں ایک یہ باب باندھا ہے۔ باب الشعر فی المسجد (جلد ۲ ص ۶۷) اور اس میں حضرت حسانؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ اس پر علامہ عینی لکھتے ہیں :-  
مطابقہ للترجمہ غیر ظاہرۃ ھہنا لانہ لیس فیہ صریحاً انہ کان فی المسجد والترجمۃ ھذا الشعر فی المسجد۔

ترجمہ۔ اس روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح نہیں۔ کیونکہ اس میں اس بات کی حرا نہیں کہ وہ شعر مسجد میں پڑھے گئے تھے اور باب یہ بندھا ہے۔ الشعر فی المسجد۔ یہ صحیح نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت حسانؓ نے مسجد میں یہ شعر پڑھے۔ ہو سکتا ہے امام بخاریؒ نے اس سے شعر فی المسجد کا جواز اخذ کیا ہو۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب کو صادق کرنے کے لیے باب بد الخلق میں پھر اسی حدیث کو روایت کیا ہے :-



عن الزهري عن سعيد بن المسيّب قال مر عمر بن الخطاب رضي الله عنه في المسجد وحسان يفتش فلهط اليه قال كنت اشتد فيه وفيه من هو خير منك ثم التفت الى ابي هريرة فقال اشتد لي بالله اسمعته صلى الله تعالى عليه يقول اجب عني بـ

ترجمہ۔ حضرت سعید بن المسیبؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ مسجد میں گئے اور حضرت حسانؓ بن شمر پڑھ رہے تھے آپ نے حضرت حسانؓ کی طرف آنکھ بدلی، حضرت حسانؓ نے کہا میں مسجد میں شعر پڑھتا ہوں اور اس میں وہ تھے جو آپ سے بھی درجہ میں آگئے تھے، پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تو نے حضورؐ کو فرماتے سنا کہ (اے حسان) میری طرف سے (کفار کو) جواب دے۔

یہ دوسری روایت حضرت سعید بن المسیبؓ (۹۴ھ) سے مروی ہے وہ حضرت عمرؓ کے حضرت حسانؓ کے پاس سے گزرنے کا واقعہ نقل کر رہے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے اس واقعہ کو نہیں پایا، علامہ منذری (۶۵۶ھ) فرماتے ہیں:-

وسعيد لم يصح معاه من عمروان لكن سمع ذلك من حسان فمتصل بـ

ترجمہ۔ سعید بن المسیبؓ کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں اور اگر انہوں نے حضرت حسانؓ سے یہ واقعہ سنا ہو تو پھر یہ روایت متصل ہو جاتی ہے۔

اور پہلی روایت جس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے امام زہریؒ ابوسلمہ سے نقل کرتے ہیں۔ اور انہوں نے حضرت حسانؓ کو حضرت ابوہریرہؓ کو اس روایت پر قسم دیتے سنا ہے یہ سوال پھر جاتی رہا کہ حضرت ابوہریرہؓ کو قسم حضرت عمرؓ نے دی یا حضرت حسانؓ نے؟ محدثین اس پر بہت پریشان نظر آتے ہیں۔ دونوں صورتیں آپ کے سامنے ہیں اور یہ بات ناقابل انکار ہے کہ حضرت عمرؓ کا زمانہ نہ ابوسلمہ نے پایا نہ حضرت سعید بن المسیبؓ نے۔ اور یہ دونوں ہی اس واقعہ کے راوی ہیں

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ان احادیث کے قبیل سے ہے جن پر امام دارقطنی نے احادیث صحیحین پر تنقید کی ہے۔

وفي الاسناد نظر من وجه اخر وهو على شرط التتبع ايضا وذلك ان لفظ

رواية سعيد بن المسيب مرنى المسجد وحسان يثشد ..... ورواية

سعيد هذه القصة عند هم مرسله لانه لم يدرك زمن المورور ..... ورواية

وابوسلمة لم يدرك زمن مورور عوا ايضا فانه اصغر من سعيد .

ترجمہ۔ اور اس حدیث کی سند میں ایک اور بات بھی لائق غور ہے اور وہ قطع پر موقوف ہے اور وہ یہ کہ سعید بن المسيبؒ کی روایت کے یہ الفاظ کہ حضرت عمرؓ مسجد سے گزرے اور حضرت حسانؓ شعر پڑھ رہے تھے اس واقعہ کی حضرت سعیدؒ کی روایت مرسل ہے (مقتل نہیں) کیونکہ آپؓ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا اور ابوسلمہؒ نے بھی حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا وہ تو سعیدؒ سے بھی چھوٹے ہیں حضرت امام بخاری کا موقف یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور کی بات وہ راوی نقل کرے جس نے آپؓ کا دور نہیں پایا وہ اس کی شخصیت پر قابل قبول سمجھی جائے گی۔ کیا امام مالک نے یزید بن رومان کی روایت حضرت عمرؓ کے دور کے بارے میں قبول نہیں فرمائی؟ حالانکہ اس نے آپؓ کا دور نہ پایا۔

وفي المعنى عدة احاديث لكن في اسانيد هامقال .

ترجمہ اور اس موضوع پر اور بھی احادیث ہیں لیکن ان سب کی سندوں میں کچھ نہ کچھ بات ضرور ہے

حضرت حسان بن ثابتؓ کے مسجد میں حضورؐ کی مدح میں شعر پڑھنے پر مراحت سے کوئی متصل

سند مل جائے تو بھی اسے صرف ایک قوی معرکہ سمجھنا چاہیے کہ کفار کے مقابلہ میں دفعتاً یہ صورت پیش

آگئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ کو فرمایا۔ اَجِبْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

— سو اس کو حضرت حسانؓ کے ساتھ خاص سمجھنا چاہیے۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ مسجد میں اچھے

اشعار کی مجلس چمانا اور حمد باری یا نعت نبوی کی تھیلیں منعقد کرنا ناجائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ

سے عمومی جواز سمجھا جوتا تو آپ شعر گوئی کے لیے مسجد سے باہر رجبہ (ایک کھلی جگہ) کا تعین نہ فرماتے۔ یہ حضورؐ کی اس ہدایت کے عین مطابق ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں مدح باری تعالیٰ میں بھی شعر خوانی کی اجازت نہ دی تھی بلکہ

## مسجد میں شعر خوانی کس صورت میں منع ہے

مسجد میں وعظ و نصیحت کے ضمن میں کوئی شعر پڑھا جائے یا نعت پڑھی جائے تو یہ مجلس یا محفل ہمہ تن شعر خوانی کی مجلس نہ ہوگی شعر خوانی کی مجلس وہی سمجھی جائے گی جس میں وعظ و بیان یا تذکرہ و تسبیح بالکل نہ ہو سب لوگ شعر خوانی میں لگیں اور سب کی توجہ اسی پر ہو وگراں پر ہو۔ نعت خواں حضرات ایک دوسرے سے بڑھ کر حسنِ صوت، ترنم اور شعر خوانی کا مظاہرہ کریں۔ اس میں (مجلس شعر میں) مسجد سے وہ کام لیا جا رہا ہے جس کے لیے مسجدیں بنی نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے بنی ہیں نہ کہ شعر خوانی کی رونق کے لیے مسجد میں شعر خوانی یا نعت خوانی وہ جائز ہے جہاں یہ قرآن و حدیث اور بیان و تقریر کے ضمن میں آئے نعت خوانی کے عنوان سے مستقل محافل مساجد میں نہ قائم کی جائیں، قرونِ اولیٰ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ مساجد میں صرف نعت خوانی کے لیے مجلسیں اور محفلیں منعقد کی گئی ہوں۔ آج اگر کہیں ایسی بات ہو تو یہ ایک نئی بات ہوگی۔

مسجد میں شعر پڑھنے کی ممانعت کو بعض حضرات نے اس پر محمول کیا ہے کہ بُرے اشعار وہاں نہ پڑھیں گے۔ ملاحظہ فرمائیے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بُرے اشعار تو کہیں مباح نہیں، لایباح مطلقاً لیکن کچھ دوسرے حضرات نے وجہ منع یہ بتائی ہے کہ مسجدوں میں شعر اس طرح پڑھے جائیں کہ سب لوگ اسی میں لگ جائیں۔ اس دوران مسجد میں آنے والا کوئی شخص نماز تک نہ پڑھ سکے اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں اس طرح نعت خوانی کرنا کہ سب لوگ اسی میں لگ جائیں نعت خوانی کی یہ ہمہ گیر محفل مسجد میں ہو اس کی کہیں اجازت نہیں ہے۔ یہ صورت عمل مسجد کے بنیادی مقصد سے

تطبیق نہیں کھاتی۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :-

فالجمع بينهما وبين حديث الباب ان يحمل النظم عن تناسد اشعار  
الجاهلية والمبطلين والمآذون فيه ما سلم من ذلك وقيل النظم عندهما  
اذا كان التناشد غالباً على المسجد حتى يتشاغل به من فيه .  
ترجمہ۔

سوا اس حدیث اور اس حدیث میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ مسجد میں شعر نہ پڑھنے  
کو اشعار جاہلیت پر اور غلط لوگوں کے اشعار پر محمول کیا جائے اور پڑھنے کی اجازت سے وہ اشعار ملاد  
ہوں جو ان امور سے پاک ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممانعت اس طرح شعر پڑھنے سے ہے کہ  
شعر خوانی اس طرح مسجد پر چھایا جائے کہ جو شخص بھی مسجد میں ہو اسی میں لگ جائے۔

حافظ کی پہلی تطبیق دوسری مرتبہ احادیث سے نکراتی ہے اور یہ حضرت عمرؓ کے موقف کے  
بھی خلاف ہے اور دوسری تطبیق اس پیرائے میں مسجدوں میں نعت پڑھنے اور شعر پڑھنے کی اجازت  
دیتی ہے جس طرح کہ یہ آج مجلسوں اور مجالس علماء میں مسجدوں میں پڑھ لیے جاتے ہیں۔ یہی نعت خوانی  
کی وہ مجالس جن میں شعر ہی شعر ہوں وغلط و نصیحت سر نہ سے نہ ہو تو اس طرح کی شعر خوانی مسجدوں  
میں جائز نہیں ہے۔ یہ وہ بات ہے جس کی اصل پہلے ادوار میں نہیں پائی گئی اور اب وہ سبب  
جس کے لیے حضرت حسانؓ کو مسجد میں شعر پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی بھی باقی نہیں۔ شرح  
سنن ابی داؤد میں ہے :-

فالحق كان مع عرفان العلة التي رخص لها انشاد حسان في المسجد  
قد ارتفعت .  
ترجمہ۔

پس حق حضرت عمرؓ کے ساتھ ہے کیونکہ وہ علت جس کے باعث حضرت حسانؓ کو مسجد میں  
شعر پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی اٹھ چکی ہے۔

امام ٹھوڑی (۳۷۸ھ) فرماتے ہیں :-

فہر عندنا علی الشعر اللہ میلاً الجوف فلا یكون فیہ قرآن ولا تسبیح ولا  
غیرہ فاما من کان فی جوفہ القرآن والشعر مع ذلک فلیس ممن امتلا  
جوفہ شعراً فخرج من قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یمتلئ  
جوف احدکم قیاء یریدہ خبر لہ من ان یمتلئ شعراً۔ لہ

ترجمہ۔ سوہ ہمارے ہاں ان شعروں پر محمول ہے جو پیٹ کو اس طرح بھر دیں کہ ان میں قرآن اور  
تسبیح وغیرہ کے لیے کوئی جگہ نہ ہو اور جس کے پیٹ میں قرآن بھی ہو اور اس کے ساتھ اشعار بھی  
پھل تو یہ ان اشعار سے نہیں جو پیٹ بھر دیں۔ سو یہ صورت حضورؐ کی اس وعید سے نکل جانے لگی  
کہ تمہارا پیٹ قے سے بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے  
مہامد میں نعت ثنائی کی مجالس اگر کسی وعظہ درس کے ضمن میں نہ پھل تو وہ اسی  
حکم میں ہیں۔ جب کہ قرآن کی کوئی آیت یا تسبیح کے کلمات ساتھ نہ ہوں۔

## جمع بین الحدیثین میں ایک تیسری رائے

طبیق بین الحدیثین کے دو پہلو آپ کے سامنے آچکے اب ایک تیسری رائے بھی ملاحظہ فرمائیے  
یہ طبقین ابو عبد الملک کی ہے کسی اور نے اس کی موافقت نہیں کی تاہم عمل صحابہؓ کی روشنی میں یہ واقع  
نظر آتی ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں :-

وقال ابو عبد الملک کان حسان ینشد الشعر فی المسجد فی اول الاسلام  
وکذا العب الحبش فیہ وکان للمشکون اذا لا یدخلون فلما کمل  
الاسلام زال ذلک کله قلت اشار بذلک الی النسخ۔ لہ

ترجمہ۔ ابو عبد الملک کہتے ہیں حضرت حسانؓ شروع اسلام میں مسجد میں شعر پڑھتے تھے اور اسی طرح

مسجد میں جتنی بھی کھیلتے تھے اور مشرکین کا مسجد میں عام آنا جانا تھا۔ جب اسلام مکمل ہو گیا تو یہ سب صورتیں جاتی رہیں۔ میں کہتا ہوں، شارح نے مسجد میں شعر پڑھنے کو منسوخ قرار دیا ہے۔

حضرت حسانؓ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں منبر پر بیٹھایا کہ وہ ان مشرکوں کو آپ کی طرف سے جواب دیں تو یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہ اوائل کا واقعہ ہو اور یہ اس وقت مشرک بھی مسجدوں میں آتے جاتے ہوں اور ان کے سامنے یہ جوانی کا ردائی کی جارہی ہو یہ حضرت حسانؓ کا منبر پر اشعار پڑھنا کسی طرح ان کا جواب نہیں بن پڑتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کا حکم ہی انہیں کافروں کو جواب دینے کے لیے دیا۔ آپ نے فرمایا تھا: **اجب عن رسول اللہ ﷺ**

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت حسانؓ نے حضرت عمرؓ کے دور میں مسجد میں شعر پڑھے تو حضرت عمرؓ نے اسے پسند نہ کیا اور پھر حضرت ابو ہریرہؓ کے شہادت دینے پر صرف ادباً خاموشی اختیار فرمائی استدلال نہ کیا، محدثین نے تصریح کی ہے کہ فالحق کان مع عمرو کہ اس میں حق حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ کا مسجد کے باہر شعر پڑھنے کے لیے رجبہ تیار کرنا اور سب صحابہ کا اس سے اتفاق کرنا یہ بھی اسی بات کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمرؓ مسجدوں میں اچھے اشعار کی بھی مستقل محافل قائم کرنے کی اجازت دی۔

### حضورؐ کا مزاج تھا کہ کا جواب برسر عام دیا جائے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کافر جب کبھی اپنے بت کا نعرہ لگائیں اس کے جواب میں اللہ کا نعرہ اسی وقت لگے۔ جنگ ٓحد میں ابوسفیانؓ نے جب کہا: **أَعْلٰ هُبَل**۔ تو آپ نے اسی وقت صحابہؓ کو کہا: **اجیبوہ** (تم اسے جواب دو) انہوں نے پوچھا ہم کیا کہیں، تو آپ نے فرمایا کہو: **اللہ اعلیٰ واجل** ابوسفیانؓ نے کہا: **لنا العزى ولا عزیٰ لکم** حضورؐ نے پھر فرمایا: **اجیبوہ** انہوں نے کہا ہم کیا کہیں۔ آپ نے فرمایا: **نم کہو**۔ **اللہ مولانا ولا مولاکم**۔

حضورؐ نے جو الفاظ یہاں فرمائے۔ **اجیبوہ**۔ ایسے ہی الفاظ میں آپ نے حضرت حسانؓ کو کہا تھا: **اجب عن رسول اللہ ﷺ** یہ وہ جوانی کا ردائی تھی کہ جب کافروں نے آپ کی مذمت میں شعر پڑھے

تو اس وقت آپ کی مدحت میں شعر پڑھے گئے سو حضرت حسانؒ کا اس وقت مسجد میں منبر پر چڑھ کر آپ کی مدح میں شعر پڑھنا اسی طرح ایک جوابی کاروائی تھی نہ یہ کہ مسجد میں اس اظہارِ تقاضے کے لیے بنی ہیں۔ یہ ہنگامی صورت حال میں ایک ہنگامی کاروائی تھی حضرت حسانؒ کی وہ نعت مسجد میں نعت خوانی کی محفل کے طور پر نہ پڑھی گئی تھی۔ آج کی محافلِ نعت میں مسجد میں اسی کام کے لیے لوگوں سے پُر کی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ کسی نماز پڑھنے والے کو ان میں اس وقت نماز پڑھنے کے لیے جگہ نہیں ملتی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت حسانؒ کو مسجد میں شعر پڑھتے پایا تو آپ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اسی وقت حضرت ابو ہریرہؓ کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا واقعی انہوں نے حضورؐ سے سنا تھا کہ اے حسانؓ تم میری طرف سے کفار کو جواب دو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں مسجدوں میں لوگ بلا امتیاز مذہب آتے ہوں گے ورنہ یہ کافروں کی جوابی کاروائی کسی طرح نہیں بن سکتی تھی ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت حسانؒ کا مسجد میں شعر پڑھنا صرف ایک استثنائی صورتِ عمل تھی جس مسئلہ یہی ہے کہ مسجدیں شعر خوانی کے لیے نہیں بنیں اور نہ ان میں عام محافلِ نعت خوانی منعقد کی جاسکتی ہیں جیسا کہ بریلوی حضرات نے آج کل کر رکھا ہے۔ جو روایت خلافِ قاعدہ ہو وہ اپنے مورد پر بند رکھی جاتی ہے اس سے عام استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

مسجدوں میں شعر کی ممانعت اور حضرت حسانؒ کے مسجد میں نعت پڑھنے میں جو یہ تطبیق دی گئی ہے کہ بُرے شعر مسجد میں نہ پڑھے جائیں احناف نے اس تطبیق کو قبول نہیں۔ پھر اس میں شعر کی کیا تخصیص ہے مسجدوں میں تو شعر میں بھی کوئی بری بات نہیں کہی جاسکتی۔ یہ مباح بات کہ کوئی اپنی گمشدہ چیز کا پوچھے اس کی بھی اجازت نہیں کیونکہ مسجدیں ان کاموں کے لیے نہیں بنیں۔ یہ اللہ کی عبادت کے لیے بنے اللہ کے گھر ہیں۔ ان میں حق ہی ہے کہ اسی کا نام اونچا کیا جائے۔ دسویں صدی کے مجددِ ملام علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) حافظ ابن حجرؒ کی دی تطبیق کو رد کرتے ہیں اس کا ذکر ہم پہلے کرتے ہیں۔

وقول ابن حجر ای شعرا مذمومًا لیس فی محلہ لانه لا یباح مطلقًا۔

ترجمہ۔ اور ابن حجر یہ کہنا کہ یہ (مسجدوں میں شعر کی ممانعت) بُرے اشعار پر محمول ہے مرتع کی بات نہیں۔ بُرے اشعار تو کہیں بھی جائز نہیں۔

ایک سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے مسجد میں حمد باری تعالیٰ کرنے یا نعت خوانی کرنے

کی اجازت دی ہے

الجواب: یہ حضرت امامؒ پر افتراء ہے آپ مسجد میں ذکر بالجہر کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ اب یہ

کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ مسجد میں نعت خوانی کی محافل قائم کرنے کو جائز ٹھہرائیں۔ علامہ علی قاریؒ نے حضرت امامؒ پر باذہمے لکھے اس افتراء کی پُر زور تردید کی ہے۔

نسبة فی مطلق الکراهة الی الامام الاعظم هو افتراء علیہ اذ مذہبہ

کراهة رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر نعم جواز اللہ رسی فی المسجد

والبحث فیہ لم یشوش علی المصلین اول ینکن هناك مصلون۔

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا کہ آپ مطلق کرنا کہتے ہیں قابل نہیں یہ آپ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ آپ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں آواز اونچی کرنا گو وہ ذکر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو مکروہ ہے۔ ہاں مسجد میں درس دینا اور مسائل میں اس طرح بحث کرنا کہ وہ نمازیوں پر عتاب تشویش نہ جائز ہے یا اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہاں عام نماز پڑھنے والے نہ ہوں۔ ہمارے بعض علماء نے یہ بات واضح طہر پر کھی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا گو وہ ذکر ہی کے لیے کیوں نہ ہو حرام ہے۔

وقد نص بعض علماء بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام۔

ترجمہ۔ اور ہمارے بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر ہی کی ہو حرام ہے۔



## مسجدوں میں شعر پڑھنے پر فقہاء احناف کا فیصلہ

حدیث میں کسی طرح کا کوئی اختلاف ہو تو فیصلہ کن حیثیت فقہاء کی ہوتی ہے۔ ترمذی شریف میں ہے کہ فقہاء ہی حدیث کے معنی کو بہتر سمجھتے ہیں۔  
عافط ابن تیمیہؒ بھی فرماتے ہیں کہ نصوص میں اگر کوئی مشکل ہو تو فقہاء کی تقلید سے ہی مشکلات حل ہوتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:-

ولهذا كان عامة المشايخ اذا احتاجوا في مسائل الشرع مثل مسائل النكاح  
والفرائض والطهارة وسجود السهو ونحو ذلك قلدا الفقهاء لصعوبة  
اخذوا له عليهم من النصوص.ؒ

ترجمہ: جمہور علماء مسائل شریعت میں نکاح، طہارت اور سجود سہو وغیرہ  
میں کسی مشکل میں گھرے ہوں تو وہ فقہاء کی تقلید کرتے ہیں بوجہ اس مشکل کے جو  
انہیں نصوص میں پیش آرہی ہو۔  
یہاں اب فقہاء کرام کا فیصلہ دیکھیں:-

① مسجد میں لے سے شعر پڑھنا جائز نہیں نہ مسجد میں تحمیں صوت اور ترنم سے شعر پڑھے جائیں۔  
لا بأس باستماع نشيد الاعراب وهو انشاء الشعر من غير لحن فما كان  
منه في الوعظ والحكم وذكر انعم الله وصفة المتقين فهو حسنؒ  
ترجمہ: شعر پڑھنا اگر لے سے نہ ہو تو اسے سنا جائز ہے اس میں نصیحت، حکمت  
اور اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہو اور متقین کی صفت ہو تو یہ درجہ حسن میں ہے۔

اور جو لوگ پیشہ در لغت خواں ہوں اور یہ ان کی کمائی کا ذریعہ ہو اس سے ان کی شہادت  
لائق قبول نہیں رہتی۔ سو ان کو مسجدوں میں ایسی محفلیں قائم کرنے کی اجازت نہ دینی چاہیے۔

فتاویٰ شامی میں ہے :-

ومن كثرة انشاده وانشاءه حين تنزل به مهماته ومجمله مكسبه  
له تنقص مروءته وتورد شهادته. ۱۷

ترجمہ۔ اور جو عام شعر خوانی کریں اور جب موقع لگے وہ پہنچ جاتے ہوں اور انہوں  
نے اسے اپنی کمائی کا ذریعہ بنا رکھا ہو تو ان کی حرمت ناقص ہو جائے گی اور ان  
کی شہادت لائق قبول نہ رہے گی۔

واخرج الامام الطحاوی فی شرح مجمع الآثار انہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نہی عن تنشيد الاشعار فی المسجد وان یتباع فیہ السلیع۔

ترجمہ۔ امام طحاوی نے شرح مجمع الآثار میں حدیث روایت کی ہے کہ حضورؐ نے  
مسجد میں شعر خوانی سے روکا ہے اور اس سے بھی کہ وہاں سامان فروخت کیا  
جائے۔

سو اس نہی کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ مسجد پر اشعار چھپا جائیں اور وہاں جو لوگ ہوں  
سب اس میں لگ جائیں شعر خوانی کی یہ مجلس سب کو اپنے میں مشغول کر لے۔

او علی ما ینب علی المسجد حتی یکون اکثر من فیہ متشاغلا .....  
فکلذک البیع وانشاد الشعر والحلق قبل الصلوة فغالغ علیہ کرہ  
وما افلا. ۱۸

ترجمہ۔ یا یہ کہ وہ آواز پوری مسجد پر چھپا جائے یہاں تک کہ جو اس میں ہوں سب اسکا  
طرف لگ جائیں شعر خوانی اور حلقے بندی اگر غالب آجائے تو یہ عمل جائز نہ ہوگا  
اور مکروہ نہیں۔

## محفل میلاد کو شرعی حیثیت دینے کے دینی نقصانات

① شرعی عمل وہی ہے جو شریعت میں موجود ہو۔ کتاب و سنت میں اس کی اصل اور وضع کا پتہ دیا گیا ہو یا کتاب و سنت کی گہرائی سے اسے کسی مجتہد نے نکشید کیا ہو۔ مروجہ محفل میلاد اپنی ہیئت کذائی کے ساتھ اسلام کی پہلی چھ صدیوں میں نہیں ملتی۔ اب اسے ایک شرعی حیثیت دینا جب کہ اس کی حمایت میں ائمہ اربعہ میں سے بھی کوئی نہ ہو شریعت پر ایک انقراض ہے اور یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔

② جب بھی اسلام میں کوئی نئی بات داخل کی جائے تو ظاہر ہے کہ سارے مسلمان تو اسے اختیار نہ کریں گے۔ مروجہ مسلمان مروجہ محفل میلاد سے اس لیے کنارہ کش رہے کہ اس پر صحابہ کرامؓ اور ائمہ اربعہ کا عمل نہیں رہا تو لازم ہے کہ اس پر مسلمان اہل سنت اور اہل بدعت دو حصوں میں بٹ جائیں گے اور اس سے امت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ سو مروجہ محفل میلاد کی پابندی کرنا اور اس موقع پر جلوس نکالنا یقیناً تفریق امت کا ایک عمل ہو گا جو اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسندیدہ نہیں۔

③ مروجہ محفل میلاد میں کسی غلط عقیدے بھی پرورش پاتے ہیں مثلاً یہ کہ جو لوگ میلاد کی یہ محفلیں نہیں مناتے وہ حق پر نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کی زد میں اسلامی تاریخ کے پہلے چھ سو سال کے مسلمان سب کے سب غلاف حق سمجھے جائیں گے۔ اس سے زیادہ غیر سبیل المؤمنین اور کیا ہوگی۔ ۲۔ پھر اہل میلاد کا یہ عقیدہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میں تشریف لاتے ہیں لہذا کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کیا جائے اس لیے ایک نئے اسلام کی تشکیل ہوگی۔ پرانے اسلام میں تو ایسے کسی عقیدے کو راہ نہیں ملتی۔

④ اپنے بزرگوں کا یوم ولادت منانا سپید سے دو غیر مسلم قوموں میں چلا آ رہا ہے عیسائی کرسمس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ہندو جنم اشٹمی پر کرشن کا جنم مناتے ہیں مسلمانوں نے حضور اکرمؐ کے یوم ولادت پر بھی شریعت کا کوئی خاص عمل اختیار نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ یوم بخت

یوم ولادت سے بھی زیادہ اکرام کے لائق تھا۔ یوم بعثت کی خوشی آئینہ رسالت میں ہے اور میلاد کی آئینہ ولادت میں۔ سو مسلمان بھی اگر یوم ولادت منائے پر آجائیں تو کیا یہ ان دو کھپلی دو قوموں کا تشبہ نہ دکھائی دے گا؟

⑤ اسلام سراپا عمل ہے اور اس کے تمام دین اعمال شریعت کہلاتے ہیں اور ان کے اپنے درجات ہیں۔ فرض، واجب، سنت اور مستحب۔ اہل بدعت مردہ محض میلاد کو کیا درجہ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ ان کے علماء اسے مستحب یا مباح سے آگے کوئی درجہ نہ دے سکیں گے۔ تاہم ان کے عوام اسے فرض اور واجب سے کسی درجہ میں کم نہیں سمجھتے۔ یہ کتنا بڑا جرم ہے اسے مولانا محمود احمد رضوی ناظم حزب الاخوان سے پوچھیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

جو شخص کسی امر مستحب کو فرض واجب سمجھنے لگے یا کسی امر مستحب کو فرض واجب کا درجہ دے تو جان کو کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا..... جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت مانسکر کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا۔ لے

⑥ شیعہ محرم پر اپنے جلوس عزاداری نکالتے ہیں اور اہل سنت انہیں دین میں ایک نئی داخل کردہ چیز سمجھتے ہیں۔ اب اہل سنت بھی اگر اس طرح اپنے جلوس نکالیں جو اسلام کی پہلی سات صدیوں میں جمیع اقالم اسلامی میں کہیں نہیں ملتے تو سنیوں کے اعتقاد میں کسی درجہ میں شیعیت آجائے گی۔ اس صودرت میں مولانا احمد رضا خاں کی اس نصیحت کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہے :-

ہاں جہاں اس سے کوئی معذور شرعی پیدا ہوتا ہو مثلاً جن بلاد میں محرم کے علم رائج ہیں عوام اس کو ان سے سمجھیں یا اس سے ان کے جواز پر استدلال کریں اور فرق سمجھنا کی ضرورت پڑے وہاں اس سے احتراز کیا جائے کہ کوئی امر ضروری نہیں اور احتمال فتنہ اور فساد عقیدہ ہے۔ لے

## ④ مساجد میں شعر خوانی کی مجالس

مسجدیں اللہ کے ذکر اور خدا کی عبادت کے لیے ہیں ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکڑنا جائز نہیں جب ان مسجدوں میں نعت خوانی کی مجلسیں قائم ہو جاتی ہیں اور اس موقع پر مسجد کا سب سے بڑا کام انہی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس دوران وہاں نماز پڑھنے کے لیے کسی وجہ سے دیر سے آنے والے مسجدوں میں اپنے حق عبادت سے روک دیے جاتے ہیں اور یہ قرآن پاک کی نص کے خلاف ہے۔ پھر مساجد میں سر پرانعت خوانی کی مجلس ہو اور یہ نعت پڑھنا کسی وعظ و تقریر یا جلسہ تبلیغ کے ضمن میں نہ ہو تو احناف کے ہاں مساجد میں ایسی محافل نعت کی اجازت نہیں حضرت حسانؓ کا مسجد میں مدح رسول کے اشعار پڑھنا صرف کافروں کی جوابی کاروائی کے طور پر تھا محفل میلاد کے طور پر نہ تھا۔ ورنہ یہ نعت خوانی خلفائے راشدینؓ کے دور میں عام دیکھی جاتی۔

## ⑤ محافل نعت میں مساجد میں چراغاں

محافل نعت کے لیے مسجدوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کی جاتی ہے اس میں صرف اصراف ہی نہیں مجوسوں (آتش پرستوں) سے تشبہ بھی ہوتا ہے۔ نادان مسلمان اس کو مسجدوں کی رونق سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ برہمنوں کی پیدا کردہ بدعت ہے۔ یہ آتش پرست خلفاء بنو عباس کے دور میں سیاسی طور پر بہت اُد پر آگئے تھے۔

روشنی کا مقصد ایک انسانی ضرورت کو پورا کرنا ہے اسے مسجدوں کی خوبصورتی اور زینت بنانا آگ میں رونق کو تلاش کرنا ہے۔ آتش پرست قومیں آگ میں خدا کا جلال دیکھتی تھیں۔ ہندوؤں کے مشعل بردار جلوس، دہکتی آگ میں ماتم کے جلوس اور عیسائیوں کے کرسمس کی بہار ایسی ہی ہیں جو مسلمان شب بارات میں چراغاں کرتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس سے منع کیا ہے۔

## ① مروجہ محفل میلاد میں عورتوں کی شرکت

حضرت عمرؓ نے بدلے ہوئے حالات میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا تھا۔ اسلام میں صرف برائی پر قدغن نہیں سزاؤں کے طور پر بہت سی ان باتوں سے بھی روک دیا جاتا ہے جن میں عورتوں کو کوئی برائی نہ ہو۔ میلاد کی محفلوں میں عورتوں کے لیے علیحدہ بیٹھنے کا بھی انتظام ہوتا ہے۔ ان کی نظریں نعت پڑھنے والوں کو دیکھنے بغیر مطمئن نہیں ہوتیں۔ وہ مساجد کی گیلریوں سے بھی اٹھ اٹھ کر ان کو دیکھتی ہیں۔ عورتوں کے لیے غیر محرم مردوں اور مردوں کو اس ذوق و شوق سے دیکھنا ہرگز جائز نہیں نعت خوانوں کا ان محفلوں میں اپنے حسن صوت کی لہریں دکھانا اور اشعار کے مد و جود قائم کرنا یہ نیکی کے نام پر ایک لہو و لعب کی مجلس قائم کر دینا ہے۔ پھر اس دور میں جب کہ عورتوں پر پردے کی کوئی پابندی نہیں عورتوں کا بن سونہر کر ان محفلوں میں آنا اور پھر یہاں سے جانا۔ آتے جاتے کئی ناجائز ملاقاتوں یا نظروں کا سامان بھی پیدا کرتا ہے۔ ان محافل نعت میں عورتوں کو سر سے آنے کی اجازت نہ ہوتی چاہیے۔

یہ صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں مسجدوں میں نماز کے لیے آتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خیر صفوف الرجال اولہا وشرہا آخرہا وخیر صفوف النساء آخرہا وشرہا اولہا ۱

ترجمہ: مردوں کی بہترین صف پہلی ہے اور کمزور ترین آخری اور عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور کمزور ترین پہلی صف ہے۔ (جو مردوں سے نسبتاً قریب ہوگی) پھر آپ نے یہ بھی فرمایا:

لا تمنعوا نساءکم المساجد اذا استاذنکم الیہا ۲  
جب وہ تم سے اجازت مانگیں "یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ آئندہ یہ فیصلے تمہیں نے کرنے ہیں کہ کب انہیں آنے کی اجازت دی جائے اور کب نہ دی جائے۔ سو فقہانے

اس اجازت کو ان قیود سے مقید کیا ہے :-

ان لاتكون متطيبة ولا مزينة ولا ذات خلاخل يسمع  
صوتها ولا شباب فاخرة ولا مختلطة بالرجال ولا  
مشابة ونحوها ممن يفتنن بها وان لا يكون في الطريق  
ما يخاف به مفسدة ۱۷

ترجمہ: خوشبو نہ لگائے ہوئے ہو، زینت نہ کر رکھی ہو، خلخل پہنے نہ ہو جس کی آواز سنی جا سکے  
عمدہ کپڑے نہ پہن رکھے ہوں اور عام مردوں سے اختلاط نہ کرنے والی ہو اور اس طرح  
نہ ہو کہ اس سے آگے کوئی قنہ پھوٹے اور رستے میں اس سے کسی برائی کا اندیشہ نہ ہو۔  
اسلام دینِ فطرت ہے جہاں کسی اجازت میں کوئی برائی کا پہلو نہ نکلتے وہاں اس  
اجازت میں ترمیم کی جائے گی۔ برائی کو قائم نہ رکھا جائے گا اس سے ہر صورت میں احتراز  
کیا جائے گا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضورؐ کے بعد عورتوں کے مسجدوں میں  
آنے میں جب کچھ مفاسد دیکھے تو آپؐ نے انہیں مسجدوں میں آنے سے سختی سے منع کیا  
اور فرمایا کہ حضورؐ بھی اگر یہ صورت حال دیکھتے تو ضرور انہیں مسجدوں میں آنے سے روکتے  
ساتویں صدی کے جلیل القدر محدث اور امام نووی لکھتے ہیں :-

صح عن عائشة لوراي رسول الله صلى الله عليه وسلم

ما احدث النساء لهن المساجد ۱۸

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ  
علیہ وسلم بھی اگر اس صورت حال کو پایتے جو عورتوں نے پیدا کر رکھی ہے (کہ بن عٹن کر  
مسجدوں میں آتی ہیں اور مردوں کے ساتھ عام مل کر آتی ہیں) تو آپؐ ضرور انہیں مسجدوں  
میں آنے سے روکتے۔

اس سے جہاں پتہ چلا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہر جگہ حاضر و ناظر نہ سمجھتی تھیں، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت محمدی میں بعض احکام اختلاف زمان و مکان سے بدل بھی جاتے ہیں۔ یہ صرف فقہاء کا کام ہے کہ وہ احکام کی علل پر نظر رکھیں۔ وہ وقت کے تقاضے کے مطابق ان کا حکم بیان کریں۔ اسلام میں ہر کس و ناکس کو اجتہاد کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور نہ کسی ایک ملک کی کارروائی سے اجماع امت بنتا ہے۔ یہ امت جمیع اقایم عالم میں پھیلی ہے۔ سو تمام اسلامی دنیا کے لائق اعتماد فقہاء ہی کسی درجہ میں اجماع امت کی صورت پیدا کرتے دکھائے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں ستر اسلامی تنظیموں نے باہمی تفتیش و تحقیق سے قادیانیوں کو ایک غیر مسلم کمیشنٹی قرار دیا تھا۔ سوائے ہم اجماع امت کہہ سکتے ہیں۔

### ⑤ شعروں میں حضورؐ کے نام پر درود نہیں پڑھا جاسکتا

شعروں کے اپنے اذان ہوتے ہیں ان میں لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آجائے تو نعت خراں اگر درود پڑھے تو وزن پر قابو نہیں رہتا۔ درود نہ پڑھے تو اسے گناہ ہوتا ہے۔ شاعر ایسے متوقوں پر اکثر بے درود ہی چلتے ہیں سنانے والے پھر بھی اچھے رہے کہ ساتھ ساتھ درود پڑھتے رہے لیکن شاعر بے نصیب رہے کہ ساتھ ساتھ درود نہ پڑھ سکے۔

انگلینڈ کے بریلوی اسم پاک پر صرف درود کو کافی نہیں سمجھتے وہ ساتھ سلام کو بھی لازم کرتے ہیں۔ احناف کے ہاں درود و سلام میں افراد مکروہ نہیں مگر بریلوی اس مسئلہ میں احناف کے طریقے پر نہیں شافیوں کے ساتھ ہیں اس صورت میں یہ شاعر حضرات دوہرے گناہ کے مرتکب ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر نہ درود پڑھ سکے نہ سلام۔

عوام بیٹھے بیٹھے گو درود و سلام پڑھ لیں مگر بریلوی علماء کا یہ ختمیٰ ان کے لیے کوہِ گراں سے کم نہیں کہ سلام کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیئے اور وہ بھی بحالت قیام۔ جو اس طرح درود و سلام نہیں پڑھتا وہ بے ادب اور گستاخ ہے۔ استغفر اللہ العظیم



ہم انہیں مولانا احمد رضا خاں کے نعت خواں حافظ — کے یہ اشعار بھی سنا دیں  
 تو وہ اپنے اس اصرار سے باز نہ آئیں گے کہ حضورؐ پر سلام بیٹھے بھی چڑھا جاسکتا ہے۔  
 بجا لا کے تعظیمِ رسمِ قیام بیٹھے بیٹھے پڑھو درود و سلام  
 یہ اشعار بریلی میں مولانا احمد رضا خاں کے سامنے پڑھ گئے تھے اور خاں صاحب  
 اس شعر پر جھوم رہے تھے۔

تم المجلد السادس بمنه وكرمه ويتلوه السابع  
 ان شاء الله تعالى -

حافظی مکتبہ پود دیوبند